



مُحَمَّد بن عَمَّا اَو اُن کی کتابوں کا تعارف

صالح رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور عقائد
اور ان کی کتابوں کا تفصیلی تعارف

شیخ الحدیث مولانا سلیم احمد خان
مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی

ناشر

مکتبہ فاروقیہ

شاہ فیصل کالونی ۲۰ کراچی

مُحَمَّدِیْن عَظَمَآ اَوْ اُنْ كِی كِتَابُوں كَا تَعَارُفُ

محلِ حِزْبِ اُنْ كے مَصْنُفِیْن مَشْهُورِ عَرَبِیْن
اور اُنْ كِی كِتَابُوں كَا تَفْصِیْلِ تَعَارُفُ

شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان
مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی

ناشر
مکتبہ فاروقیہ

شاہ فیصل کالونی ۲۰ کراچی

جملہ حقوق بحق مکتبہ فاروقیہ کراچی محفوظ ہیں

محمد شین عظام

1426ھ / 2005ء

m_farooqia@hotmail.com

ناشر

مکتبہ فاروقیہ

نزد جامعہ فاروقیہ، شاہ فیصل کالونی نمبر 4

کراچی 75230، پاکستان

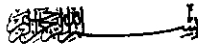
فون: 021-4575763

Near Jamia Farooqia, Shah

Faisal Colony # 4, Karachi

Tel: 021-4575763

پیش لفظ



نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اللہ جل شانہ نے محض اپنے فضل و کرم سے گزشتہ تقریباً نصف صدی سے احادیث کی کتابیں پڑھانے کی توفیق عطا فرمائی ہے، صحاح ستہ اور دوسری کتب حدیث کا سالہا سال درس ہوتا رہا، ہر کتاب کی ابتدا میں مصنف اور کتاب کا تعارف کرانے کا معمول عام ہے، ہمارے درس میں بھی یہ معمول جاری رہا اور کتاب کو شروع کرنے سے پہلے اس کتاب کے مصنف کے حالات تفصیل کے ساتھ بیان کئے جاتے اور کتاب کی خصوصیات اور تعارف پر مفصل گفتگو کی جاتی، مختلف سالوں میں طلبہ اس کو قلمبند کرتے رہے، اس طرح صحاح ستہ (صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ) کے علاوہ مؤطا امام مالک، مؤطا امام محمد اور طحاوی شریف..... حدیث کی ان نو معیاری کتب اور ان کے مصنفین کے تفصیلی حالات الحمد للہ قلمبند ہو گئے، کئی سال پہلے کتابی شکل میں یہ مرتب بھی ہو گئے اور اس کی کتابت بھی ہو گئی تھی لیکن تحقیق و تخریج اور حوالہ جات کا کام اس پر نہیں ہوا تھا اور اس کے بغیر کتاب کی اشاعت پر دل مطمئن نہیں ہو رہا تھا۔

اللہ جزائے خیر دے جامعہ فاروقیہ کے سابق استاذ مولانا عبدالاحد صاحب کو انہوں نے اس کی تحقیق و تخریج کی ذمہ داری قبول کی اور بڑی محنت اور دلچسپی کے ساتھ اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا، مولوی حبیب اللہ زکریا اور مولوی سلیم اللہ زکریا نے پروفوں کی تصحیح میں تعاون کیا۔

امید ہے کہ یہ کتاب نہ صرف دورہ حدیث کے اساتذہ اور طلبہ کے لیے مفید ہو

گی بلکہ عام لوگ بھی ان عظیم شخصیات کے حالات اور علمی کارناموں کو پڑھ کر اپنے ایمان میں تازگی اور قلب و روح میں بالیدگی محسوس کریں گے۔

اللہ جل شانہ اس کو قبولیت عطا فرمائیں اور ہمارے لیے اور پڑھنے والوں کے لیے اس کو ذخیرہ آخرت بنائیں۔ آمین

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین۔

سمیع شہ خان

۱۰/۱۰/۱۴۲۲ھ

فہرست

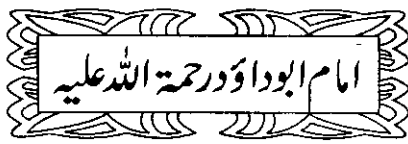
صفحہ	عنوان	نمبر شمار
	امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ	
۱۸	نام و نسب	۱
۲۰	ولادت و وفات	۲
۲۱	مختصر حالات اور تعلیم	۳
۲۲	بے مثال حافظہ	۴
۲۳	امام صاحب کے علمی اسفار	۵
۲۶	تنبیہ	۶
۲۶	ان رحلات میں امام صاحب کی تنگدستی	۷
۲۸	امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا فضل و شرف	۸
۲۹	احتیاط و تقویٰ	۹
۲۹	علمی وقار کی حفاظت	۱۰
۳۱	حسن سلوک اور ایثار	۱۱
۳۱	بے نفسی	۱۲
۳۲	حدیث پر عمل کا اہتمام	۱۳
۳۳	نشانہ بازی میں مہارت	۱۴
۳۳	شوقِ عبادت	۱۵

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۳۴	قبولیتِ دعاء.....	۱۶
۳۴	عللِ حدیث کی معرفت میں انفرادیت.....	۱۷
۳۵	نقد و جرح کے سلسلے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ.....	۱۸
۳۷	امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اہل علم کی نظر میں.....	۱۹
۳۸	ابتلاء و وصال.....	۲۰
۳۹	پہلی جلاوطنی.....	۲۱
۴۰	دوسری دفعہ خراج.....	۲۲
۴۱	تیسری مرتبہ جلاوطنی.....	۲۳
۴۵	اپنے وطن بخارا میں آزمائش.....	۲۴
۴۶	ایک بشارت.....	۲۵
۴۷	تصانیف.....	۲۶
۴۸	بخاری شریف کا نام.....	۲۷
۴۹	سببِ تالیف صحیح بخاری.....	۲۸
۵۰	تالیف کی ابتداء و انتہاء.....	۲۹
۵۲	صحیح بخاری کا ایک امتیاز.....	۳۰
۵۳	تعدادِ روایات صحیح بخاری.....	۳۱
۵۴	میزانِ کل احادیث بدون تکرار.....	۳۲
۵۴	موضوعِ کتاب.....	۳۳
۵۶	شروط صحیح بخاری.....	۳۴
۵۹	خصائص صحیح بخاری.....	۳۵

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۳۶	تلاشیات.....	۶۱
۳۷	فصل اول: تراجم بخاری.....	۶۲
۳۸	باب: بلا ترجمہ.....	۶۳
۳۹	فصل ثانی: اثبات تراجم.....	۶۷
۴۰	تراجم کی قسمیں.....	۶۸
۴۱	تراجم ظاہرہ.....	۶۸
۴۲	تراجم خفیہ.....	۶۸
۴۳	فضائل جامع صحیح بخاری.....	۷۱
۴۴	اصح الکتاب بعد کتاب اللہ: صحیح البخاری.....	۷۳۰
۴۵	ایک غلط فہمی کا ازالہ.....	۷۵
		
۴۶	نسب و سبب.....	۷۶
۴۷	مختصر تاریخ نیشاپور.....	۷۶
۴۸	دنیاۓ اسلام میں سب سے پہلا دارالعلوم.....	۷۷
۴۹	ولادت.....	۷۸
۵۰	سماع حدیث.....	۷۹
۱۵۱	علمی رحلات، مشہور اساتذہ و تلامذہ.....	۷۹
۵۲	امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے وہ اساتذہ جن کی روایت صحیح مسلم میں نہیں.....	۸۰
۵۳	حلیہ مبارکہ.....	۸۲

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۸۲	سیرت و اخلاق.....	۵۴
۸۲	خراج عقیدت.....	۵۵
۸۴	وفات کا المناک واقعہ.....	۵۶
۸۵	امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک.....	۵۷
۸۶	تصانیف.....	۵۸
۸۷	وجہ تالیف صحیح مسلم.....	۵۹
۸۷	اہتمام تالیف.....	۶۰
۸۹	زمانہ تالیف.....	۶۱
۹۰	تعداد و روایات.....	۶۲
۹۰	تراجم و ابواب.....	۶۳
۹۱	کیا صحیح مسلم جامع ہے؟.....	۶۴
۹۳	خصوصیات صحیح مسلم.....	۶۵
۹۶	صحیح مسلم کی شرائط.....	۶۶
۱۰۰	حدیثِ معنعن.....	۶۷
۱۰۳	رواقِ مسلم.....	۶۸
۱۰۴	ضروری تنبیہ.....	۶۹
۱۰۵	شروح و حواشی.....	۷۰

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
		
۱۰۷	نام و نسب و نسبت	۷۱
۱۰۷	تحقیق نساء اور وجہ تسمیہ	۷۴
۱۰۸	ولادت	۷۳
۱۰۹	ابتدائی تعلیم اور علمی رحلات	۷۴
۱۱۰	اساتذہ	۷۵
۱۱۱	تلامذہ	۷۶
۱۱۲	امام نسائی کا علمی مقام	۷۷
۱۱۳	حلیہ اور طرز زندگی	۷۸
۱۱۳	تقویٰ و دلیری	۷۹
۱۱۴	امام نسائی اور حارث بن مسکین کا واقعہ	۸۰
۱۱۴	وفات	۸۱
۱۱۶	امام نسائی پر تشیع کا شبہ	۸۲
۱۱۸	مسلم	۸۳
۱۱۸	امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور امام نسائی	۸۴
۱۲۲	تصانیف	۸۵
۱۲۳	وجہ تصنیف	۸۶
۱۲۴	سنن کبریٰ اور سنن صغریٰ میں فرق	۸۷
۱۲۶	سنن نسائی کی اہمیت اور خصوصیات	۸۸


صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۱۲۷	شرائط.....	۸۹
۱۲۸	سفن نسائی پر صحت کا اطلاق.....	۹۰
۱۲۹	شروح و تعلیقات.....	۹۱
		
۱۳۱	ولادت.....	۹۲
۱۳۱	نسب و نسبت.....	۹۳
۱۳۳	پیدائش.....	۹۴
۱۳۳	ابتداء تحصیل علم اور علمی رحلات.....	۹۵
۱۳۴	مشائخ.....	۹۶
۱۳۵	تلامذہ.....	۹۷
۱۳۶	وفات.....	۹۸
۱۳۶	زہد و تقویٰ، اخلاق و عادات اور آپ کی شخصیت دوسرے علماء کی نظر.....	۹۹
۱۳۹	امام ابوداؤد بحیثیت فقیہ.....	۱۰۰
۱۴۰	مسلک.....	۱۰۱
۱۴۱	تالیفات.....	۱۰۲
۱۴۲	زمانہ تالیف.....	۱۰۳
۱۴۲	تعداد روایات.....	۱۰۴
۱۴۳	منتخبات.....	۱۰۵
۱۴۴	شرائط و خصوصیات.....	۱۰۶
۱۴۶	ضروری تنبیہ.....	۱۰۷

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۰۸	ماسکت عنہ ابوداؤد کی بحث.....	۱۳۷
۱۰۹	سنن ابوداؤد میں کوئی حدیث ثلاثی نہیں.....	۱۵۵
۱۱۰	سنن ابوداؤد کے نسخے.....	۱۵۷
۱۱۱	سنن ابوداؤد اہل فن کی نظر میں.....	۱۵۸
۱۱۲	شروح و حواشی و مختصرات.....	۱۶۰
		
۱۱۳	نسب و نسبت.....	۱۶۳
۱۱۴	ابو عیسیٰ کنیت رکھنا.....	۱۶۴
۱۱۵	ولادت و وفات.....	۱۶۷
۱۱۶	کیا امام ترمذی پیدائشی نابینا تھے؟.....	۱۶۷
۱۱۷	تحصیل علم.....	۱۶۸
۱۱۸	حیرت انگیز حافظہ.....	۱۶۸
۱۱۹	جلالتِ قدر.....	۱۶۹
۱۲۰	امام ترمذی ابن حزم کی نظر میں.....	۱۷۱
۱۲۱	شیوخ و تلامذہ.....	۱۷۳
۱۲۲	تصانیف.....	۱۷۳
۱۲۳	مسلک.....	۱۷۴
۱۲۴	کتاب کا نام.....	۱۷۴
۱۲۵	عادات امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ.....	۱۷۵

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۱۷۹	تنبیہ.....	۱۲۶
۱۸۱	بعض اصطلاحات کی تشریح.....	۱۲۷
۱۸۱	ہذا حدیث صحیح.....	۱۲۸
۱۸۱	صحیح کی دو قسمیں ہیں.....	۱۲۹
۱۸۱	ہذا حدیث حسن.....	۱۳۰
۱۸۱	حسن کی بھی دو قسمیں ہیں.....	۱۳۱
۱۸۱	ابن تیمیہؒ کا قول اور اس کا محاکمہ.....	۱۳۲
۱۸۲	ہذا حدیث حسن صحیح.....	۱۳۳
۱۸۶	ہذا الحدیث اصح شیء فی ہذا الباب واحسن.....	۱۳۴
۱۸۷	ہو مقارب الحدیث.....	۱۳۵
۱۸۷	ہذا حدیث مضطرب و ہذا حدیث فیہ اضطراب.....	۱۳۶
۱۸۸	ہذا حدیث غیر محفوظ.....	۱۳۷
۱۸۹	ہذا حدیث حسن غریب.....	۱۳۸
۱۹۰	ہذا حدیث جید.....	۱۳۹
۱۹۲	ہذا حدیث مفسر.....	۱۴۰
۱۹۲	قد ذهب بعض اہل الکوفۃ.....	۱۴۱
۱۹۳	بعض اہل الرائے.....	۱۴۲
۱۹۶	قیاس کی حیثیت.....	۱۴۳
۱۹۸	شروح و مختصرات.....	۱۴۴

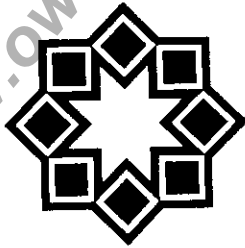
صفحہ	عنوان	نمبر شمار
	امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ	
۲۰۱	نسب.....	۱۴۵
۲۰۱	نسبت.....	۱۴۶
۲۰۲	تحقیق ابن ماجہ.....	۱۴۷
۲۰۳	شہر قزوین.....	۱۴۸
۲۰۳	ولادت.....	۱۴۹
۲۰۴	ابتدائی تعلیم اور علمی اسفار.....	۱۵۰
۲۰۴	شیوخ.....	۱۵۱
۲۰۵	تلامذہ اور راویان سنن.....	۱۵۲
۲۰۵	وفات.....	۱۵۳
۲۰۵	امام ابن ماجہ ائمہ فن کی نظر میں.....	۱۵۴
۲۰۶	امام ابن ماجہ بحیثیت مفسر و مورخ.....	۱۵۵
۲۰۸	مسلک.....	۱۵۶
۲۰۸	تعداد ابواب و احادیث.....	۱۵۷
۲۰۹	خصوصیات اور اقوال علماء.....	۱۵۸
۲۱۲	ثلاثیات ابن ماجہ.....	۱۵۹
۲۱۵	تفردات ابن ماجہ.....	۱۶۰
۲۱۶	شروح.....	۱۶۱

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
		
۲۱۹	نسب و نسبت	۱۶۲
۲۱۹	ابو عامر	۱۶۳
۲۲۱	امام صاحب کے چچا ربیع بن مالک	۱۶۳
۲۲۱	امام صاحب کے دوسرے چچا نافع بن مالک	۱۶۵
۲۲۱	امام صاحب کے تیسرے چچا اولیس بن مالک	۱۶۶
۲۲۱	امام صاحب کی والدہ	۱۶۷
۲۲۲	ولادت	۱۶۸
۲۲۲	وفات	۱۶۹
۲۲۳	حلیہ و لباس	۱۷۰
۲۲۳	تحصیل علم	۱۷۱
۲۲۳	درس و تدریس	۱۷۲
۲۲۴	وقارِ مجلسِ درس	۱۷۳
۲۲۶	مسائل بتانے میں کمالِ احتیاط	۱۷۴
۲۲۷	امام صاحب دوسرے اہل علم کی نظر میں	۱۷۵
۲۲۸	امام مالک اور امام اعظم کے تعلقات	۱۷۶
۲۲۹	دورِ ابتلاء	۱۷۷
۲۳۰	اساتذہ	۱۷۸

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۲۳۱	تلامذہ.....	۱۷۹
۲۳۲	تالیفات.....	۱۸۰
۲۳۲	مؤطا کی تاریخ، وجہ تصنیف اور وجہ تسمیہ.....	۱۸۱
۲۳۳	تعداد روایات.....	۱۸۲
۲۳۴	رواۃ مؤطا اور نسخوں کی تعداد.....	۱۸۳
۲۳۷	مؤطا کے چار مشہور نسخے.....	۱۸۴
۲۳۹	فضائل مؤطا.....	۱۸۵
۲۴۰	شروح.....	۱۸۶
		
۲۴۲	نسب و مولد.....	۱۸۷
۲۴۳	وفات.....	۱۸۸
۲۴۳	ابتداء تعلیم اور امام ابو حنیفہ سے شرف تلمذ.....	۱۸۹
۲۴۴	علمی انہماک.....	۱۹۰
۲۴۵	امام محمد رحمۃ اللہ علیہ بحیثیت فقیہ.....	۱۹۱
۲۴۶	امام محمد رحمۃ اللہ علیہ بحیثیت محدث.....	۱۹۲
۲۴۷	امام محمد رحمۃ اللہ علیہ بحیثیت لغوی.....	۱۹۳
۲۴۷	امام محمد رحمۃ اللہ علیہ بحیثیت قاضی.....	۱۹۴
۲۴۹	امام محمد کے تلامذہ.....	۱۹۵

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۲۴۹	امام محمد اور فقہ مالکی کی تدوین.....	۱۹۶
۲۵۰	امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے تعلقات.....	۱۹۷
۲۵۱	تصانیفِ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ.....	۱۹۸
۲۵۳	مؤطا بروایتِ امام محمد، ایک تقابلی جائزہ، عادات و خصوصیات.....	۱۹۹
۲۵۵	تعدادِ روایات.....	۲۰۰
۲۵۵	شرح و حواشی.....	۲۰۱
		
۲۵۸	نسب و نسبت.....	۲۰۲
۲۵۸	ازدی.....	۲۰۳
۲۵۹	حجری.....	۲۰۴
۲۵۹	مصری.....	۲۰۵
۲۵۹	طحاوی.....	۲۰۶
۲۵۹	ولادت و رحلت.....	۲۰۷
	امام طحاوی کی صحاح ستہ کے مصنفین سے معاشرت	۲۰۸
۲۶۱	اور بعض اساتذہ میں مشارکت.....	
۲۶۱	اساتذہ و تلامذہ.....	۲۰۹
۲۶۲	امام طحاوی کا فقہی مسلک.....	۲۱۰
۲۶۳	طبقاتِ فقہاء حنفیہ میں امام طحاوی کا مقام.....	۲۱۱

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۲۶۳	امام طحاوی بحیثیت مفسر.....	۲۱۲
۲۶۵	امام طحاوی اور علمِ قرأت.....	۲۱۳
۲۶۵	امام طحاوی اور علمِ لغت.....	۲۱۴
۲۶۶	امام طحاوی ائمہٴ فن کی نظر میں.....	۲۱۵
۲۶۷	امام طحاوی مخالفین کی عبارت میں.....	۲۱۶
۲۶۸	تصانیف.....	۲۱۷
۲۷۰	معانی الآثار کا مختصر تعارف.....	۲۱۸
۲۷۲	شرح معانی الآثار.....	۲۱۸



امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب

محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن المغیرہ بن بردزبہ (۱) بن بذذہ الجعفی البخاری.....
عام طور پر تاریخ کی کتابوں میں امام صاحب کا نسب بردزبہ تک مذکور ہے، البتہ علامہ تاج
الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے ”طبقات کبریٰ“ میں بذذہ (۲) کا اضافہ فرمایا ہے۔

بذذہ اور بردزبہ کے احوال سے تاریخ خاموش ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ
فرماتے ہیں کہ ”بردزبہ“ فارسی کا لفظ ہے اور اہل بخارا یہ لفظ کاشتکار کے لیے استعمال
کرتے ہیں، بردزبہ فارسی تھا اور اپنی قوم کے دین پر تھا، گویا یہ آتش پرست تھا۔ (۳)۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے پردادا مغیرہ بخارا کے حاکم یمان بن اخنس جعفی کے
ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ (۴)، یمان عربی النسل تھے، قبیلہ جعفی سے ان کا تعلق تھا
اور جعفی بن سعد العشریہ قبیلہ مذجج کی شاخ ہے۔ (۵) یمان بن اخنس، عبد اللہ محمد مہندی

(۱)..... قولہ: ”بردزبہ“ بفتح الباء الموحدة، وسكون الراء المهملة، وكسر الدال المهملة،
وسكون الزاي المعجمة، وفتح الباء الموحدة، بعدها هاء، هدى الساری (ص ۴۷۷)۔

(۲)..... قولہ ”بذذہ“ بباء موحدة، ثم ذال معجمة مكسورة، ثم ذال ثانية معجمة ساكنة، ثم
باء موحدة مكسورة ثم هاء، ویکھیے طبقات الشافعیة الکبری (ج ۲ ص ۲)۔

(۳)..... هدى الساری (ص ۴۷۷)۔

(۴)..... حوالہ بالا۔

(۵)..... ویکھیے عمدة القاری (ج ۱ ص ۱۲۴) کتاب الإیمان، باب أمور الإیمان۔

استاذ بخاری کے دادا کے دادا ہیں۔ (۱)..... دستور کے مطابق ولاء اسلام کے پیش نظر مغیرہ فارسی کو جیسا کہا جانے لگا کیونکہ وہ ایمانِ جعفری کے ہاتھ پر اسلام لائے تھے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اسی لیے جعفری کہا جاتا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے دادا ابراہیم کے حالات سے بھی تاریخ خاموش ہے چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”وأما ولده إبراهيم بن المغيرة فلم نقف على شيء من أخباره“۔ (۲)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے والد ابو الحسن اسمعیل بن ابراہیم علمائے محدثین میں سے ہیں، ابن حبانؒ نے کتاب الثقات میں ان کا ذکر کیا ہے، (۳) یہ حماد بن زید اور امام مالک رحمہما اللہ سے روایت کرتے ہیں (۴) اور ان سے عراق کے حضرات نے روایت کی حدیث کی ہے (۵)، حضرت عبداللہ بن المبارک رحمۃ اللہ علیہ سے انھوں نے ملاقات کی ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ”صافح ابن المبارك بکلنا يديه“ (۶)۔

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”كان أبو البخاري من العلماء الورعين“ (۷) تقوے کا یہ عالم تھا کہ انتقال کے وقت کثیر مال ترکہ میں چھوڑا، لیکن فرماتے

(۱)..... چنانچہ ان کا نسب نامہ ہے: عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن جعفر بن ایمان بن اخنس بن حنیس الجعفی البخاری۔ دیکھیے عمدۃ القاری (ج ۱ ص ۱۲۳) کتاب الإیمان، باب أمور الإیمان۔

(۲)..... ہدی الساری (ص ۷۷)۔

(۳)..... الثقات لابن حبان (ج ۸ ص ۹۸)۔

(۴)..... ہدی الساری (ص ۷۷)۔

(۵)..... حوالہ بالا۔

(۶) تاریخ کبیر بخاری (ج ۱ ص ۳۳۳) رقم (۱۰۸۴)۔

(۷)..... مقدمہ شرح قسطلانی (ج ۱ ص ۳۱)۔



تھے کہ اس میں ایک درہم بھی حرام یا مشتبہ نہیں۔ (۱) یہی حلال طیب مال امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی پرورش میں استعمال ہوا۔

ولادت و وفات

بعض حضرات کا خیال ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۱۲ شوال ۱۹۴ھ کو ہوئی، جبکہ راجح قول کے مطابق آپ کی ولادت ۱۳ شوال ۱۹۴ھ بعد نماز جمعہ ہوئی۔ (۲) اللہ تعالیٰ نے شوال کا مہینہ عطا فرمایا جو اشمہ حج میں پہلا مہینہ اور رمضان المبارک و ذوالقعدہ شہر حرام کے درمیان واقع ہے، پھر جمعہ کا دن ولادت کے لیے مقرر فرمایا جو سید الایام ہے۔ وفات ۲۵۶ھ میں ہفتہ کی رات میں ہوئی جو عید الفطر کی شب تھی، اس طرح کل عمر ۱۳۱ دن کم ۶۲ سال ہوئی، عید الفطر کے دن یکم شوال ۲۵۶ھ بعد نماز ظہر مقام خرتک میں مدفون ہوئے، کسی نے مختصر طور پر ولادت و وفات اور عمر کا یوں ذکر کیا ہے:

کان	البخاری	حافظا	ومحدثا
جمع	الصحيح	مکمل	التحریر
میلادہ	صدق	ومدة	عمره
	۱۹۴		
فیہا	حمید	وانقضى	فی نور. (۳)
۶۲		۲۰۶	

(۱)..... ہدی الساری (ص ۲۷۷) و مقدمہ شرح قسطلانی (ج ۱ ص ۳۱)۔

(۲)..... قال الحافظ رحمه الله في "هدى السارى" (ص ۴۷۷) "قال المستنير بن عتيق:

"أخرج لى ذلك محمد بن إسماعيل بخط أبيه، وجاء ذلك عنه من طرق" ۱۲ شوال کا

قول ابو يعلى غليلی نے "الإرشاد" میں نقل کیا ہے۔ دیکھیے مقدمہ لامع الدراری (ص ۲۸)

(۳)..... مقدمہ صحیح بخاری از حضرت مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ (ص ۳)۔

مختصر حالات اور تعلیم

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ابھی بچپن ہی تھا کہ ان کے والد اسماعیل بن ابراہیم کا انتقال ہو گیا اور تربیت کی ساری ذمہ داری والدہ ماجدہ پر آ گئی، ادھر اسی بچپن کے زمانے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی بینائی زائل ہو گئی جس سے والدہ کو بہت صدمہ ہوا، وہ بڑی عبادت گزار اور خدا رسیدہ خاتون تھیں، الحاح و زاری کے ساتھ انہوں نے دعائیں کیں، ایک مرتبہ رات کو خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زیارت ہوئی تو انہوں نے بشارت سنائی کہ تمہاری دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے تمہاری بینائی کی بینائی لوٹا دی ہے۔ (۱)۔

علامہ تاج الدین سبکی نے لکھا ہے کہ گرمی اور دھوپ میں طلب علم کے لیے سفر سے پھر دوبارہ بینائی جاتی رہی، خراسان پہنچے، کسی نے سر کے بال صاف کرانے اور گل حطمی کے ضمد کا مشورہ دیا، اس سے بینائی پھر واپس لوٹ آئی۔ (۲)۔

ایک دن امام داغلی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سند بیان کی ”سفیان عن ابی الزبیر عن ابراہیم“ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جو ایک گوشہ میں بیٹھے ہوئے تھے، عرض کیا ”ابو الزبیر لم یرو عن ابراہیم“ استاذ نے طفل نو آموز سمجھ کر توجہ نہیں دی بلکہ جھڑک دیا تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سنجیدگی سے عرض کیا کہ آپ کے پاس اصل ہو تو مراجعت فرمائیں، بات معقول تھی، محدث داغلی اندر گھر میں گئے اور اصل کو ملاحظہ فرمایا تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی بات درست نکلی، واپس آئے تو پوچھا: لڑکے! اصل سند کیا ہے؟ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ”هو الزبیر۔ وهو ابن عدی۔ عن ابراہیم“ محدث داغلی رحمۃ اللہ علیہ نے قلم لے کر اصلاح کرتے ہوئے فرمایا ”صدقت“ کسی نے پوچھا کہ اس وقت آپ کی

(۱).....حدی الساری (ص ۷۸)۔

(۲).....طبقات الشافعیۃ الکبریٰ (ج ۲ ص ۴)۔



عمر کیا تھی؟ فرمایا گیارہ برس۔ (۱)۔

علامہ بیکنڈیؒ فرماتے تھے کہ محمد بن اسماعیل جب درس میں آجاتے ہیں تو مجھ پر تحیر کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور میں حدیث بیان کرتے ہوئے ڈرتا ہوں۔ (۲)۔

بے مثال حافظہ

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے مقدمہ فتح الباری میں لکھا ہے کہ حاشد بن اسماعیل کا بیان ہے کہ ہم امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بصرہ کے مشائخ کے پاس جایا کرتے تھے، ہم لوگ لکھا کرتے تھے اور بخاری نہیں لکھتے تھے، بطور طعن و فتناء درس امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کرتے تھے کہ آپ خواہ مخواہ اپنا وقت ضائع کرتے ہیں، احادیث لکھتے نہیں!! زیادہ چھیڑ چھاڑ جب ہوئی تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو غصہ آ گیا اور فرمایا اپنی لکھی ہوئی حدیثیں لاؤ، اس وقت تک پندرہ ہزار احادیث لکھی جا چکی تھیں، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان احادیث کو سنانا شروع کر دیا تو سب حیران رہ گئے، پھر تو حدیثیں لکھنے والے حضرات اپنے نوشتوں کی تصحیح کے لیے امام بخاریؒ کے حفظ پر اعتماد کرنے لگے۔ (۳)۔

اسی طرح ایک مرتبہ جب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بغداد شریف لائے، وہاں کے محدثین نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے امتحان کا ارادہ کیا اور دس ادبی مقرر کیے، ہر ایک کو دس دس احادیث سپرد کیں جن کے متون و اسانید میں تبدیلی کر دی گئی تھی، جب امام تشریف لائے تو ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے وہ حدیثیں پیش کیں جن میں تبدیلی کر دی گئی

(۱).....حوالہ بالا۔

(۲).....ہدی الساری (ص ۴۸۳)۔

(۳).....ہدی الساری (ص ۴۷۸)۔

تھی، امام ہر ایک کے جواب میں ”لا أعرّفہ“ کہتے رہے، عوام تو یہ سمجھنے لگے کہ اس شخص کو کچھ نہیں آتا لیکن ان میں جو علماء تھے وہ سمجھ گئے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ان کی چال سمجھ گئے ہیں، اس طرح دس آدمیوں نے سو حدیثیں پیش کر دیں جن کی سندوں اور متنوں میں تغیر کیا گیا تھا اور امام نے ہر ایک کے جواب میں ”لا أعرّفہ“ فرمایا، اس کے بعد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نمبر وار ایک ایک کی طرف متوجہ ہوتے گئے اور بتاتے گئے کہ تم نے پہلی روایت اس طرح پڑھی تھی جو غلط ہے اور صحیح اس طرح ہے، اسی طرح ترتیب وار تمام دس افراد کی اصلاح فرمائی، اب سب پر واضح ہو گیا کہ یہ کتنے ماہر فن ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”تعب اس پر نہیں کہ انہوں نے غلطی پہچان لی اور اس کی اصلاح کر دی، کیونکہ وہ حافظ حدیث تھے ان کا تو کام ہی یہ ہے، لیکن تعجب درحقیقت اس بات پر ہے کہ غلط احادیث کو ایک ہی مرتبہ سن کر ترتیب وار محفوظ رکھا اور پھر ترتیب کے ساتھ ان کو بیان کر کے اصلاح کی“۔ (۱)

امام صاحب کے علمی اسفار

امام صاحبؒ نے پہلے تمام کتب متداولہ اور مشائخ بخاری کی کتابوں کو محفوظ کیا، پھر سولہ برس کی عمر میں جاز کا قصد کیا۔ (۲) والدہ اور بھائی احمد بن اسلمعلیل ساتھ تھے، والدہ اور بھائی حج سے فراغت کے بعد وطن واپس آ گئے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ طلب علم کے

(۱).....ہدی الساری (ص ۲۸۶)۔

(۲).....کیونکہ امام صاحب خود فرماتے ہیں، ”فلما طعنت فی ست عشرة سنة حفظت کتب ابن المبارک ووکیع وعرفت کلام هؤلاء یعنی أصحاب الرأي قال: ثم خرجت مع أمي وأخي إلى الحج۔ قلت (القائل هو الحافظ ابن حجر)۔ فكان أول رحلته على هذا سنة عشر ومائتين.....“ہدی الساری (ص ۲۷۸)۔

لیے مکہ مکرمہ میں ٹھہر گئے، مکہ مکرمہ کے آپ کے اساتذہ ابوالولید احمد بن محمد ازرقی، امام حمیدی، حسان بن حسان بصری، خلا بن یحییٰ اور ابو عبد الرحمن مرقی رحمہم اللہ تھے۔ (۱)

پھر اٹھارہ سال کی عمر میں مدینہ منورہ کا سفر کیا اور وہاں کے مشہور محدثین عبد العزیز اویسی، ایوب بن سلیمان بن بلال اور اسماعیل بن ابی اویس رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے استفادہ کیا۔ ۱۸ برس کی ہی عمر میں ”قضا یا الصحابة والتابعین“ لکھی، اسی سفر میں مدینہ طیبہ میں چاندنی راتوں میں ”التاریخ الكبير“ کا مسودہ لکھا، یہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری تصنیف ہے۔ (۲)

پھر امام صاحب بصرہ تشریف لے گئے وہاں ابو عاصم النبیل، محمد بن عبد اللہ انصاری، بدل بن الحکم، عبد الرحمن بن حماد الشعمی، محمد بن عرعہ، حجاج بن منہال، عبد اللہ بن درجاء غدانی اور عمر بن عاصم کلابی رحمہم اللہ وغیرہ سے احادیث کا سماع کیا۔ (۳)

امام صاحب حجاز میں چھ سال رہے، بصرہ کا چار دفعہ سفر کیا اور کوفہ و بغداد کے متعلق تو خود امام صاحب فرماتے ہیں ”ولا أحصى کم دخلت إلى الكوفة وبغداد مع المحدثین“ (۴)۔

کوفہ کے مشائخ جن پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اعتماد کیا ہے وہ یہ ہیں: عبید اللہ بن موسیٰ، ابو نعیم احمد بن یعقوب، اسماعیل بن ابان، الحسن بن الربیع، خالد بن مخلد، سعید بن حفص، طلق بن غنام، عمرو بن حفص، عروہ، قبیصہ بن عقبہ، ابو غسان اور خالد بن

(۱)..... دیکھیے سیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۳۹۵) و مقدمہ شرح قسطلانی (ص ۳۲)۔

(۲)..... دیکھیے سیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۳۹۵) و ہدی الساری (ص ۴۷۸)۔

(۳)..... سیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۳۹۴) و مقدمہ شرح قسطلانی (ص ۳۲)۔

(۴)..... ہدی الساری (۴۷۸)۔

یزید مقرر رحیم اللہ تعالیٰ وغیرہ۔ (۱)

بغداد کے مشائخ میں امام احمد بن حنبل، محمد بن سابق، محمد بن عیسیٰ بن الطباع اور سرتق بن النعمان رحیم اللہ تعالیٰ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ (۲)

شام کے مشائخ میں محمد بن یوسف فریابی، ابو نصر اسحاق بن ابراہیم، آدم بن ابی ایاس، ابو الیمان الحکم بن نافع، حیوہ بن شریح، علی بن عباس اور بشر بن شعیب رحیم اللہ تعالیٰ وغیرہ ہیں۔ (۳)

مصر کے مشائخ میں عثمان بن صالح، سعید بن ابی مریم، عبداللہ بن صالح، احمد بن صالح، احمد بن شعیب، اصغ بن الفرج، سعید بن عیسیٰ، سعید بن کثیر، یحییٰ بن عبداللہ بن کبیر، احمد بن اشکاب اور عبداللہ بن یوسف وغیرہ ہیں۔ (۴)

جبکہ الجزیرہ کے مشائخ میں احمد بن عبدالملک حرانی، احمد بن یزید الحرانی، عمرو بن خلف اور اسماعیل بن عبداللہ الرقی قابل ذکر ہیں۔ (۵)

مرو میں علی بن الحسن بن شقیق، عبدان اور محمد بن مقاتل رحیم اللہ وغیرہ سے سماع کیا۔ (۶)

بلخ میں مکی بن ابراہیم، یحییٰ بن بشر، محمد بن ابان، یحییٰ بن موسیٰ اور قتیہ وغیرہ سے

احادیث کا سماع کیا۔ (۷)

(۱)..... دیکھیے سیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۳۹۴) و تہذیب الاسماء (ج ۱ ص ۷۲)۔

(۲)..... تہذیب الاسماء (ج ۱ ص ۷۲) و سیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۳۹۴)

(۳)..... سیر (ج ۱۲ ص ۳۹۵) و تہذیب الاسماء (ج ۱ ص ۷۱)

(۴)..... حوالہ جاثو بالا۔

(۵)..... تہذیب الاسماء (ج ۱ ص ۷۲)۔

(۶)..... حوالہ بالا۔

(۷)..... حوالہ بالا۔



ہرات میں احمد بن ابی الولید حنفی سے احادیث کا سماع کیا۔ (۱)
 نیشاپور میں یحییٰ بن یحییٰ، بشر بن الحکم، اسحاق بن راہویہ، محمد بن رافع، محمد بن یحییٰ
 ذہلی رحمہم اللہ وغیرہ سے حدیثیں سنیں۔ (۲)
 الغرض امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تقریباً تمام ممالک اسلامیہ کا سفر کیا اور ایک
 ہزار اسی مشائخ سے حدیثیں سنیں۔ (۳)

تنبیہ

علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے سفر الجزیہ کا انکار کیا ہے
 اور کہا ہے کہ امام صاحب الجزیہ میں داخل نہیں ہوئے۔ (۴)
 لیکن امام نووی اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ اس سفر کے قائل ہیں۔ (۵)

ان رحلات میں امام صاحب کی تنگدستی

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے طلب علم کے دوران فاقے بھی کیے اور پتے اور
 گھاس کھا کر گزارا کیا، بعض اوقات اپنا لباس تک فروخت کر دینے کی نوبت بھی آئی،

(۱).....حوالہ بالا۔

(۲).....حوالہ بالا۔

(۳).....دیکھیے سیر اعلام النبلاء (ج ۱ ص ۳۹۵)۔ مقدمہ فتح الباری (ص ۴۷۹)۔

(۴).....دیکھیے طبقات الشافعیۃ الکبریٰ (ج ۲ ص ۳)۔

(۵).....چنانچہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”وقال سهل بن السري: قال البخاري: دخلت إلى الشام ومصر والجزيرة مرتين.....“ (هدی الساری ۴۷۸) اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ الجزیہ سمیت اور بہت سارے ملکوں اور وہاں کے مشائخ کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں ”قدر حل البخاری رحمه الله إلى هذه البلاد المذكورة في طلب العلم، وأقام في كل مدينة منها على مشايخها.....“ (تہذیب الأسماء ج ۱ ص ۷۲)۔



زندگی کے ایک بڑے حصے میں سالن استعمال نہیں کیا، ایک مرتبہ بیمار ہوئے، اطباء نے ان کا قارورہ دیکھ کر کہا کہ یہ قارورہ ایسے پادری کا معلوم ہوتا ہے جو سالن استعمال نہیں کرتا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے چالیس سال سے سالن استعمال نہیں کیا، اطباء نے ان کا علاج سالن تجویز کیا تو امام نے انکار فرمادیا اور جب علماء و مشائخ نے بہت اصرار کیا تو یہ منظور فرمایا کہ روٹی کے ساتھ شکر استعمال کر لوں گا۔ (۱) واقعی سچ ہے ”لا استطاع العلم براحة الجسم“ (۲) یہی وجہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس عظیم مرتبہ پر پہنچے کہ بڑے اور چھوٹے سب ان کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔ چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں ”ما أخرجت خراسان مثل محمد بن إسماعيل“ (۳)۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”أشهد أنه ليس في الدنيا مثلك“ (۴)
 امام جاکم رحمۃ اللہ علیہ سے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے اور پیشانی پر بوسہ دے کر فرمایا ”دعني أقبل رجلك يا أستاذ الأستاذين وسيد المحدثين وطبيب الحديث في علة.....“ (۵)۔

(۱)..... ہدی الساری (ص ۲۸۱)، وتہذیب الاسماء (ج ۱ ص ۶۸)۔

(۲)..... قالہ الإمام یحییٰ بن أبی کثیر، کمارواہ مسلم فی صحیحہ (ج ۱ ص ۲۲۳) کتاب الصلاة، باب أوقات الصلوات الخمس۔

(۳)..... ہدی الساری (ص ۲۸۲، ۲۸۳) وسیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۴۲۱) وتاریخ بغداد (ج ۲ ص ۲۱) وتہذیب الاسماء واللغات (ج ۱ ص ۶۸)۔

(۴)..... ہدی الساری (ص ۲۸۵)۔ وتاریخ بغداد (ج ۲ ص ۲۹)۔

(۵)..... ہدی الساری (ص ۲۸۸) وسیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۴۳۲) وتہذیب الاسماء (ج ۱ ص ۷۰) وطبقات الشافعية للسبکی (ج ۲ ص ۲۲۳)۔



امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا فضل و شرف

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اہل فارس میں سے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تھا: ”لو کان الدین عند الثریا لذهب بہ رجل من فارس أو قال من أبناء فارس“ (۱) حضرات محدثین کا ارشاد ہے کہ اس کے اولین مصداق امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

اسی طرح قرآن کریم میں ارشاد ہے ﴿وآخرین منهم لّما یلحقوا بہم﴾ (۲) جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس آیت کے متعلق آپ سے سوال کیا تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: ”لو کان الإیمان عند الثریا، لنالہ رجال من ہولاء“ (۳) اس کے مصداق بھی امام ابوحنیفہ اور امام بخاری رحمہما اللہ ہیں۔

فربری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے فرما رہے ہیں۔ ”این ترید؟“ میں نے عرض کیا ”أرید محمد بن اسمعیل“ آپ نے فرمایا ”اقرأہ منی السلام“ (۴)۔

(۱) صحیح مسلم (ج ۲ ص ۳۱۲) کتاب الفضائل، باب فضل فارس۔

(۲) سورۃ جمعہ/ ۳۔

(۳) صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ الحجۃ، باب قولہ: ﴿وآخرین منهم لّما یلحقوا بہم﴾ رقم (۲۸۹۷) صحیح مسلم (ج ۲ ص ۳۱۲) کتاب الفضائل، باب فضل فارس۔

(۴) ہدی الساری (ص ۲۸۹) و تاریخ بغداد (ج ۲ ص ۱۰) و سیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۴۴۳)۔

و تہذیب الاسماء (ج ۱ ص ۶۸) و طبقات السبکی (ج ۲ ص ۲۲۳)۔



احتیاط و تقوی

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ”ما اغتبت أحدا قط منذ علمت أن الغيبة حرام“ (۱)۔ نیز فرمایا ”إني لأرجو أن ألقى الله ولا يحاسبني أني اغتبت أحدا“ (۲)۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے معاصی و منکرات سے بچنے کا بڑا اہتمام فرمایا ہے کیونکہ گناہوں سے حافظہ خراب ہو جاتا ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے گناہوں سے حدودِ رجاء احتیاط کی اس لیے ان کا حافظہ متاثر نہیں ہوا اور حفظ میں ان کو زبردست کمال حاصل ہوا، حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

شكوت إلى وكيع سوء حفظي
فأوصاني إلى ترك المعاصي
فإن العلم نور من إله
ونور الله لا يعطى لعاص

علمی وقار کی حفاظت

کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ دریائی سفر کر رہے تھے اور ایک ہزار اشرفیاں ان کے ساتھ تھیں، ایک شخص نے کمالِ نیاز مندی کا طریقہ اختیار کیا اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو اس پر اعتماد ہو گیا، اپنے احوال سے اس کو مطلع کیا، یہ بھی بتا دیا کہ میرے پاس ایک ہزار اشرفیاں ہیں، ایک صبح کو جب وہ شخص اٹھا تو اس نے چیخا چلا نا شروع

(۱)..... ہدی الساری (ص ۴۸۰)۔

(۲)..... ہدی الساری (ص ۴۸۰) و تاریخ بغداد (ج ۲ ص ۱۳) و سیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۴۳۹)

و تہذیب الاسماء (ج ۱ ص ۶۸) و طبقات السبکی (ج ۲ ص ۲۲۳، ۲۲۴)۔



کیا اور کہنے لگا کہ میری ایک ہزار اشرفی کی تھیلی غائب ہے، چنانچہ جہاز والوں کی تلاشی شروع ہوئی، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے موقعہ پا کر چپکے سے وہ تھیلی دریا میں ڈال دی، تلاشی کے باوجود تھیلی دستیاب نہ ہو سکی تو لوگوں نے اس کو ملامت کی، سفر کے اختتام پر وہ شخص امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھتا ہے کہ آپ کی وہ اشرفیاں کہاں گئیں؟ امام نے فرمایا کہ میں نے ان کو دریا میں ڈال دیا، کہنے لگا کہ اتنی بڑی رقم کو آپ نے ضائع کر دیا؟ فرمایا کہ میری زندگی کی اصل کمائی تو ثقاہت کی دولت ہے، چند اشرفیوں کے عوض میں اس کو کیسے تباہ کر سکتا تھا؟ (۱)۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے والد نے ترکہ میں کافی مال چھوڑا تھا، امام نے وہ مال مضاربیت پر دیدیا، ایک مرتبہ ایک مضارب پچیس ہزار درہم لے کر دوسرے شہر میں جا کر آباد ہو گیا اور اس طرح امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی رقم ضائع ہونے لگی، لوگوں نے کہا کہ مقامی حاکم سے خط لکھو اگر اس علاقے کے حاکم کے پاس بھجوادیتجئے تو رقم آسانی سے مل جائے گی، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر آج میں حکام کی سفارش کے ذریعہ اپنی رقم حاصل کرونگا تو کل یہی حاکم میرے دین میں دخل اندازی کریں گے اور میں اپنے دین کو دنیا کے عوض ضائع کرنا نہیں چاہتا..... پھر یہ طے ہوا کہ مقروض دس درہم ماہوار ادا کرے گا، لیکن اس میں سے ایک درہم بھی امام کو نہیں ملا۔ (۲)

(۱)..... یہ واقعہ امداد الباری (ج ۱ ص ۲۶۱) اور فضل الباری (ج ۱ ص ۵۵) میں حافظ رحمۃ اللہ علیہ کی فتح الباری کے حوالہ سے منقول ہے، لیکن باوجود تلاش کے نہ مل سکا، نیز تاریخ بغداد، تہذیب الکمال، سیر اعلام النبلاء، تہذیب التہذیب، تہذیب الاسماء واللغات، مقدمہ فتح، مقدمہ قسطلانی اور مقدمہ لامع میں امام کے ترجمہ کے تحت اس واقعہ کا ذکر نہیں ہے۔

(۲)..... دیکھیے ہدی الساری (ص ۹۷) وطبقات السبکی (ج ۲ ص ۲۷۷) وسیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۴۲۶)۔



دور اقی بخاری محمد بن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں طلب حدیث کے لیے آدم بن ابی ایاس کے پاس گیا اور خرچہ ختم ہو گیا تو میں نے گھاس اور پتے کھانا شروع کیے اور کسی کو خبر نہ ہونے دی، تیسرے دن ایک اجنبی شخص میرے پاس آیا اور اشرفیوں کی ایک تھیلی تھما دی۔ (۱)

عمر بن حفص الاشرق کا بیان ہے کہ ہم چند ہم سبق بصرہ میں احادیث لکھتے تھے، ہمارے ساتھ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے، ایک مرتبہ بخاری کئی دن تک نہیں آئے، تفتیش کرنے سے معلوم ہوا کہ ان کے پاس خرچ ختم ہو گیا اور نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ امام کو کپڑے بھی فروخت کرنے پڑے، ہم نے چندہ کیا اور کپڑے کا انتظام کیا۔ (۲)

حسن سلوک اور ایثار

خود تو کئی دن بغیر کھائے پیے گزار دیا کرتے تھے اور کبھی صرف دو تین بادام کھا لینا بھی ان کے لیے کافی ہوتا تھا لیکن دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کے معاملہ میں پیش پیش رہتے تھے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری کو ہر ماہ پانچ سو درہم کی آمدنی ہوتی تھی، یہ ساری رقم وہ فقراء و مساکین اور طلبہ و محدثین پر خرچ کر دیا کرتے تھے۔ (۳)

بے نفسی

بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ عبداللہ بن محمد صیاریؒ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ امام کی باندی ان کے پاس سے گذری تو دو دوات کو ٹھوکر لگ گئی اور روشنائی گر گئی، امام نے باندی سے (۵۲)..... ہدی الساری (ص ۳۸۰) سیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۳۲۸) وطبقات السبکی (ج ۲ ص ۲۲۷)۔ (۵۳)..... سیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۳۲۸) و تاریخ بغداد (ج ۲ ص ۱۳) وطبقات السبکی (ج ۲ ص ۲۱۷)۔ (۵۴)..... مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح (ج ۱ ص ۱۵)۔



کہا کہ کس طرح چلتی ہو؟ باندی نے جواب دیا کہ جب راستہ ہی نہ ہو (چونکہ ہر طرف کتابیں پھیلی ہوئی تھیں) تو کیا کیا جائے، یہ سن کر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ”اذہبی فقد أعتقتک“ کسی نے کہا اے ابو عبد اللہ! اس نے آپ کی شان میں گستاخی کی اور آپ کو ناراض کر دیا لیکن آپ نے اسے آزاد کر دیا؟ امام نے فرمایا کہ میں نے اس کام سے اپنے آپ کو راضی کر لیا۔ (۱)

حدیث پر عمل کا اہتمام

عام طور پر محدثین کے یہاں اس کا بہت اہتمام ہوتا ہے کہ جو حدیث پڑھیں اس پر عمل کریں، چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ما کتبت حدیثاً إلا وقد عملت به، حتی مربی أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم احتجم وأعطی أباطیبة دیناراً، فأعطیت الحجام دیناراً حین احتجمت“ (۲)۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی اس میں بہت مستعد تھے، انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید میں اینٹیں اور پتھر اٹھائے، گھاس اور پتے کھائے اور نشانہ بازی کی مشق کی۔

(۱)..... ہدی الساری (ص ۲۸۰) وسیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۲۵۲)۔

(۲)..... سیر اعلام النبلاء (ج ۱ ص ۲۱۳) ترجمہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ۔ مشہور محقق شعیب الارنؤوط

حدیث ”أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم احتجم وأعطی أباطیبة دیناراً“ کی تخریج کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”یہ حدیث امام مالک نے مؤطا میں، امام بخاری اور امام مسلم نے اپنی اپنی صحیح میں، امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام دارمی نے اپنی اپنی سنن میں اور امام احمد نے اپنی مسند میں ذکر کی ہے لیکن ان میں سے بعض میں تو ”فامر بصاع من طعام“ ہے، بعض میں ”بصاع من شعیر“ ہے اور بعض میں ”بصاعین من طعام“ ہے، کسی طریق میں یہ نہیں ہے کہ آپ نے ایک دینار دیا ہو۔ دیکھیے حاشیہ سیر اعلام النبلاء (ج ۱ ص ۲۱۳)۔



نشانہ بازی میں مہارت

وراقی بخاری کا بیان ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تیر اندازی اور نشانہ بازی کی مشق کے لیے بہت زیادہ نگلا کرتے تھے، میں نے اپنی زندگی میں صرف دو مرتبہ دیکھا کہ ان کا نشانہ خطا گیا ہے ورنہ ٹھیک ہدف پر وہ تیر پھینکتے تھے..... ایک مرتبہ فربر سے باہر تیر اندازی کے لیے نکلے، تیر اندازی شروع ہوئی تو امام کا تیر پل کی میخ پر جاگا اور پل کو نقصان پہنچا، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سواری سے اتر گئے اور میخ سے تیر نکالا اور لوٹ آئے، اور مجھ سے فرمایا کہ میرا ایک کام کر دو، پل والے کے پاس جا کر کہو کہ ہمیں یا تو نقصان کا ازالہ کرنے کی جازت دے دے یا قیمت لے لے اور معاف کر دے۔ کہتے ہیں کہ پل کے مالک حمید بن الاخضر کو جب یہ بات پہنچی تو انھوں نے کہا کہ ابو عبد اللہ کو میری طرف سے سلام کہو اور کہو کہ جو کچھ ہوا وہ معاف ہے اور یہ کہ اپنی تمام دولت اور جائیداد آپ پر قربان کرنے کے لیے تیار ہوں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور بطور شکر اس دن پانچ سو حدیثیں سنائیں اور تین سو درہم صدقہ کئے۔ (۱)

شوقِ عبادت

ہمیشہ کا معمول تھا کہ آخر شب میں تیرہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ (۲) اور رمضان میں اس پر بہت اضافہ ہو جاتا تھا۔

حافظ ابو عبد اللہ حاکم رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند سے بیان فرماتے ہیں کہ جب رمضان شروع ہوتا تو امام ایک مرتبہ قرآن تو عام تراویح کی جماعت میں ہر رکعت میں بیس بیس

(۱)..... حدی الساری (ص ۲۸۰)۔

(۲)..... حدی الساری (ص ۲۸۱) و تاریخ بغداد (ج ۲ ص ۱۳) و سیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۲۴۱)۔

آیات پڑھ کر ختم کیا کرتے تھے، پھر خود تنہا آخر شب میں نصف یا ثلث قرآن پڑھتے، اس طرح ہر تیسری دن ایک قرآن ختم فرماتے تھے، پھر دن بھر بھی تلاوت کرتے رہتے تھے اور روزانہ افطار کے وقت قرآن کریم ختم فرماتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ ہر ختم پر دعا قبول ہوتی ہے۔ (۱)

قبولیت دعاء

امام نے فرمایا کہ میں نے دو مرتبہ اپنے رب سے دعا مانگی فوراً قبول ہوئی، اس کے بعد سے مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں میرے اعمال کی جزا دنیا ہی میں تو نہیں دی جا رہی، اس لیے میں اس کے بعد سے دنیا کے لیے کچھ مانگنا پسند نہیں کرتا۔ (۲)

علل حدیث کی معرفت میں انفرادیت

اصطلاح میں ”علت“ پوشیدہ سبب جرح کو کہتے ہیں، اس علم میں مہارت کے لئے بے پناہ حافظہ، سیال ذہن، اور نقد میں کامل مہارت ضروری ہے، رواق حدیث کی معرفت، ولادت و وفات کے اوقات کا علم، اسماء، القاب، کتیبوں اور ان کی ملاقات کی تفصیل کا علم لازم ہے، الفاظ حدیث پر پوری نظر ضروری ہے۔ (۳)

اسماء و گئی کی معرفت کے سلسلے میں واقعہ مشہور ہے کہ امام فریابی رحمۃ اللہ علیہ نے امام بخاری کی موجودگی میں ایک حدیث بیان کی ”حدثنا سفیان عن أبي عروة، عن

(۱)..... ہدی الساری (ص ۲۸۱)۔

(۲)..... سیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۲۳۸) و ہدی الساری (ص ۲۸۰)۔

(۳)..... مقدمۃ ابن الصلاح ص ۴۲ النوع الثامن عشر: معرفة الحديث المعلن۔

أبی الخطاب، عن أبی حمزة "حاضرین سفیان کے بعد مشائخ میں سے کسی کو نہ پہچان سکے تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ابو عروہ معمر بن راشد ہیں، ابو الخطاب قتادہ بن دعامہ سدوسی ہیں اور ابو حمزہ سے مراد حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔ نیز فرمایا کہ سفیان کی یہ عادت ہے کہ وہ مشہور شیوخ کی کنیت ذکر کرتے ہیں۔ (۱)

نقد و جرح کے سلسلے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ

جرح و تعدیل کے باب میں محدثین نے ان کے مراتب مقرر کئے اور پھر ہر ایک کے لیے مخصوص اصطلاحیں مقرر ہوئیں، چنانچہ جرح کے مراتب میں "فلان کذاب" وغیرہ الفاظ شائع و ذائع ہیں۔

لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ عام محدثین کی طرح وضاع اور کذاب کا لفظ بہت کم استعمال کرتے ہیں۔ (۲) وہ "منکر الحدیث" "فیہ نظر" اور "سکتوا عنہ" کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ (۳) چنانچہ وہ فرماتے ہیں "إذا قلت: فلان فی حدیثہ نظر،

(۱)..... ہدی الساری (ص ۲۷۸)۔

(۲)..... چنانچہ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ "سیر اعلام النبلاء" (ج ۱ ص ۳۳۹ و ۳۴۰) میں فرماتے ہیں: "وقل أن يقول: فلان كذاب، أو كان يضع الحديث" شیخ عبدالفتاح ابو غدرہ رحمۃ اللہ تعالیٰ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے چند راویوں کے بارے میں "کذاب بذکر بوضع الحديث" وغیرہ الفاظ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں "وبلاحظ من هذه الأمثلة القليلة، أن البخاری یحرص علی أن یکون لفظ الجرح الذی یرتضیہ من قول غیرہ إذا وحده، فینقله عنه، وإلا قاله من قبل نفسه، وذلك من دقique ورعه رحمة الله تعالى عليه" دیکھیے تعلیقات "الرفع والکمال فی الجرح والتعدیل (ص ۴۰۱ و ۴۰۲)۔

(۳)..... دیکھیے سیر اعلام النبلاء (ج ۱ ص ۳۳۹) وطبقات الشافعیة (ج ۲ ص ۹) و ہدی الساری (ص ۲۸۰)۔



فہو متہم واہ“ (۱)۔ نیز فرماتے ہیں ”کل من قلت فیہ: منکر الحدیث، فلا تحل الروایۃ عنہ“ (۲)۔

گویا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جرح کے باب میں بھی احتیاط کا دامن نہیں چھوڑا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے دراق نے آپ سے کہا کہ لوگ آپ کی تاریخ پر اعتراض کرتے ہیں کہ اس میں غیبت کی گئی ہے..... تو آپ نے فرمایا ہم نے تاریخ میں متقدمین کے اقوال نقل کیے ہیں، اپنی طرف سے تو ہم نے کچھ بھی نہیں کہا۔ (۳)

پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اخذ حدیث میں بھی بہت احتیاط سے کام لیا، ایک مرتبہ کسی شخص نے ایک حدیث کے بارے میں پوچھا جس میں تدلیس کا گمان تھا تو امام نے فرمایا کہ تم میرے بارے میں تدلیس کا شبہ کر رہے ہو؟ میں نے تو ایک محدث کی دس..... سیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۴۳۱) و میزان الاعتدال (ج ۲ ص ۴۱۶) ترجمہ عبد اللہ بن داؤد واسطی۔

(۲)..... دیکھیے میزان الاعتدال (ج ۱ ص ۶) ترجمہ أبان جبلة الکوفی، حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال (ج ۲ ص ۴۱۶)۔ ترجمہ عبد اللہ بن داؤد واسطی میں فرمایا ہے۔ ”وقد قال البخاری فیہ نظر، ولا یقول هذا إلا فیمین یتھمہ غالباً“ اسی طرح حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ شرح الفیہ (ص ۱۷۶) میں فرماتے ہیں ”فلان فیہ نظر، وفلان سکتوا عنہ، وهاتان عبارتان یقولہما البخاری فیمین ترکوا حدیثہ“۔

لیکن محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ ذہبی اور حافظ عراقی رحمہما اللہ کے قول کو تحقیق اور مفصل طور پر رد کیا ہے، دیکھیے حاشیہ ”الرفع والتکمیل“ (ص ۳۸۹-۳۹۱) وحاشیہ قواعد فی علوم الحدیث (ص ۱۵۵-۱۵۷) وحاشیہ سیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۴۳۹ و ۴۴۰)۔

(۳)..... سیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۴۳۱) و ہدی الساری (ص ۴۸۰) و مقدمہ بقسطا فی (ص ۳۷)۔

ہزار احادیث اسی اندیشے کی وجہ سے ترک کر دیں اور شبہ ہی کی بنیاد پر ایک اور محدث کی اتنی ہی یا اس سے زائد حدیثیں چھوڑ دیں۔ (۱)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اہل علم کی نظر میں

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ محمد بن سلام بیکندی رحمۃ اللہ علیہ نے امام سے فرمایا ”انظر فی کتبی، فما وجدت فیہا من خطأ فاضرب علیہ، کی لا أرویه“ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی حدیثوں پر نظر ثانی کی، چنانچہ جن احادیث کے بارے میں امام نے اطمینان ظاہر کیا ان پر ان کے استاذ نے لکھ دیا ”رضی الفتی“ اور جو احادیث ضعیف تھیں ان پر لکھا ”لم یرض الفتی“ (۲)۔

اسی طرح ان کے ایک دوسرے استاذ عبداللہ بن یوسف تنیسی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان سے فرمایا ”انظر فی کتبی وأخبرنی بما فیہا من السقط“ (۳)۔

آپ کے استاذ اسماعیل بن ابی اویس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جس لطیف طریقے سے بخاری نے میری حدیثوں کی اصلاح کی اس طرح کسی نے نہیں کی، انہوں نے کہا کہ ”أناذنی لی أن أجد دها؟“ یعنی میں ان کو دوبارہ لکھ دوں؟ انہوں نے اجازت دیدی، فرماتے ہیں ”فاستخرج عامة حدیثی بهذه العلة“ (۴) نیز خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اسماعیل بن ابی اویس کی جن احادیث کا انتخاب کرتا تھا ان پر وہ

(۱)..... حدی الساری (ص ۲۸۱) وتاریخ بغداد (ج ۲ ص ۲۵)۔

(۲)..... تاریخ بغداد (ج ۲ ص ۲۲)۔

(۳)..... حدی الساری (ص ۲۸۳) وسیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۴۱۹)۔

(۴)..... سیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۴۳۰)۔



لکھ لیتے تھے ”ہذہ الأحادیث انتخبها محمد بن إسمعیل من حدیثی“ (۱)۔
 اسماعیل بن ابی اویس ہی کا قول ہے انھوں نے اپنے شاگرد امام بخاری رحمۃ اللہ
 علیہ سے فرمایا ”انظر فی کتبی، وما أملكه لك، وأنا شاكر لك مادمتُ حیا“ (۲)۔
 حافظ رجاء بن مرجی فرماتے ہیں ”فضل محمد بن إسمعیل علی العلماء
 كفضل الرجال علی النساء“ (۳)۔

نیز فرمایا ”هو آية من آیات الله يمشی علی ظهر الأرض“ (۴)۔
 امام محمد بن الحنفی بن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ما تحت أديم السماء
 أعلم بالحديث من محمد بن إسماعیل“ (۵)۔ حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
 ”ولو فتحت باب ثناء الائمة علیه ممن تاخر عن عصره لفنى القرطاس ونفدت
 الانفاس فذاك بحر لا ساحل له.....“ (۶)۔

ابتلاء و وصال

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے آدمی تھے اور قاعدہ یہ ہے کہ جب آدمی ترقی
 کرتا ہے تو اس کے حاسد پیدا ہو جاتے ہیں اور اس کو طرح طرح سے تکلیف واذیت پہنچائی
 جاتی ہے۔

- (۱)..... ہدی الساری (ص ۴۸۲)۔
- (۲)..... سیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۴۲۹) و ہدی الساری (ص ۴۸۲)۔
- (۳)..... تاریخ بغداد (ج ۲ ص ۲۵) و ہدی الساری (ص ۴۸۳) و سیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۴۲۷)۔
- (۴)..... حوالہ بالا۔
- (۵)..... ہدی الساری (ص ۴۸۵) و تاریخ بغداد (ج ۲ ص ۲۷) و سیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۴۳۱)۔
- (۶)..... ہدی الساری (ص ۴۸۵)۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اس صورتِ حال کا سامنا رہا، چنانچہ ان کو اپنے وطن سے بھی نکلنا پڑا۔

پہلی جلا وطنی

صاحبِ جواہرِ معیہ نے لکھا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بغداد سے واپس آئے تو فتویٰ دینا شروع کیا، بخارا کے مشہور امام اور عالم ابو حفص کبیر جو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے، انھوں نے ان کو منع کیا کہ فتویٰ مت دیا کرو، لیکن وہ نہ مانے، چنانچہ ان سے کسی نے رضاعت کا مسئلہ پوچھا کہ آیا اگر دو بچے ایک بکری یا گائے کا دودھ پی لیں تو حرمتِ رضاعت ثابت ہو جائے گی یا نہیں؟ انھوں نے حرمت کا فتویٰ دیدیا، چنانچہ اس کے نتیجے میں ہنگامہ کھڑا ہو گیا اور امام بخاری کو اپنے وطن کو خیر باد کہنا پڑا۔ یہ واقعہ اگرچہ بڑے بڑے علماء نے نقل کیا ہے (۱) لیکن اس کے باوجود اس کی صداقت مشکوک ہے، یقیناً اس کی روایت میں وہم کا دخل ہے، ایک معمولی دین کی سمجھ رکھنے والا انسان بھی ایسی حماقت نہیں کر سکتا چہ جائیکہ اتنا بڑا امام، فقیہ، محدث و مفسر جس نے سولہ سال کی عمر میں وکج بن جراح اور ابن المبارک کی کتابیں حفظ کر لی ہوں، وہ ایسا غلط فتویٰ کیسے دے سکتا ہے؟! اس لیے یہ

(۱)..... چنانچہ یہ واقعہ امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے مبسوط میں نقل کیا ہے، صاحبِ جواہرِ معیہ نے ”جواہرِ معیہ“ (ج ۱ ص ۶۷- ترجمہ احمد بن حفص) میں شمس الامۃ سے نقل کیا ہے، اسی طرح یہ واقعہ عنایہ شرح ہدایہ، کفایہ شرح ہدایہ اور فتح القدیر میں بھی منقول ہے (دیکھیے ج ۳ ص ۳۱۹، ۳۲۰) اسی طرح علامہ حسین بن محمد بن الحسن دیار بکری نے بھی اپنی تاریخ قمیس میں (ج ۲ ص ۳۴۲) پر کشف الاسرار شرح المنار کے حوالہ سے یہ واقعہ ذکر کیا ہے۔ نیز دیکھیے فوائد بیہ (ص ۱۸) تعلیقات دراسات اللیب (ص ۳۰۴)۔



معلول ہے (۱)۔

دوسری دفعہ اخراج

دوسری مرتبہ اس وقت نکالے گئے جب انہوں نے فتویٰ دیا تھا کہ ایمان مخلوق ہے، ابوبکر بن حامد، ابو حفص الزہاد اور شیخ ابوبکر الاسماعیلی حنفیہ کے اکابر میں سے تھے انہوں نے ایک محضر پر دستخط کیے کہ ایمان مخلوق نہیں اور جو اس کے مخلوق ہونے کا قائل ہو وہ کافر ہے، چونکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس کے مخلوق ہونے کے قائل تھے، اس لیے ان کو بخارا سے نکالایا، صاحب ”فصول عمادیہ“ نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ (۲)

لیکن یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے، احناف کے یہ اکابر غیر مخلوق ہونے کے قائل ہیں لیکن دوسری جماعت مخلوق ہونے کی قائل ہے، امام بخاری اور محمد بن نصر مردزی رحمہما اللہ وغیرہ اسی طرف ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں پر نکیر کی ہے، وہ فرماتے ہیں جو ایمان کو مخلوق کہتا ہے وہ کافر ہے اس لیے کہ اس میں کلام اللہ کی طرف تعریض ہے اور جو ایمان کو غیر مخلوق کہتا ہے وہ مبتدع ہے۔ (۳)

حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلہ میں تفصیل ہے، اگر کوئی ایمان بول کر کلمہ شہادت مراد لیتا ہے اور اس کو مخلوق کہتا ہے تو غلط ہے کیونکہ ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ (۱)..... چنانچہ علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نوائد بیہ (ص ۱۸) میں لکھتے ہیں ”لکنی استبعد وقوعها بالنسبة إلى جلالة قدر البخاری ودقة فهمه وسعة نظره وغور فكره مما لا يخفى على من انتفع بصحيحه، وعلى تقدير صحتها فالبشر يخطئ“۔

(۲)..... دیکھیے تعلیقات ”دراسات اللیب“ (ص ۲۰۴، ۲۰۵)۔

(۳)..... دیکھیے ”مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ“ (ج ۷ ص ۶۵۵ - ۶۶۱) فصل: وأما الإيمان هل هو مخلوق أو غير مخلوق۔

قرآن کا دستور ہے اور اگر کوئی آدمی ایمان سے اقرار لسانی، تصدیق بالقلب اور عمل بالا ارکان مراد لیتا ہے تو یہ بالکل صحیح ہے اس لیے کہ انسان اپنی ذات و صفات کے ساتھ مخلوق ہے۔ مسئلہ کی تنقیح نہیں کی گئی، اجمال سے کام لیا گیا اس لیے اختلاف و تشدد کی نوبت آئی۔

تیسری مرتبہ جلاوطنی

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جب ۲۵۰ھ میں نیشاپور تشریف لے گئے تو امام محمد بن یحییٰ ذہلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کل محمد بن اسماعیل کے استقبال کے لیے چلنا ہے جو چلنا چاہے چلے۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری کا ایسا استقبال ہوا کہ کسی والی یا حاکم و عالم کا ایسا کبھی استقبال نہیں ہوا تھا، دو تین منزل آگے بڑھ کر لوگوں نے امام سے ملاقات کی، آپ نیشاپور تشریف لائے اور اہل بخارا کے محلہ میں قیام ہوا، امام ذہلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگردوں کو ان کے پاس جانے اور احادیث کے سماع کی ہدایت کی اور ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ علم کلام کا کوئی مسئلہ دریافت نہ کرنا، کیونکہ اگر انھوں نے ہمارے خلاف کوئی بات کہہ دی تو نیشاپور اور خراسان کے ناصبی، رافضی، جہمی، مرجہ سب خوش ہونگے اور انتشار بڑھے گا۔

لیکن قاعدہ ہے ”الإنسان حریص فیما مَنع“ چنانچہ ایک شخص نے برسر مجلس سوال کر لیا کہ آپ قرآن کریم کے الفاظ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ امام صاحب جواب سے برابر اعراض کرتے رہے پھر اس کے اصرار پر فرمایا ”القرآن کلام اللہ غیر مخلوق، وأفعال العباد مخلوقة، والامتحان بدعة“ (۱)۔

بعض لوگوں نے نقل کیا ہے کہ اول تو محمد بن یحییٰ ذہلی نے لوگوں کو بخاریؒ سے سماع کی ترغیب دی تھی مگر جب ان کی طرف رجوع بڑھا تو ذہلی کو سخت ناگوار ہوا اور انھوں نے بخاری پر تنقید کی تدابیر اختیار کیں۔ (۱)

بہر حال امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اس جواب پر شور مچ گیا، لوگوں میں اختلاف ہو گیا کہ انھوں نے ”لفظی بالقرآن مخلوق“ کہا ہے جبکہ لوگ انکار کرنے لگے۔ میزبانوں نے مفسدین کو نکال باہر کیا۔

یہ بات شدہ شدہ امام ذہلی تک پہنچی، انھوں نے اعلان کیا ”القرآن کلام اللہ غیر مخلوق من جمیع جہاتہ، و حیث تُصَرَّف، فمن لزم هذا استغنی عن اللفظ وعما سواه من الکلام فی القرآن، ومن زعم أن القرآن مخلوق فقد کفر وخرج عن الإیمان، وبانت منه امرأته، يستتاب، فإن تاب وإلا ضربت عنقه، وجعل ماله فیما بین المسلمین، ولم یدفن فی مقابرهم، ومن وقف فقال: لا أقول: مخلوق ولا غیر مخلوق، فقد ضاهى الکفر، ومن زعم أن لفظی بالقرآن مخلوق، فهذا مبتدع، لا یجالس، ولا یکلم، ومن ذهب بعد هذا إلى محمد بن إسماعیل البخاری فاتهموه فإنه لا یحضر مجلسه إلا من کان علی مثل مذهبه“ (۲)

نیز یہ بھی اعلان فرمایا ”ألا من قال باللفظ فلا یحل له أن یحضر مجلسنا“

(۳)

(۱)..... هدی الساری (ص ۴۹۰) وتاریخ بغداد (ج ۲ ص ۳۰) وسیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۴۵۳)

وطبقات السبکی (ج ۲ ص ۱۱)

(۲)..... تاریخ بغداد (ج ۲ ص ۳۱، ۳۲) سیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۴۵۵-۴۵۶)

(۳)..... سیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۴۶۰) وهدی الساری (ص ۴۹۱)۔

اس اعلان کے بعد امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسی وقت اپنی چادر اپنے سر پر ڈالی اور اٹھ کر چل دیے، ان کے پیچھے پیچھے امام احمد بن سلمہؒ بھی مجلس سے اٹھ گئے..... امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے جتنی حدیثیں لی تھیں ساری واپس کر دیں۔ (۱)

ادھر احمد بن سلمہؒ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے اور کہا کہ حضرت! خراسان میں ایک شخص بہت مقبول ہے اور اس مسئلہ میں وہ اڑ گیا ہے اب کیا کیا جائے؟ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا ”وافوض امری الی اللہ إن اللہ بصیر بالعباد، اللہم إنک تعلم انی لم أريد المقام بنيسابور أشراً، ولا بطراً، ولا طلباً للرئاسة، وانما أبت على نفسي في الرجوع إلى وطني لغلبة المخالفين، وقد قصدني هذا الرجل حسداً لما آتاني اللہ، لا غير“ پھر فرمایا کہ اے احمد! میں کل ہی یہاں سے نکل جاؤنگا تاکہ میری وجہ سے آپ لوگ ان کی باتوں سے خلاصی پالیں (۲)۔

ادھر یہ ہوا کہ جب امام مسلم اور امام احمد بن سلمہؒ رحمہما اللہ امام ذہلی کی مجلس سے اٹھ گئے تو ذہلی نے کہہ دیا ”لا یساکننی هذا الرجل فی البلد“ امام بخاری وہاں سے روانہ ہو کر بخارا تشریف لے گئے۔ (۳)

اب یہاں دو باتوں کی تحقیق ضروری ہے:-

اول یہ کہ بخاری نے ”لفظی بالقرآن مخلوق“ کہا بھی ہے یا نہیں، امام سے ”لفظی بالقرآن.....“ کہنا کہیں منقول نہیں ہے، تاریخ بغداد وغیرہ میں مذکور ہے کہ امام نے اس قول کی نسبت اپنی طرف غلط قرار دی ہے، چنانچہ غنچار نے تاریخ بخارا میں اپنی سند

(۱)..... سیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۳۶۰) وھدی الساری (ص ۳۹۱)۔

(۲)..... سیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۳۵۹) وھدی الساری (ص ۳۹۱)۔

(۳)..... سیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۲۶۰) وھدی الساری (ص ۳۹۱)۔



سے ابو عمرو و احمد بن نصر خفاف سے نقل کیا ہے کہ ہم ابو اسحاق قیس کی مجلس میں تھے، ہمارے ساتھ محمد بن نصر مردی بھی موجود تھے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر چل نکلا تو محمد بن نصر نے کہا کہ میں نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے ”من زعم انی قلت: لفظی بالقرآن مخلوق، فهو كذاب فإني لم أقله“ خفاف نے کہا کہ لوگوں میں تو اس بات کی بڑی شہرت ہے!! محمد بن نصر نے جواب دیا کہ بات وہی ہے جو میں کہہ رہا ہوں۔

ابو عمرو و خفاف کہتے ہیں کہ میں امام بخاری کے پاس پہنچا ان سے پہلے کچھ حدیثوں کے بارے میں بحث کی یہاں تک کہ وہ کھل گئے، پھر میں نے ان سے عرض کیا کہ یہاں کچھ لوگ آپ سے ایسی ایسی بات نقل کرتے ہیں، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”یا أبا عمرو، احفظ ما أقول لك: من زعم من أهل نيسابور، وقومس، والري، وهمدان، وحلوان، وبغداد، والكوفة، والبصرة، ومكة، والمدينة، أني قلت: لفظی بالقرآن مخلوق، فهو كذاب، فإني لم أقله، ألا إني قلت: أفعال العباد مخلوقة“ (۱)۔

دوسری بات ہے مسئلہ اور اس کی تحقیق..... سواہل حق کا سلفاً و خلفاً اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، قدیم ہے اور غیر مخلوق ہے۔ (۲)

(۸۹)..... تاریخ بغداد (ج ۲ ص ۳۲) و طبقات السکبی (ج ۲ ص ۱۳) و سیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۴۵۷،

(۴۵۸) و حدی الساری (ص ۴۹۱)

(۹۰)..... تحقیق کے لیے دیکھیے کشف الباری (ص ۱۴۹) مقدمۃ الکتاب۔



اپنے وطن بخارا میں آزمائش

پھر جب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نیشاپور سے بخارا آئے تو اہل بخارا نے ان کی آمد پر زبردست استقبال کیا، امام بخاری نے وہاں درس شروع کیا، لوگ جوق در جوق حدیثیں سننے کے لئے آنے لگے۔

ادھر خالد بن احمد ذہلی حاکم بخارا نے امام سے درخواست کی کہ آپ دربار شاہی میں تشریف لا کر مجھے بخاری شریف اور تاریخ کا درس دیں، امام صاحب نے کہلا بھیجا ”اَنَا لَا أَذِلُّ الْعِلْمَ وَلَا أَحْمِلُهُ إِلَىٰ أَبْوَابِ النَّاسِ“ اور فرمایا اگر تمہیں ضرورت ہو تو میری مسجد یا گھر میں حاضر ہو کر درس میں شرکت کرو، اگر تمہیں یہ بات پسند نہ ہو تو تم حاکم ہو مجھے درس سے روک دو تا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے میں اپنا عذر پیش کر سکوں، کیونکہ میں علم کو چھپا نہیں سکتا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ”مَنْ سَتَلَ عَنْ عِلْمٍ، فَكْتَمَهُ - الْحَمْدُ بِلِجَامٍ مِنْ نَارٍ“ (۱)۔

بہر کیف امام صاحب وہاں سے نکل کر بیکند پہنچے، وہاں بھی آپ کے بارے میں لوگوں میں اختلاف ہو گیا، ایک فریق آپ کے موافق تھا اور دوسرا فریق آپ کے مخالف، اس لیے وہاں بھی قیام مناسب نہیں سمجھا، اسی دوران اہل سمرقند نے آپ کو دعوت دی، آپ نے ان کی دعوت قبول فرمائی، بیکند سے روانہ ہوئے راستہ میں ”خرنگ“ میں رک گئے جہاں آپ کے کچھ رشتہ دار تھے۔

غالب بن جبریل جو آپ کے میزبان تھے، ان کا بیان ہے کہ میں نے امام

(۱)..... سنن أبی داود، کتاب العلم، باب کراهیۃ منع العلم، رقم (۳۶۵۸)۔ جامع ترمذی کتاب

العلم، باب ماجاء فی کتمان العلم، رقم (۲۶۴۹) و سنن ابن ماجہ، مقدمہ، باب من سئل

عن علم فکتمہ، رقم (۲۶۱۱) و (۲۶۴) و (۲۶۵) و (۲۶۶) و مسند أحمد (ج ۲ ص ۲۶۳



بخاری رحمۃ اللہ علیہ کورات کے وقت تہجد کے بعد دعا کرتے ہوئے سنا ”اللہم انہ قد ضاقت علی الأرض بما رحبت فاقبضنی الیک“ اس کے بعد مہینہ بھی پورا نہیں ہوا تھا کہ آپ کا انتقال ہو گیا..... رمضان کے آخر میں اہل سمرقند کی متفقہ دعوت پر آپ سمرقند کے لیے روانہ ہونے لگے، امام نے سواری طلب کی، دو آدمیوں کے سہارے چند قدم چلے تھے کہ فرمایا کہ مجھے بٹھاؤ، ضعف بہت بڑھتا جا رہا تھا، آپ نے کچھ دعا کی اور وہیں ”خرنگ“ میں شب عید الفطر ۲۵۶ھ میں وصال فرمایا، عید کے دن ظہر کے بعد وہیں آپ کو سپرد خاک کر دیا گیا۔ (۱)

ایک بشارت

عبدالواحد بن آدم طواوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک جگہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ کھڑے ہیں، میں نے سلام کیا، آپ نے سلام کا جواب دیا، میں نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہم محمد بن اسماعیل بخاری کا انتظار کر رہے ہیں..... چند دنوں کے بعد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی اطلاع پہنچی تو یہ بعینہ وہی وقت تھا جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے دیکھا تھا۔ (۲)

(۱)..... دیکھیے ہدی الساری (ص ۳۹۳) وسیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۴۶۶، ۴۶۷) وتاریخ بغداد (ج ۲ ص ۳۴) وطبقات السبکی (ج ۲ ص ۱۴، ۱۵) وتہذیب الکمال (ج ۲ ص ۲۳۶)، کشف الباری (ص ۱۵۳ مقدمہ)۔

(۲)..... تہذیب الکمال (ج ۲ ص ۲۳۶) وتاریخ بغداد (ج ۲ ص ۳۴) وسیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۴۶۸) و ہدی الساری (ص ۳۹۳) وطبقات السبکی (ج ۲ ص ۱۴)۔



تصانیف

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اٹھارہ سال کی عمر میں ”قضايا الصحابة والتابعين“ لکھی (۱) اس کے بعد مدینہ منورہ میں چاندنی راتوں میں ”تاریخ کبیر“ لکھی (۲) امام اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کتاب امیر عبداللہ بن طاہر کے سامنے یہ کہتے ہوئے پیش کی کہ ”میں آپ کو جادو نہ دکھاؤں؟“ امیر نے دیکھ کر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ میں نہیں سمجھتا کہ یہ ان کی تصنیف ہوگی (۳)۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف درج ذیل ہیں:-

- ۱۔ صحیح بخاری شریف ۲۔ قضايا الصحابة والتابعين ۳۔ الأدب المفرد ۴۔ جزء رفع الیدین ۵۔ جزء القراءة خلف الإمام ۶۔ تاریخ کبیر ۷۔ تاریخ اوسط ۸۔ تاریخ صغیر ۹۔ خلق أفعال العباد ۱۰۔ کتاب الضعفاء ۱۱۔ بروالدین۔

ان کتابوں کے علاوہ چند تصنیفات اور ہیں جن کا ذکر مختلف محدثین نے کیا ہے:

- ۱۲۔ جامع کبیر، اس کو محدث ابن طاہر نے ذکر کیا ہے۔ ۱۳۔ مسند کبیر ۱۴۔ تفسیر کبیر، اس کو فربری نے ذکر کیا ہے ۱۵۔ کتاب الأثریہ، اس کا ذکر امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے۔ ۱۶۔ کتاب الہیۃ، اس کا ذکر وراق بخاری ابن ابی حاتم نے کیا ہے۔ ۱۷۔ اسامی الصحابة، اس کا ذکر محدث ابوالقاسم بن مندہ نے کیا ہے۔ ۱۸۔ کتاب الوحدان ۱۹۔ کتاب (۱)..... ہدی الساری (ص ۴۷۸) ویراعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۴۰۰) وطبقات السبکی (ج ۲ ص ۵) وتاریخ بغداد (ج ۲ ص ۷)۔

(۲)..... حوالہ جات بالا۔

(۳)..... ہدی الساری (ص ۲۸۳) وتاریخ بغداد (ج ۲ ص ۷) ویراعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۴۰۳) وطبقات (ج ۲ ص ۷)۔

المبسوط، ذكره الخليلي في الإرشاد ۲۰۔ كتاب العلل اس كا ذكر بھی ابن مندہ نے کیا ہے۔ ۲۱۔ كتاب الكنى، ذكره الحاكم أبو أحمد ۲۲۔ كتاب الفوائد، ذكره الترمذی فی أثناء كتاب المناقب من جماعه (۱)۔

بخاری شریف کا نام

ان تمام تصانیف میں سب سے مشہور صحیح بخاری ہے، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا نام ”الجامع المسند الصحيح المختصر من أمور رسول صلی اللہ علیہ وسلم وسننه وأيامه“ لکھا ہے۔ (۲) جبکہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا نام ”الجامع الصحيح المسند من حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم وسننه وأيامه“ تحریر کیا ہے (۳)۔

”جامع“ امور ثنائی کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔

”مسند“ اس لیے کہ سند متصل کے ساتھ مرفوع روایات نقل کی ہیں اور جو آثار وغیرہ مذکورہ ہیں وہ ضمتا و تبعاً ہیں۔

”صحیح“ اس لیے کہ اس میں ”صحیح“ کا التزام کیا گیا ہے۔

”مختصر“ اس لیے کہا کہ تمام صحیح احادیث کا اس میں احاطہ نہیں کیا، خود امام بخاری

رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ” ما أدخلت فی هذا الكتاب إلا ما صح، وترك من

(۱)..... دیکھیے ہدی الساری (ص ۳۹۱، ۳۹۲)۔

(۲)..... دیکھیے تہذیب الاسماء واللغات (ج ۱ ص ۷۳) ومقدمہ لامع الدراری (ص ۸۳)۔

(۳)..... دیکھیے ہدی الساری (ص ۸) الفصل الثانی فی بیان موضوعه والكشف عن مغزاه فیہ۔



الصحيح كى لا يطول الكتاب“ (۱)۔

”من أمور رسول لله صلى الله عليه وسلم“ یا ”من حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم“ سے آپ کے اقوال مراد ہیں۔
 ”سنن“ سے افعال و تقریرات کی طرف اشارہ ہے۔

اور ”ایام“ سے غزوات اور ان تمام واقعات کی جانب اشارہ ہے جو آپ کے عہد مبارک میں پیش آئے۔

امام نے بہت سی روایتیں ایسی ذکر کی ہیں جن میں آپ کا قول یا فعل یا تقریر مذکور نہیں، ایسے مقامات میں لوگوں کو اشکال پیش آتا ہے اگر کتاب کا پورا نام پیش نظر ہو تو اشکال نہیں ہوتا۔

سبب تالیف صحیح بخاری

اس کتاب کی تالیف کے دو سبب بیان کیے جاتے ہیں:

۱۔ ابراہیم بن معقل نسفی کہتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ہم اپنے استاذ اسحاق بن راہویہ کی مجلس میں تھے کہ ہمارے ساتھیوں میں سے ایک شخص نے کہا ”لو جمعتم کتاباً مختصراً لسنن النبی صلى الله عليه وسلم“ مقدمہ فتح کے الفاظ ہیں ”لو جمعتم کتاباً مختصراً لصحيح سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم“

(۱)..... سیر اعلام النبلاء (ج ۱۳ ص ۴۰۲) و تاریخ بغداد (ج ۲ ص ۹) و تہذیب الاسماء واللغات (ج ۱ ص ۷) و طبقات السبکی (ج ۲ ص ۷) و ہدی الساری (ص ۷)۔



اس قول کی وجہ سے میرے دل میں اس کتاب کی تالیف کا داعیہ پیدا ہوا۔ (۱)

۲۔ محمد بن سلیمان بن فارسؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے، وہ فرما رہے تھے کہ میں نے خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، میں آپ کے سامنے کھڑا تھا، میرے ہاتھ میں پٹکھا تھا جس سے میں آپ سے کھیاں اڑا رہا تھا، بعض معمرین سے میں نے تعبیر پوچھی تو انھوں نے کہا کہ ”أنت تذب عنه الكذب“ اس خواب کے واقعہ سے میرے دل میں احادیث صحیحہ جمع کرنے کا شوق ہوا۔ (۲)

ان دونوں اسباب میں منافات نہیں، دونوں سبب ہو سکتے ہیں، خواب بھی محرک بنا ہوگا اور امام اسحاق بن راہویہ کی مجلس کے واقعہ سے بھی داعیہ پیدا ہوا ہوگا۔

تالیف کی ابتداء و انتہاء

صحیح بخاری کی تالیف کی ابتداء کب ہوئی؟ اور اختتام کب ہوا؟ کتب رجال و تاریخ میں اس کی کوئی تصریح نہیں۔ البتہ حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بعض واقعات سے اخذ کر کے فرمایا ہے کہ ۲۱۷ھ میں اس کی ابتدا ہوئی اور ۲۳۳ھ میں اختتام

(۱)..... دیکھیے تاریخ بغداد (ج ۲ ص ۸) و تہذیب الکمال (ج ۲ ص ۴۴) و سیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۴۰۱) و طبقات السبکی (ج ۲ ص ۷) و ہدی الساری (ص ۷) و تہذیب الاسماء واللغات (ج ۱ ص ۷۴)۔

تنبیہ:۔ ان تمام مراجع میں ”لو جمعتم.....“ والا قول ایک مبہم شخص کی طرف منسوب ہے سوائے ”ہدی الساری“ کے کہ اس میں امام اسحاق بن راہویہ کی طرف منسوب ہے، بظاہر یہ درست نہیں ہے کیونکہ تقریباً حضرات نے حلیپ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے اس واقعہ کو نقل کیا ہے اور اس میں ”فقال بعض أصحابنا“ ہے، خود ہدی الساری نے بھی اسی سند سے اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔ فائتہ

(۲)..... تہذیب الاسماء واللغات (ج ۱ ص ۷۴) و ہدی الساری (ص ۷)۔



ہوا..... اس کی تفصیل یہ ہے کہ ابو جعفر محمد بن عمرو عقیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے جب اپنی کتاب تالیف کی تو امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین اور علی بن المدینی رحمہم اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کو پیش کیا، سب نے تحسین فرمائی اور صرف چار احادیث میں اختلاف کیا، عقیلی فرماتے ہیں کہ ان چار میں بھی بخاری کی رائے رائج ہے۔ (۱)

ان میں سے یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ۲۳۳ھ میں ہوا، (۲) علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ۲۳۴ھ میں (۳) اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ۲۴۱ھ میں ہوا، (۴) ان تینوں ائمہ کے سامنے یہ کتاب جب ہی پیش ہو سکتی ہے جب ۲۳۳ھ میں مکمل ہو گئی ہو اور یہ متعین ہے کہ کتاب سولہ سال میں مکمل ہوئی۔ (۵) ۲۳۳ھ میں سے ۱۶ نکال لیں تو ۲۱۷ بچتے ہیں، (۲۱۷ = ۲۳۳ - ۱۶) لہذا کہا جائے گا کہ ۲۱۷ میں اس کی تالیف کا آغاز ہوا، اس وقت امام کی عمر تیس سال تھی اور ۲۳۳ھ میں اس کو مکمل کیا، اس وقت امام کی عمر اسیالیس سال تھی۔

پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس کے بعد تیس سال زندہ رہے تو حسب قاعدہ مصنفین اپنی کتاب میں گھٹاتے بڑھاتے رہے، اسی وجہ سے نسخوں میں اختلاف پایا جاتا ہے، چنانچہ حماد بن شاہر کے نسخہ میں، فربری کے نسخہ کے مقابلہ میں دو سو احادیث کم ہیں اور

(۱)..... دیکھیے ہدی الساری (ص ۷)۔

(۲)..... تقریب التہذیب (ص ۵۹۷) ترجمہ (۷۶۱)۔

(۳)..... تقریب (ص ۴۰۳) ترجمہ (۴۷۰)۔

(۴)..... تقریب (ص ۸۴) ترجمہ (۹۶)۔

(۵)..... دیکھیے تاریخ بغداد (ج ۲ ص ۱۴) و سیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۴۰۵) و تہذیب الاسماء واللغات

(ج ۲ ص ۷۷) و طبقات السیسی (ج ۲ ص ۷) و ہدی الساری (ص ۴۸۹)۔



ابراہیم کے نسخہ میں تو تین سوا حدیث کم ہیں۔ (۱)

صحیح بخاری کا ایک امتیاز

ابن عدیؒ فرماتے ہیں کہ عبدالقدوس بن ہمام کا بیان ہے کہ میں نے بہت سے مشائخ سے سنا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری کے تراجم ریاض الجنۃ میں منبر مبارک اور روضۃ مطہرہ کے درمیان لکھے ہیں اور وہ ہر ترجمہ کے لیے دو رکعت نماز ادا کیا کرتے تھے۔ (۲)

عمر بن محمد بن بحیر الجبیری کہتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میں نے یہ کتاب مسجد حرام میں لکھی ہے، ہر حدیث کو لکھنے سے پہلے استخارہ کیا، دو رکعت نماز پڑھی اور جب تک اس کی صحت کا یقین نہیں ہوا اس کو کتاب میں درج نہیں کیا۔ (۳)

ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں، ممکن ہے مسودہ مسجد حرام میں لکھا ہو اور تمییز ریاض الجنۃ میں کی ہو، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تراجم تو ریاض الجنۃ میں لکھے ہوں اور احادیث لکھنے کی ابتدا مسجد حرام سے کی ہو، کیونکہ پیچھے ذکر کیا جا چکا ہے کہ یہ کتاب سولہ سال میں مکمل کی گئی ہے، اور یہ مدت کسی ایک جگہ بیٹھ کر نہیں گزاری گئی۔ (۴)

(۱)..... دیکھیے مقدمہ لامع الدراری (۱۳۴) الفائدة السادسة۔

(۲)..... تہذیب الاسماء واللغات (ج ۱ ص ۷۴) و سیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۴۰۴) و ہدی الساری (ص ۴۸۹)۔

(۳)..... ہدی الساری (ص ۴۸۹)۔

(۴)..... دیکھیے ہدی الساری (ص ۴۸۹)..... قال النووی رحمۃ اللہ تعالیٰ: "قال آخرون۔ منهم أبو الفضل محمد بن طاهر المقدسی۔: صنّفه ببخارى، وقيل: بمكة، وقيل: بالبصرة، وكل هذا صحيح، ومعناه أنه كان يصنف فيه في كل بلدة من هذه البلدان فإنه بقي في تصنيفه ست عشرة سنة....." تہذیب الاسماء واللغات (ج ۱ ص ۷۴)۔



تعداد روایات صحیح بخاری

حافظ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ نے ”مقدمہ“ میں لکھا ہے ”جملۃ مافی کتابہ ”الصحيح“ سبعة آلاف ومائتان وخمسة وسبعون حديثاً بالأحاديث المكررة، وقد قيل: إنها بإسقاط المكررة أربعة آلاف حديث“ یعنی مکررات کو شمار کر کے صحیح بخاری کی احادیث کی تعداد سات ہزار دو سو پچھتر حدیثیں ہوتی ہیں اور مکررات کو حذف کرنے کے بعد چار ہزار احادیث بنتی ہیں۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ”تقریب“ میں اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ”اختصار علوم الحدیث“ میں اسی کی اتباع کی ہے۔ (۱)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ”شرح بخاری“ (۲) میں اور تہذیب الاسماء واللغات (۳) میں بھی یہی تعداد ذکر کی ہے لیکن ان دونوں کتابوں میں ”مسندہ“ کی قید لگا دی، جس سے وہ تمام روایات نکل جاتی ہیں جو تعلیقات و متابعت کی صورت میں ہیں۔ پھر انھوں نے اپنی شرح بخاری میں حافظ ابوالفضل محمد بن طاہر کی کتاب ”جواب المتعنت“ سے تفصیلاً تمام روایات کی تعداد ذکر کی ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ان تمام تفصیلات کو مقدمہ میں نقل کیا ہے اور جابجا ان پر تنقید کی ہے اور آخر میں فرمایا کہ میری تحقیق کے مطابق بخاری شریف میں مکررات سمیت سات ہزار تین سو ستانوے حدیثیں ہیں۔ (۴)

(۱)..... دیکھیے تقریب النووی مع تدریب الراوی (ج ۱ ص ۱۰۲) اور اختصار علوم الحدیث مع شرح الباعث الحثیث (ص ۲۰)۔

(۲)..... دیکھیے مقدمۃ لامع الدراری (ص ۱۲۳، ۱۲۵)۔

(۳)..... تہذیب الاسماء واللغات (ج ۱ ص ۷۵)۔

(۴)..... دیکھیے ہدی الساری (ص ۳۶۵-۳۶۹) الفصل العاشر فی عدد احادیث الجامع۔



یہی تعداد قابلِ اعتماد ہے۔ تفصیل سمجھنے سے پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ صحیح بخاری میں کچھ روایات مرفوعہ موصولہ ہیں، کچھ معلقات ہیں اور کچھ متابعات، پھر معلقات کی دو قسمیں ہیں ایک قسم وہ معلقات ہیں جن کی تخریج مؤلف نے خود اپنی صحیح میں کسی جگہ کر دی ہے اور دوسری قسم وہ معلقات ہیں جن کی تخریج انھوں نے نہیں کی، اب ان میں سے ہر ایک کی تفصیل سمجھ لیجئے۔

روایاتِ مرفوعہ موصولہ مع مکرات ۷۳۹۷

روایاتِ معلقہ مخرجة المتن فی الصحیح ۱۳۴۱

متابعات (۱) ۳۴۴

میزان ۹۰۸۲

روایاتِ مرفوعہ موصولہ بدون تکرار ۲۶۰۲

روایاتِ معلقہ غیر مخرجة المتن فی الصحیح ۱۵۹

میزان کل احادیث بدون تکرار ۲۷۶۱

حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ عدد آثار صحابہ و مقطوعات تابعین کے

علاوہ ہے جن کی کل تعداد پوری کتاب میں ایک ہزار چھ سو آٹھ ہے۔ (۲)

موضوع کتاب

حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحیح بخاری کا اصل موضوع تو ہے احادیث صحیحہ کا

جمع کرنا، چنانچہ یہ موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے ”الجامع الصحیح المسند من

۱۱۶..... مقدمہ فتح الباری (ص ۳۶۹) میں متابعات کی تعداد تین سو اکتالیس مذکور ہے جو ہو کا تب ہے صحیح تعداد

تین سو چوالیس ہے جو سلطان نے حافظ سے نقل کیا ہے، اگر تین سو اکتالیس کا عدد ہو تو مجموعہ نو ہزار بیاسی

نہیں بنتا جس کی حافظ نے تصریح کی ہے۔ ختمہ۔

۱۱۷..... دیکھیے فتح الباری (ج ۳ ص ۵۴۳) ختمہ۔

حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و سننہ و آیامہ“ اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی اس کتاب میں پیش نظر ہے کہ فقہی استنباطات و فوائد کا بھی اس میں ذکر کیا جائے، چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے متون حدیث سے جو فقہی استنباطات کئے ہیں ان کو متفرق ابواب میں ذکر کر دیا ہے۔ (۱)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علماء حدیث نے سب سے پہلے جب اس علم کو مدون کیا تو چار فنون پر تقسیم کیا ہے۔

۱۔ فن السنۃ یعنی فقہ، جیسے مؤطا امام مالک اور جامع سفیان۔

۲۔ فن تفسیر، جیسے کتاب ابن جریج۔

۳۔ فن سیر، جیسے محمد بن اسحاق کی کتاب۔

۴۔ فن زہد و تعلق جیسے امام ابن المبارک کی کتاب۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ارادہ یہ ہوا کہ ان چاروں فنون کو یکجا کر دیا جائے اور صرف ان احادیث کو ذکر کیا جائے جن پر امام بخاری سے پہلے یا ان کے زمانے میں صحت کا حکم لگایا جا چکا ہے، نیز یہ کہ اس کتاب کو مرفوع اور مسند احادیث کے لیے مختص کر دیا جائے۔ اسی لیے انہوں نے اپنی کتاب کا نام ”الجامع الصحیح المسند“ رکھا ہے، جہاں تک آثار وغیرہ کا تعلق ہے سو وہ تہجاً ذکر کیے گئے ہیں اصلۃً نہیں۔

پھر امام بخاریؒ کا یہ مقصود بھی ہے کہ احادیث سے خوب استنباط کیا جائے، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا ہے، ایک ایک حدیث سے وہ بہت سے مسائل مستنبط کرتے ہیں، یہ طریقہ ان سے پہلے کسی نے اختیار نہیں کیا۔ (۲)

(۱)..... ہدی الساری (ص ۸)۔ الفصل الثانی فی بیان موضوعہ و الکشف عن مغزاه فیہ۔

(۲)..... دیکھیے ابتداء رسالہ شرح تراجم ابواب صحیح البخاری مطبوعہ مع صحیح بخاری (ص ۱۳)۔



شروط صحیح بخاری (۱)

شروط کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مصنفین کتب تالیف کے وقت بعض امور کو پیش نظر رکھتے ہیں، انہی کے مطابق کتاب میں مضامین لاتے ہیں ان سے ہٹ کر کچھ ذکر نہیں کرتے، ائمہ ستہ نے بھی اپنی کتابوں میں کچھ شروط کا لحاظ کیا ہے لیکن ان حضرات سے یہ تصریح منقول نہیں کہ میں نے فلاں شرط پیش نظر رکھی ہے، بعد کے علماء نے ان کی کتابوں کا مطالعہ کر کے ان شروط کا استنباط کیا ہے۔ (۲)

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ”صحیح متفق علیہ کی پہلی قسم وہ ہے جس کو امام بخاری و مسلم نے اختیار کیا ہے اور وہی اول درجہ کی صحیح ہے، یعنی وہ حدیث جس کو ایسا صحابی بیان کرے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے میں مشہور ہو، اس صحابی سے اس

(۱)..... قال الإمام الكوثري رحمه الله تعالى في تعليقه على ”شروط الأئمة الخمسة للحازمي“ (ص ۷۳) المطبوع مع سنن ابن ماجه: ”أول من ألف في شروط الأئمة۔ فيما نعلم۔ هو الحافظ أبو عبد الله محمد بن إسحاق بن منده المتوفى سنة خمس وتسعين وثلاثمائة، وقد ألف جزءاً سماه ”شروط الأئمة في القراءة والسماع والمنازلة والإجازة“ ثم الحافظ محمد بن طاهر المقدسي المتوفى سنة سبع وخمس مائة ألف جزءاً سماه ”شروط الأئمة الستة“ وهما موضع أخذ ورد، ثم أتى الحافظ البار، فألف هذا الجزء وأجاد، وهو جم العلم، جليل الفرائد، على صغر حجمه، يفتح للمطلعین علیہ أبواب السیر والفحص وینبہهم علی نکت قلما ینتبه إلیها“۔

(۲)..... چنانچہ حافظ ابوالفضل محمد بن طاہر مقدس رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ”اعلم أن البخاری ومسلما ومن ذکرنا بعدهم لم ينقل عن واحد منهم أنه قال: شرطت أن أخرج في كتابي ما يكون على الشرط الفلاني، وإنما يعرف ذلك من سير كتبهم، فيعلم بذلك شرط كل رجل منهم“ دیکھیے ابتداء شروط الأئمة الستة (ص ۷۰) مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی مع سنن ابی ماجہ۔



حدیث کے دو ثقہ راوی ہوں، پھر اس حدیث کو وہ تابعی بیان کرے جو صحابہ سے روایت کرنے میں مشہور ہو اور اس کے بھی دو ثقہ راوی ہوں، پھر تبع تابعین میں سے حافظ متقن مشہور اسے روایت کرے، اور چوتھے طبقہ میں اس حدیث کے دو سے زیادہ راوی ہوں، پھر بخاری یا مسلم کا شیخ حافظ و متقن ہو اور اپنی روایت میں عادل ہونے کی شہرت رکھتا ہو۔“ (۱) اس لحاظ سے حاکم کے نزدیک حدیث صحیح کے لیے تین باتوں کا پایا جانا ضروری ہے، جو بقول ان کے شیخین کی شرط میں سے ہے۔

۱۔ صحابی اور تابعی سے اس حدیث کے دو ثقہ راوی ہوں اور طبقہ رابعہ میں اس کے دو سے زائد راوی ہوں، گویا کہ ہر طبقہ میں دو راوی ہونے ضروری ہیں۔

۲۔ امام بخاری و مسلم کے شیخ سے لے کر صحابی تک ہر ایک راوی ثقہ اور روایت حدیث میں مشہور ہو۔

۳۔ شیوخ شیخین اور اتباع تابعین میں سے جو بھی اس حدیث کو روایت کرے وہ ثقہ اور مشہور ہونے کے ساتھ ساتھ حافظ اور متقن بھی ہو۔

یہاں ہم ان شروط کو ذکر کرتے ہیں جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے خاص طور پر اپنی صحیح میں ملحوظ رکھی ہیں:-

۱۔ سند متصل ہو، راوی مسلمان، صادق، غیر مدلس اور غیر مختلط ہو، عدالت کی صفات سے متصف ہو، ضابط ہو، سلیم الذہن اور قلیل الوہم ہو اور عقیدہ اس کا درست ہو۔ (۲)

۲۔ راوی کی مروی عنہ سے کم از کم ایک دفعہ ملاقات ثابت ہو۔ (۳)

(۱) دیکھیے معرفۃ علوم الحدیث للحاکم (ص ۶۲) ذکر النواع التاسع عشر من علوم الحدیث وهو معرفۃ الصحیح والصدوق والمحدث فی أصول الحدیث (ص ۹)۔

(۲) دیکھیے حدی الساری (ص ۹) وشروط الأئمة الخمسة للحاکمی (ص ۷۸، ۷۹)۔

(۳) مقدمۃ فتح البہیم (ص ۲۷۱) نیز دیکھیے التلک علی کتاب ابن الصلاح (ج ۱ ص ۲۸۹) النواع الأول: الصحیح۔



۳۔ رواۃ ایسے ہوں جو اہل حفظ و اتقان میں سے ہوں اور اپنے اساتذہ کی طویل صحبت پائی ہو، کبھی ان رواۃ سے بھی حدیث لے لیتے ہیں جو طویل الملازمة نہیں ہوتے، لیکن یہ عمومی شرط ہے۔ (۱)

۴۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیح میں کسی مدلس کی روایت اس وقت تک ذکر نہیں کرتے جب تک وہ تحدیث کی صراحت نہیں کرتا خواہ اس حدیث میں یا کسی اور سند میں۔ (۲)

۵۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اگر کسی ایسے شخص کی روایت تخریج کرتے ہیں جس پر کلام ہو تو اس کی وہ روایت نہیں لیتے جس پر تکبیر کی گئی ہو۔ (۳)

۶۔ اگر راوی میں کسی قسم کا قصور ہو، اور پھر وہ روایت دوسرے طریق سے بھی مروی ہو جس سے قصور کی تلافی ہو جاتی ہو تو ایسی حدیث بھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی شرط کے تحت داخل ہو جاتی ہے۔ (۴)

یہ چند شروط ہیں، کچھ مزید شروط بھی ہیں جو فتح الباری اور ہدی الساری وغیرہ کے تتبع سے نکل سکتی ہیں۔

(۱)..... دیکھیے شروط الأئمة الخمسة للحازمی (ص ۷۹، ۸۰) و ہدی الساری (ص ۹) و مقدمہ لایح الدراری (ص ۸۹)۔

(۲)..... دیکھیے ہدی الساری (ص ۴۴۹)۔

(۳)..... فتح الباری (ج ۱ ص ۱۸۹) کتاب العلم، باب من أعاد الحدیث ثلاثاً نفی عنہ۔

(۴)..... فتح الباری (ج ۹ ص ۶۳۵) کتاب الصيد والذبائح، باب ذبیحة الأعراب ونحوہم، اور کشف الباری

خصائص صحیح بخاری

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب میں سب سے اہم خصوصیت تراجم ہیں، ایسے تراجم نہ ان سے پہلے کسی نے قائم کیے اور نہ ان کے بعد کسی نے قائم کیے۔ ان کے بعض تراجم آج تک معرکہ الآراء بنے ہوئے ہیں اور ان کی صحیح مراد آج تک متعین نہیں کی جاسکی، ہر شخص اپنی معلومات اور قرآن کی مدد سے تعین مراد کی کوشش کرتا ہے۔ تراجم پر انشاء اللہ مستقل کام آگے آئے گا۔

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اثبات احکام کے لیے تراجم میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اکثر آیات قرآنیہ کو ذکر کرتے ہیں۔ (۱)

تیسری خصوصیت یہ ہے کہ صحابہ و تابعین کے آثار سے مسائل مختلف فیہا کی وضاحت کرتے ہیں اور جب مختلف آثار ذکر کرتے ہیں تو جو اثر ان کے نزدیک رائج ہوتا ہے اس کو پہلے بیان کرتے ہیں۔

چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے پوری ”الجامع الصحیح“ میں کوئی ایسی روایت ذکر نہیں کی جس کو انھوں نے اپنے استاذ سے علی نبیل المکاتبہ لیا ہو، البتہ کتاب الایمان والندور میں ایک روایت ایسی لائے ہیں جس میں ”کتب الی محمد بن بشار“ فرمایا ہے، (۲) سند کے درمیان مکاتبت کا آجانا دوسری بات ہے اور وہ امام بخاری کا فعل نہیں ہے بلکہ دوسرے راویوں کا عمل ہے۔ (۳)

(۱)..... مقدمہ لایح (ص ۱۰۲)۔

(۲)..... دیکھیے صحیح بخاری (ج ۲ ص ۹۸۷) کتاب الایمان والندور، باب اذا حث ناسیا فی الایمان، رقم۔ (۶۶۷۳)۔

(۳)..... دیکھیے تدریب الراوی (ج ۲ ص ۵۶) النوع الرابع والعشرون: کیفیۃ سماع الحدیث وتحملہ، القسم الخامس: الکتابۃ۔



پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بدء الحکم کا ذکر بھی کیا کرتے ہیں جیسے بدء الوحی بدء الحیض، بدء الاذان اور بدء الخلق کا ذکر فرما کر حکم کی ابتدا کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (۱)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بعض اوقات بغیر تصریح کے اشارۃً بھی حکم کی ابتداء کو بیان کرتے ہیں۔ (۲)

چھٹی خصوصیت یہ ہے کہ وہ براءت اختتام کی طرف اشارہ کرتے ہیں، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ ہر کتاب کے آخر میں جب امام بخاری خاتمہ پر دلالت کرنے والا لفظ لاتے ہیں تو اس کتاب کے اختتام کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ (۳)

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ انسانی زندگی کے ختم ہونے کو یاد دلاتے ہیں۔ (۴)

ساتویں خصوصیت یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فترت کے بعد تالیف ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ سے شروع کرتے ہیں۔ (۵)

لیکن یہ نقطہ نظر ضعیف ہے، کیونکہ بعض اوقات کوئی خاص کتاب شروع کرتے وقت اس کتاب کے مستقل ہونے کا لحاظ کرتے ہوئے بھی تسمیہ کو لاتے ہیں۔

(۱).....مقدمہ لایع (۱۰۸)۔

(۲).....حوالہ بالا۔

(۳).....فتح الباری (ج ۱۳ ص ۵۴۳) شرح الحدیث الاخری۔

(۴).....مقدمہ لایع (ص ۱۱۳)۔

(۵).....مقدمہ لایع (ص ۹۶) و لایع الدراری (ج ۲ ص ۳۶۰)۔

آنھوں خصوصیت صحیح بخاری کی ثلاثیات ہیں، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بائیس ثلاثیات اپنی کتاب میں درج کی ہیں۔

ثلاثیات

یہ وہ کتابیں ہیں جن میں ایسی روایات جمع کی جاتی ہیں کہ ان میں مصنف سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک صرف تین واسطے ہوتے ہیں۔ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں بائیس ثلاثی روایات ذکر کی ہیں۔ ان میں گیارہ روایات مکی بن ابراہیمؒ سے منقول ہیں جو امام اعظم ابو حنیفہؒ کے خاص شاگرد ہیں، چھ روایات ابو عاصم النبیل ضحاک بن مخلدؒ سے مروی ہیں۔ یہ بھی امام اعظمؒ کے شاگرد ہیں، تین روایتیں محمد بن عبد اللہ انصاریؒ سے منقول ہیں۔ یہ امام ابو یوسفؒ اور امام زفرؒ کے شاگرد ہیں۔ اس طرح بائیس میں سے بیس ثلاثی روایات وہ ہیں جو حنفی مشائخ سے لی گئی ہیں۔ باقی دو روایتوں میں سے ایک روایت خلاد بن یحییٰ کوئیؒ کی ہے، اور ایک عصام بن خالد حمصی کی ہے۔ ان کے متعلق یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ حنفی ہیں یا نہیں۔ یہ بائیس روایات سند کے لحاظ سے بائیس ہیں (۱) لیکن بلحاظ متن سترہ ہیں۔

امام بخاری کی ثلاثیات پر بڑا فخر کیا جاتا ہے اور واقعہ بات بھی فخر کی ہے۔ کیونکہ ثلاثیات کی سند عالی ہوتی ہے اور سند عالی باعث افتخار ہے۔ یحییٰ بن معینؒ سے ان کی وفات کی وقت کسی نے سوال کیا تھا: مات شہی؟ تو فرمایا: بیت خال وإسناد عال (۲) امام احمد (۱)..... مقدمہ کلام الدراری (ج ۱ ص ۶۳ و ۶۴ و ۱۸۷) نیز دیکھیے تذکرۃ الحفاظ (ج ۱ ص ۳۶۵ و ۳۶۶) سیر أعلام النبلاء (ج ۹ ص ۴۸۱)، الجواهر المہیۃ (ج ۱ ص ۲۶۳) حدی الساری (ص ۴۷۹) تہذیب الکمال (ج ۲۵ ص ۵۳۹) تاریخ بغداد (ج ۵ ص ۴۰۸-۴۱۲)۔ (۲)..... مقدمہ ابن الصلاح (ص ۱۳۰)۔



بن حنبلؒ کا ارشاد ہے کہ متقدمین کا طریقہ سندِ عالی کی جستجو اور تلاش کرنا تھا۔ (۱) لیکن امام ابوحنیفہؒ جن کی زیادہ تر روایات ثلاثی ہیں اور بکثرت ثنائی ہیں جیسا کہ مسانیدِ امام اعظم اور کتاب الآثار سے ظاہر ہے اور امام اعظم روایتِ تابعی بھی ہیں اس لیے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی انھوں نے زیارت کی ہے بلکہ روایتِ تابعی بھی ان کو تابعی کہا گیا ہے، اگرچہ اس میں اختلاف ہے۔ (۲) اس کے باوجود امام بخاری کے مقابلے میں امام ابوحنیفہ کی ثنائی اور ثلاثی روایت کو صحیح اہمیت نہیں دی جاتی جو شکایت کی بات ہے۔

فصل اول

تراجم بخاری

صحیح بخاری کی خصوصیات کے ضمن میں ابواب و تراجم کی بحث بڑی اہمیت کی حامل ہے، بخاری کے تراجم تمام کتبِ حدیث کے تراجم کے مقابلہ میں بہت مشکل ہیں، اس لیے ”فقہ البخاری فی تراجمہ“ کا مقولہ اس سلسلے میں مشہور ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ امام بخاری کی دقتِ نظر اور شانِ تفقہ کا اندازہ ان کے تراجم سے کیا جاسکتا ہے، دوسرا مطلب یہ بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا فقہی نقطہ نظر تراجم میں پیش کیا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ منعقد کرنے میں اپنا مخصوص انداز ہے اور وہ

(۱).....مقدمۃ ابن الصلاح (ص ۱۳۰)۔

(۲).....مقدمۃ لامع الدراری (ج ۱ ص ۱۰۳) روایتِ تابعیت کے ثبوت کے لیے دیکھیے سیر أعلام النبلاء

(ج ۶ ص ۳۹۱) تہذیب التہذیب (ج ۱۰ ص ۴۴۹) تہذیب الکمال (ج ۲۹ ص ۴۱۸) تذکرۃ

الخطا (ج ۱ ص ۱۶۸) تاریخ بغداد (ج ۱۳ ص ۳۲۳)۔

مختلف طریقوں سے ترجمہ قائم کرتے ہیں۔

۱۔ بعض اوقات حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ترجمہ بناتے ہیں اور اس کی حدیث نبوی ہونے کی صراحت بھی کرتے ہیں جیسے کتاب الایمان کا پہلا ترجمہ ہے ”باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ”بُنی الإسلام علی خمس“۔ اسی طرح کتاب الایمان میں ایک اور ترجمہ ہے ”باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ”الدین النصیحة“۔ اسی طرح کتاب العلم میں ترجمہ ہے ”باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ”رب مبلغ أوعى من سامع“۔

۲۔ کبھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حدیث نبوی کو ترجمہ بناتے ہیں لیکن اس کے حدیث ہونے کا ذکر نہیں کرتے جیسے ”باب من یرد اللہ خیراً یفقهہ فی الدین“ ترجمہ حدیث کا ہے لیکن اس کے حدیث ہونے کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا۔

۳۔ کبھی کبھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حدیث رسول کو ترجمہ بناتے ہیں لیکن اس میں تھوڑا سا تصرف اور تبدیلی کر دیتے ہیں اور اس کا مقصد حدیث کی تشریح ہوتا ہے، جیسے ”باب ما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتخولہم بالموعظة والعلم کي لا ینفروا“ حدیث میں ”کراهة السامة“ آیا ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ میں ”سامة“ کی تفسیر ”نفرة“ سے کر دی ہے۔

۴۔ کبھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ایسی حدیث کو ترجمہ بناتے ہیں جو ان کی شرط کے مطابق نہیں ہوتی، پھر اپنی روایات سے اس کو مؤید فرماتے ہیں جیسے ابواب الوضوء میں ”باب ماجاء لاتقبل الصلاة بغير طهور“ اور ابواب الزکوٰۃ میں ”باب ماجاء تقبل الصدقة من غلول“ ہیں یہ ایک ہی روایت کے دو جزء ہیں، مسلم اور ترمذی نے اس کی تخریج کی ہے، امام بخاری نے ایک جزء پر کتاب الوضوء میں اور دوسرے جزء پر کتاب



الزکوٰۃ میں ترجمہ قائم کیا ہے۔

اسی طرح کتاب الصلوٰۃ میں ”باب إذا أقيمت الصلاة فلا صلاة إلا المكتوبة“ کا ترجمہ قائم کیا ہے، اور یہ مسلم کی روایت پر قائم کیا گیا ہے۔
ایسا ہی ایک ترجمہ ہے ”باب الاثنان فما فوقهما جماعة“ یہ ترجمہ ابن ماجہ کی روایت پر قائم کیا گیا ہے۔ (۱)

باب بلا ترجمہ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کئی جگہ باب بلا ترجمہ لاتے ہیں صرف ”باب“ ہوتا ہے ترجمہ نہیں ہوتا اور اس کے ذیل میں مسند روایت پیش کرتے ہیں، اس سلسلہ میں حضرات شراح نے مختلف توجیہات کی ہیں:-
۱۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو سہو ہو گیا اس وجہ سے امام بخاری ترجمہ قائم نہ کر سکے۔

۲۔ مصنف کو سہو نہیں ہوا بلکہ کاتب کو سہو ہو گیا ہے یعنی مصنف کا قائم کیا ہوا ترجمہ کاتب سے سہو اچھوٹ گیا ہے۔

۳۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ راوی کا تصرف ہے۔ (۲)

۴۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بعض مقامات میں یہ کہا ہے کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے قصد ابیاض چھوڑی تھی، ترجمہ قائم کرنے کا ارادہ تھا لیکن بعد میں موقعہ نہیں ملا۔

(۱)..... تفصیل کے لیے دیکھیے مقدمہ لامع (ص ۳۰۳، ۳۰۴) اور کشف الباری (ج ۱ ص ۱۶۹) مقدمۃ الكتاب۔

(۲)..... دیکھیے فتح الباری (ج ۶ ص ۵۶۱) باب بلا ترجمہ بعد باب کدیۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔



لیکن یہ جوابات درست نہیں کیونکہ تکمیل کتاب کے بعد تقریباً تیس سال امام نے اس کتاب کا درس دیا ہے اور تقریباً نوے ہزار شاگردوں نے امام سے اس کو پڑھا ہے پھر امام بخاری یا کاتب کے سہو کے برقرار رہنے کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے یا موقع نہ ملنے کا عذر کیسے قابلِ سماعت ہو سکتا ہے، پھر دو چار جگہ اگر باب بلا ترجمہ ہوتا تب بھی سہو مؤلف یا سہو کاتب کی گنجائش ہو سکتی تھی۔ یہاں تو بہت سے ابواب صحیح بخاری میں بلا ترجمہ ہیں۔

۵۔ علامہ کرمانی (۱)، حافظ ابن حجر (۲)، علامہ عینی (۳)، قسطلانی (۴)، ابن رشید (۵) شیخ نورالحق (۶) اور شاہ ولی اللہ (۷) رحمہم اللہ نے عموماً ”باب بلا ترجمہ“ کو کافصل من الباب السابق قرار دیا ہے، یعنی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ باب بلا ترجمہ میں ایسی روایت لاتے ہیں جو من وجہ باب سابق سے بھی متعلق ہوتی ہے اور من وجہ مستقل بھی ہوتی ہے، اس لیے یہ باب، سابق باب کے لیے فصل کی طرح ہوتا ہے۔

۶۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ باب بلا ترجمہ بعض مقامات میں تشبیذ اذہان کے لیے ہوتا ہے، یعنی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا منشا یہ ہوتا ہے کہ باب کی روایت کو پیش نظر رکھ کر قاری خود ایسا ترجمہ قائم کرے جو بخاری کی شان کے مطابق بھی ہو اور ٹکرا رہی لازم نہ آئے اس طرح ذہن تیز ہوتا ہے اور

(۱)..... شرح کرمانی (ج ۱ ص ۱۰۳)۔

(۲)..... فتح الباری (ج ۱ ص ۶۴)۔

(۳)..... عمدة القاری (ج ۱ ص ۱۵۲)۔

(۴)..... ارشاد الساری (ج ۱ ص ۹۹)۔

(۵)..... مقدمہ لامع (ص ۳۲۲) الاصل العشر ون۔

(۶)..... تیسیر القاری (ج ۱ ص ۲۰، ۲۱)۔

(۷)..... رسالہ شرح تراجم ابواب البخاری (ص ۲۲)۔

استخراج مسائل اور استنباط کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ (۱)

۷۔ کبھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ باب سابق سے پیدا شدہ اشکال کو رفع کرنے

کے لیے باب بلا ترجمہ لاتے ہیں۔ (۲)

۸۔ یہ باب بلا ترجمہ تکثیر فوائد کے لیے ہوتا ہے، یعنی باب کی روایت بہت سے فوائد کو شامل ہوتی ہے، اگر ترجمہ قائم کیا جائے تو قاری کا ذہن اسی ترجمہ پر مرکوز ہو جاتا اور دیگر فوائد کی طرف توجہ نہ ہوتی، اس لیے امام بخاری بغیر ترجمہ کے باب کو ذکر کرتے ہیں تاکہ تمام فوائد کی طرف ذہن متوجہ ہو سکے۔ (۳)

۹۔ باب بلا ترجمہ رجوع الی الاصل کے لیے ہوتا ہے، یعنی ایک سلسلہ ابواب چلا آ رہا ہوتا ہے، درمیان میں کچھ ضمنی تراجم آ جاتے ہیں تو اصل سلسلہ کی طرف رجوع کرنے کے لیے باب بلا ترجمہ لایا جاتا ہے۔ (۴)

۱۰۔ علامہ یعنی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض مقامات میں یہ بھی فرمایا ہے کہ امام بخاری تکثیر طرق کی طرف اشارہ کرنے کے لیے باب بلا ترجمہ لاتے ہیں۔ (۵)

۱۱۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ”باب بلا ترجمہ“ تحویل کے طور پر ہوتا ہے جیسے ایک سند کو ذکر کرتے ہوئے ”ح“ لاتے ہیں اور اس کے بعد دوسری سند کو ذکر کرتے ہیں، یہ تحویل ”من سند الی سند“ ہوتی ہے اور آگے جا کر

(۱)..... مقدمہ لامع (ص ۳۲۷، ۳۲۸) الاصل العشر ون۔

(۲)..... دیکھیے تقریر بخاری شریف (ج ۱ ص ۱۲۶)۔

(۳)..... دیکھیے مقدمہ لامع (ص ۳۲۹) الاصل السادس والعشرون۔

(۴)..... مقدمہ لامع (ص ۳۶۷) الاصل السابع والخمسون۔

(۵)..... دیکھیے مقدمہ لامع (ص ۳۱۹، ۳۱۹) الاصل السابع عشر۔



دونوں سندیں مل جاتی ہیں۔ (۱)

لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ پوری صحیح بخاری میں کتاب بدء الخلق میں اس کی ایک مثال موجود ہے اور ایک مثال کے پائے جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو اپنی کتاب میں بطور قاعدہ اختیار کیا ہو۔ (۲)

یہ ساری گفتگو ابواب تراجم کے سلسلے میں فصل اول کی حیثیت رکھتی ہے۔

فصل ثانی: اثبات تراجم

اس بحث کی فصل ثانی یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ترجمہ کو ثابت کرنے کے لیے کیا طریقہ اختیار کرتے ہیں اور اپنے دعوے کو کس انداز میں ثابت کرتے ہیں یعنی ان کے ہاں استدلال کا طریقہ کیا ہے؟

عام طور پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے تراجم دعاوی ہوتے ہیں اور احادیث سندہ ان دعاوی کی دلیل ہوتی ہیں، لیکن بخاری کے کچھ تراجم ”تراجم شارحہ“ بھی ہوتے ہیں۔ وہاں دعویٰ اور اثبات دعویٰ بالذلیل کا سلسلہ نہیں ہوتا۔

ایک حدیث عام ہوتی ہے اور اس پر خاص ترجمہ قائم کرتے ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ اس عام سے خاص مراد ہے۔ یا روایت مطلق ہوتی ہے اور ترجمہ مقید لاتے ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ روایت مطلقہ میں ترجمہ والی قید ملحوظ ہے، کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے کہ روایت خاص ہوتی ہے اور اس پر ترجمہ عام قائم کرتے ہیں، یہ بتلانے کے لیے کہ روایت جس خصوصیت کا ذکر ہے وہ ملحوظ نہیں، کبھی روایت مقید ہوتی ہے اور ترجمہ مطلق لاتے

(۱) دیکھیے رسالہ شرح تراجم ابواب البخاری (ص ۱۳)۔

(۲) دیکھیے مقدمہ لامع (ص ۳۰۹) الاصل السالغ۔

ہیں وہاں پر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ روایت میں جس قید کا ذکر کیا گیا ہے وہ ملحوظ نہیں ہے بلکہ وہ اتفاقی قید ہے، ایسے تراجم ”تراجم شارحہ“ کہلاتے ہیں۔ یہاں اس بات کی ضرورت نہیں ہوتی کہ ترجمہ کو روایت سے ثابت کیا جائے، لیکن عام طور پر تراجم بمنزلۃ الدعویٰ ہوتے ہیں اور باب کی روایت دلیل ہوتی ہے، یہی طریقہ صحیح بخاری میں سب سے زیادہ ہے۔

تراجم کی قسمیں

پھر تراجم کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ تراجم ظاہرہ ۲۔ تراجم خفیہ۔

تراجم ظاہرہ میں ترجمۃ الباب اور حدیث باب میں مطابقت آسان ہوتی ہے وہاں کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔

البتہ تراجم خفیہ میں تطبیق مشکل ہوتی ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ کو ثابت کرنے کے لیے کسی ایک طریقہ کی پابندی نہیں کی، کبھی وہ ایک طریقہ اختیار کرتے ہیں اور کبھی کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرتے ہیں:-

۱۔ کبھی وہ ایسا کرتے ہیں کہ ترجمہ قائم کیا اور اس کے ذیل میں روایت نقل کی، لیکن ترجمہ کا ثبوت کسی دوسری روایت سے ہوتا ہے جو بخاری میں دوسرے مقام پر مذکور ہے۔

مثلاً کتاب العلم میں ترجمۃ الباب ہے ”باب السمر فی العلم“ اور جو روایت نقل کی ہے اس میں ”سمر فی العلم“ کا ذکر نہیں ہے، البتہ کتاب التفسیر میں یہی روایت ذکر فرمائی اور اس میں ”فتحدث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع اہلہ ساعة“ کے الفاظ ذکر کیے۔ (۱) گویا تراجم کتاب العلم میں ہے اور اس کا ثبوت کتاب التفسیر سے ہو (۱)..... دیکھیے صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ آل عمران، باب ﴿إِن فِی خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ رقم (۳۵۶۹)۔

رہا ہے۔ (۱)

اسی طرح کتاب العلم کا ایک ترجمہ ”باب الفتيا وهو واقف على الدابة وغيرها“ ہے، یہاں جو روایت ذکر کی ہے اس میں ”وقوف على الدابة“ کا ذکر نہیں ہے، لیکن کتاب الحج میں یہی روایت مذکور ہے اور وہاں ”وقف رسول الله صلى الله عليه وسلم على ناقته“ (۲) کے الفاظ موجود ہیں، گویا ترجمہ کتاب الحج کی روایت سے ثابت ہو رہا ہے۔ (۲)

اسی طرح پیچھے آچکا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابواب الصلوة میں ”باب التقاضى والملازمة فى المسجد“ کا ترجمہ قائم کیا اور اس کے ذیل میں جو روایت نقل کی اس میں ”تقاضى“ کا تودہ کر ہے لیکن ”ملازمة“ کا ذکر نہیں ہے، لیکن جب کتاب الخصومات میں یہ روایت ذکر کی تو وہاں ”فلقيه فلزمه“ کے الفاظ ہیں، اس طرح یہ ترجمہ بخاری میں مذکور روایت سے ثابت ہوا جس کو یہاں کے بجائے دوسری جگہ ذکر کیا ہے۔ (۳)

۲۔ اسی طرح امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کبھی ترجمہ قائم کر کے اس کو ثابت کرنے کے لیے کسی ایسی روایت پر اعتماد کرتے ہیں جو بخاری میں مذکور نہیں، چنانچہ اس کی مثال پیچھے گزر چکی ہے کہ امام بخاری نے ترجمہ قائم کیا ہے ”باب ذلك المرأة نفسها اذا تطهرت من المحيض“ اور باب کے تحت جو روایت نقل کی ہے اس میں ”ذلك“ کا ذکر

(۱)..... دیکھیے فتح الباری (ج ۱ ص ۲۱۳) کتاب العلم، باب السر في العلم۔

(۲)..... دیکھیے صحیح بخاری، کتاب الحج، باب الفتيا على الدابة عند الحجرة، رقم (۱۷۳۸)۔

(۳)..... دیکھیے فتح الباری (ج ۱ ص ۱۸۱) کتاب العلم، باب الفتيا وهو واقف على الدابة وغيرها۔

(۴)..... دیکھیے اصل (۱۷) شق (ب)۔



نہیں ہے اور نہ ہی صحیح بخاری میں ایسی کوئی روایت موجود ہے جس میں ”دلك“ مذکور ہو، البتہ صحیح مسلم میں ایسی روایت موجود ہے جس میں ”دلك“ کا ذکر ہے، لہذا کہا جائے گا کہ یہاں اثبات مدعی کے لیے ایسی روایت پر اعتماد کیا گیا ہے جو صحیح بخاری میں موجود نہیں۔ (۱)
۳۔ کبھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ روایت کے اجمال سے ترجمہ کو ثابت کرتے

ہیں، چنانچہ کتاب الوضوء میں ایک ترجمہ ہے ”باب وضوء الرجل مع امرأته وفضل وضوء المرأة“ اور اس کے ذیل میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اثر نقل کیا ہے ”وتوضأ عمر بالحمیم ومن بیت نصرانیة“ اس سے امام بخاری یوں استدلال کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گرم پانی سے وضو کیا اور پانی عموماً عورتیں گرم کیا کرتی ہیں اور گرم کرتے وقت وہ کئی مرتبہ پانی میں ہاتھ ڈال کر دیکھتی ہیں کہ وہ کتنا گرم ہو گیا..... یہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گرم پانی وضو میں استعمال کیا اور کوئی تفصیل معلوم نہیں کہ عورت کا گرم کیا ہوا پانی ہے یا مرد کا، اور اگر عورت کا گرم کیا ہوا ہے تو اس نے اس میں ہاتھ ڈالا تھا یا نہیں، بس گرم پانی وضو میں استعمال کیا اور حقیقت کو مجمل رہنے دیا، اس سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ثابت کیا کہ اگر مرد اور عورت ایک ساتھ وضو کریں اور عورت کا ہاتھ مرد کے وضو کے پانی میں داخل ہو تو کوئی حرج نہیں۔

اسی طرح ”ومن بیت نصرانیة“ کا جملہ ہے اس میں عقلاً دو احتمال ہیں، ایک یہ کہ گرم پانی اسی نصرانیہ کے گھر کا ہو، اور عبارت یوں ہو ”وتوضأ عمر بالحمیم من بیت نصرانیة“ جیسا کہ ایک نسخہ میں اسی طرح بغیر واو کے آیا ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ وضو بالحمیم کا واقعہ اور ہواور ”وضوء من بیت نصرانیة“ کا واقعہ دوسرا ہو، جیسا کہ

حقیقت واقعہ یہی ہے۔ (۱) اگر ایک ہی واقعہ ہے تو اس کی بحث گذر چکی اور اگر یہ واقعہ علیحدہ ہے تو استدلال کی تقریروں ہوگی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نصرانیہ کے گھر سے پانی لے کر وضو کیا اور یہ تفصیل دریافت نہیں کی کہ وہ پانی نصرانیہ کے استعمال سے بچا ہوا تو نہیں ہے حالانکہ وہاں دونوں صورتوں کا احتمال ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس نصرانیہ کے استعمال سے بچا ہوا پانی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ علیحدہ پانی ہو، استعمال سے بچا ہوا نہ ہو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ تفصیل میں نہیں گئے، اس سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے استدلال کیا اور اجمال سے اپنے ترجمہ کو ثابت کر دیا۔ (۲)

فضائل جامع صحیح بخاری

ایک فضیلت تو یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تالیف کے وقت کسی حدیث کو اس وقت تک درج نہیں کیا جب تک پہلے غسل، دو رکعت اور استخارے کے بعد اس حدیث کی صحت کا انہیں یقین نہیں ہو گیا۔ (۳)

- (۱)..... کیونکہ ”توضاً عمر بالحمیم“ والا اثر مستقل ہے اور اس کو سعید بن منصور، عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ اور دارقطنی وغیرہ نے موصولاً ذکر کیا ہے اور ”ومن بیت نصرانیة“ والا ایک مستقل اثر ہے جس کو شافعی، عبدالرزاق، بیہقی اور اسماعیلی وغیرہ نے موصولاً ذکر کیا ہے، چنانچہ حافظ رحمہ اللہ نے اس تفصیل کو بیان کر کے ایک اثر ہونے کے احتمال کو رد کیا ہے اور فرمایا ہے ”وقد عرفت انهما اثران متغايران“ دیکھیے فتح الباری (ج ۱ ص ۲۹۹) کتاب الوضوء، باب وضوء الرجل مع امرأته.....
- (۲)..... دیکھیے فتح الباری (ج ۱ ص ۲۹۹) مزید تفصیل کے لیے دیکھیے کشف الباری ص ۱۸۲ مقدمہ۔
- (۳)..... دیکھیے تاریخ بغداد (ج ۲ ص ۹) وتہذیب الاسماء واللغات (ج ۱ ص ۷۷) وهدی الساری (ص ۲۸۹) وسیر اعلام النبلاء (ج ۱ ص ۴۰۲)۔



دوسری فضیلت یہ کہ اس کی تمام احادیث صحیح ہیں۔ (۱)

تیسری فضیلت یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی منامی بشارت اس کو حاصل ہے، ابو زید مردی بیان کرتے ہیں کہ میں رکن اور مقام کے درمیان سو رہا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، آپ نے فرمایا ”یا ابازید، الی متی تدرس کتاب الشافعی ولا تدرس کتابی؟“ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کی کتاب کون سی ہے؟ فرمایا ”جامع محمد بن اسمعیل“ (۲)۔

چوتھی فضیلت یہ ہے کہ جہاں اس کتاب کی باطنی برکات ہیں کہ اس پر عمل کرنے سے دینی ترقی ہوتی ہے اسی طرح ظاہری برکات بھی ہیں:-

ابن ابی جرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے بعض عارفین نے ایسے سادات سے نقل کیا ہے جن کے فضل کا لوگوں میں خوب چرچا اور اعتراف ہے کہ صحیح بخاری اگر کسی مصیبت میں پڑھی جائے تو وہ دور ہو جاتی ہے اور اگر کسی کشتی میں لے کر سوار ہو جائیں تو وہ غرق نہیں ہوتی، نجات پاتی ہے، مصنف مستجاب الدعوات تھے، انہوں نے اس کتاب کے پڑھنے والوں کے لیے دعا کی ہے۔ (۳)

علامہ جمال الدین نے اپنے استاذ سید اہل الدین سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ کتاب قریباً ایک سو بیس مرتبہ پڑھی، جس نیت سے بھی پڑھی وہ مراد پوری ہوئی۔ (۴) اسی لیے ختم بخاری شریف کا رواج علماء و محدثین کے یہاں چلا آ رہا ہے، یہ سلسلہ کب سے چلا آ رہا ہے اس سلسلے میں کوئی حتمی بات نہیں کہی جاسکتی البتہ ساتویں

(۱)..... تاریخ بغداد (ج ۲ ص ۹) تہذیب الاسماء (ج ۱ ص ۷۲) وسیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۴۰۲)۔

(۲)..... حدی الساری (ص ۲۸۹)۔

(۳)..... حدی الساری (ص ۱۳)۔

(۴)..... أفضة الملعات (ج ۱۱)۔



آٹھویں صدی سے اس کا پتہ چلتا ہے، ممکن ہے اس سے پہلے بھی یہ سلسلہ رہا ہو۔

أصح الكتب بعد كتاب الله: صحيح البخاري

صحیح بخاری کی شروط، خصائص اور فضائل کے جان لینے کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس کو دیگر کتب حدیث پر مجموعی طور پر فوقیت حاصل ہے، کیونکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جس بالغ نظری اور نکتہ رسی کے ساتھ صحیح احادیث کا انتخاب کیا ہے، پھر ان کی جلالتِ شان اور معرفتِ علل میں ان کا تقدم بھی مسلم ہے اور چیزوں کے پیش نظر اگر کسی نے ”أصح الكتب بعد كتاب الله: صحيح البخاري“ کا اطلاق کر دیا ہو تو وہ بیجا نہیں صحیح بخاری سے پہلے موطا امام مالک کے لیے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے اسی قسم کے الفاظ منقول ہیں، لیکن چونکہ موطا میں مراسیل و بلاغات اور منقطعات کی خاصی تعداد ہے جو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حجت ہیں اور موضوع کتاب میں داخل ہیں جبکہ صحیح بخاری میں بالعموم احادیث صحیحہ متصلہ ہیں اور جو تعلیقات وغیرہ ہیں وہ استشہاد الائی گئی ہیں موضوع کتاب نہیں ہیں، اس لیے متاخرین نے صحیح بخاری کے بارے میں ”أصح الكتب بعد كتاب الله تعالى: صحيح البخاري“ کا اطلاق کیا اور اسی کو اپنایا ہے۔

صحیح بخاری کے ساتھ صحیح مسلم بھی صحت کے اعتبار سے اس کی شریک ہے لیکن جمہور علمائے حدیث نے صحیح بخاری کو صحیح مسلم پر فوقیت دی ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری کی تفضیل ثابت کرتے ہوئے فرمایا کہ:

حدیث کی صحت کا مدار عدالتِ رواۃ، اتصالِ سند اور علل و شدوذ کے انقضاء پر ہے، ان جہات سے صحیح بخاری کو صحیح مسلم پر فوقیت حاصل ہے:

۱۔ عدالتِ رواۃ کے اعتبار سے دیکھا جائے تو صحیح بخاری کی فضیلت اس طرح



ثابت ہے کہ امام بخاری جن روایہ میں منفرد ہیں ان کی تعداد چار سو پینتیس ہے، ان میں سے متکلم فیہ راوی صرف اسی ہیں جبکہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ چھ سو بیس راویوں میں منفرد ہیں ان میں متکلم فیہ ایک سو ساٹھ ہیں، یہ تعداد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے متکلم فیہ روایہ کے مقابلہ میں دگنی ہے، ظاہر ہے متکلم فیہ روایہ جس میں کم ہونگے اس کی افضلیت ثابت ہو گی۔

۲۔ پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جن متکلم فیہ روایہ سے احادیث تخریج کی ہیں ان سے زیادہ حدیثیں نہیں لیں، جبکہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے متکلم فیہ روایہ سے کثرت سے احادیث نقل کی ہیں۔

۳۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے متکلم فیہ روایہ ان کے اپنے اساتذہ اور براہ راست شیوخ ہیں جن کے حالات سے اور ان کی صحیح و سقیم احادیث سے وہ خوب واقف تھے، چنانچہ انھوں نے ان کی ساری حدیثیں کیف ما اتفق جمع نہیں کیں بلکہ خوب انتقاء کر کے نقل کی ہیں، جبکہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے متکلم فیہ روایہ ان کے براہ راست شیوخ نہیں بلکہ متقدمین میں سے ہیں۔

۴۔ پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ان متکلم فیہ روایہ کی احادیث استبہادات و متابعات اور تعلیقات میں عموماً لاتے ہیں، جبکہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اصل کتاب میں بطور احتجاج ذکر کرتے ہیں۔

۵۔ اتصال سند کے اعتبار سے صحیح بخاری کو اس طرح فوقیت حاصل ہے کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ حدیث معنعن متصل کے حکم میں ہوتی ہے بشرطیکہ راوی اور مروی عنہ معاصر ہوں۔ اگرچہ ان کے درمیان لقاء ثابت نہ ہو، جبکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں یہ مسلک اختیار کیا ہے کہ حدیث معنعن، کو اتصال کے حکم میں اس وقت



سمجھیں گے جبکہ معاشرت کے ساتھ ساتھ کم از کم ایک مرتبہ ان کے درمیان لقاء بھی ثابت ہو، ظاہر ہے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی شرط، اتصال کے اعتبار سے اقویٰ اور اشد ہے۔

۶۔ علت و شذوذ کے انقضاء کے اعتبار سے صحیح بخاری کو صحیح مسلم پر بایں طور فوقیت حاصل ہے کہ صحیحین کی کل دو سو دس حدیثوں پر کلام کیا گیا ہے جن میں سے (۸۰) اسی سے بھی کم حدیثیں بخاری کی ہیں اور باقی حدیثیں صحیح مسلم کی ہیں۔ (۱)
اس تفصیل سے اچھی طرح معلوم ہو گیا ہوگا کہ صحیح بخاری کو صحیح مسلم پر نیز دیگر کتب حدیث پر فوقیت حاصل ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

لیکن اس کا یہ مطلب نہ لیا جائے کہ صحیح بخاری کی ہر ہر حدیث کو صحیح مسلم یا دوسری کتب حدیث کی ہر ہر حدیث پر فوقیت حاصل ہے، بلکہ صحیح بخاری کو جو افضلیت حاصل ہے وہ مجموعی طور پر ہے (۲)۔



(۱)..... دیکھیے حدی الساری (ص ۱۲۱)۔

(۲)..... مفصل بحث کے لیے دیکھیے کشف الباری مقدمۃ الکتاب (ص ۱۸۶)۔



امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ

نام: ابوالحسین عساکر الدین مسلم بن الحجاج بن مسلم بن ورد بن کوشاذ القشیری النیشاپوری۔

نسب و نسبت

امام مسلمؒ نسا عربی ہیں اور قشیر (بضم القاف وفتح الشین المعجمة و سکون الباء) قبیلہ سے آپ کا تعلق ہے اس لیے ان کو قشیری کہا جاتا ہے (۱) اور چونکہ شہر نیشاپور آپ کا مولد اور مسکن ہے تو اس کی طرف نسبت کر کے نیشاپوری بھی کہتے ہیں۔

مختصر تاریخ نیشاپور

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں لشکر اسلام کے مجاہدین اہل نیشاپور سے صلح کر کے اس شہر میں داخل ہوئے، اس کا بانی شاہ پور بتایا جاتا ہے جب اس علاقہ سے اس کا گزر ہوا تو اس نے کہا: اچھی جگہ ہے یہاں شہر بسانا چاہیے اسی کی طرف نسبت سے اس کا نام شاہ پور ہو گیا (۲)۔

نیشاپور خراسان کے مشہور شہروں میں سر فہرست تھا، اس میں مختلف قسم کی معدنیات موجود تھیں اور اس کے باشندے خوشحال زندگی بسر کرتے تھے، احمد بن طاہر کہتے

(۱)..... دیکھئے الانساب ج ۳/ص ۵۰۱، مزید لکھتے ہیں: ”هذه نسبة الى قشیر بن كعب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعة، قبيلة كبيرة ينسب اليها كثير من العلماء“۔

(۲)..... غیاث اللغات میں لکھا ہے: دراصل یہ شاہ پور یعنی شہر شاہ پور چرا کہ نہ بالکسر شہر را گویند وہائے ہوز بیائے تختانی بدل شدہ، غیاث اللغات: ۵۳۶۔



ہیں: ”لیس فی الأرض مثل نیشاپور، بلد طیب و رب غفور“ (۱)۔

۶۱۸ھ میں جب چنگیز خان کے لشکر نے شہر نیشاپور کا محاصرہ کیا ہوا تھا تو شہر والوں میں سے کسی نے تیر مارا جس کے نتیجہ میں چنگیز خان کا داما قتل ہوا، اس کے بعد چنگیز بذاتِ خود نیشاپور پر یلغار کرنے کے لیے آیا اور مغول لشکر نے کسی زندہ انسان کو نہیں بچنے دیا، شہر نیشاپور ایسا ویران ہوا کہ، مؤرخین کہتے ہیں اس کے بعد کبھی اس کو وہ مقام و شرف حاصل نہ ہوا، اب بھی نیشاپور موجود ہے لیکن پہلے کی نسبت بہت ہی چھوٹا، مؤرخین کے مطابق نیشاپور اُس زمانے میں دس لاکھ کی آبادی پر مشتمل تھا جبکہ فی الحال اس کی آبادی پچاس ہزار سے زیادہ نہیں (۲) اور نہ ہی اس میں وہ دینی، مذہبی اور علمی رونقیں اور بہاریں ہیں جس کی وجہ سے شہر نیشاپور کا نام آج تک تاریخ میں محفوظ ہے۔

دنیاۓ اسلام میں سب سے پہلا دارالعلوم

مشہور یہ ہے کہ دنیاۓ اسلام میں سب سے پہلا مدرسہ نظامیہ بغداد ہے لیکن صحیح قول یہ ہے کہ مدرسہ بہقیہ نیشاپور کو تقدم حاصل ہے، نظامیہ بغداد سے پہلے نیشاپور میں کئی دارالعلوم قائم ہو چکے تھے جن میں سے نظامیہ نیشاپور، سعدیہ، نصریہ کا نام لیا جاسکتا ہے (۳)۔ امام الحرمین نے (متوفی ۷۲۸ھ اور امام غزالیؒ کے استاذ) اسی مدرسہ بہقیہ میں

(۳)..... معجم البلدان میں اس قول کی نسبت ابو العباس روزنی معروف بامام غزالیؒ کی طرف کی گئی ہے دیکھئے معجم البلدان: ۳۳۲/۵۔

(۴)..... دیکھئے ”لغت نامہ دہخدا“ ج ۲۸/۱۰۰۸۔

(۵)..... دائرہ معارف اسلامیہ اردو، ج ۲۰ ص ۱۵۷-۱۵۸۔

تعلیم حاصل کی تھی، شیخ ابو حفص حداد (۱) ابو محمد مرتش (متوفی ۳۲۳ھ)، ابو علی ثقفی (متوفی ۳۲۸ھ)، ابن راہویہ (۲) عمر خیام (۳) وغیرہ اسی سرزمین نیشاپور کے مدارس کے فیض یافتگان ہیں، امام مسلم کے والد حجاج بھی نیشاپور کے مشائخ میں سے تھے (۴)۔

ولادت

آپ کی ولادت میں کئی اقوال ہیں: ۲۰۲ھ، ۲۰۴ھ، ۲۰۶ھ

حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک ۲۰۴ھ رائج ہے، فرماتے ہیں: ”وكان مولده في السنة التي مات فيها الشافعي وهي سنة اربع ومائتين“ (۵) لیکن علامہ ذہبی نے ۲۰۴ھ کو ”یقال“ کے ساتھ نقل کیا ہے (۱)..... صحیح قول کے مطابق ان کا نام عمرو بن سلمہ ہے، علم و عرفان میں مشہور تھے، کسی نے آپ سے کہا کہ آپ کے یہاں کوئی خاص بات (کرامت) نظر نہیں آئی تو شیخ اس کا ہاتھ پکڑ کر لوہار کی دکان پر گئے اور ایک آتشیں لوہے کو ہاتھ میں لیا تو وہ فوراً ٹھنڈا ہو گیا تب سے آپ کو حداد کہا جاتا ہے۔

وفات کے بارے میں ۲۶۵، ۲۶۷، ۲۷۰ کے مختلف اقوال ملتے ہیں۔ دیکھئے الانساب ۱۸۱/۲۔

(۲)..... ابن راہویہ، امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کے استاد ہیں ان کی تاریخ وفات کے بارے میں ۲۳۰، ۲۳۷، ۲۳۸ کے مختلف اقوال ملتے ہیں ان کے والد سفر کے دوران مکہ کے راستے میں پیدا ہوئے اس لیے ان کو راہویہ کہتے ہیں، فارسی میں ”راہ“ کے معنی راستہ کے ہیں اور ”ویہ“ ”ملنے“ کے معنی میں ہے کأنه وجد في الطريق۔ دیکھئے الرسالۃ المسطر فی ص ۵۵۔

(۳)..... یہ ابوالفتح عمر بن ابراہیم ہیں۔ ریاضی، فلکیات، لغت، فقہ اور تاریخ کے بڑے ماہر تھے لیکن ان کی شہرت ان کی رباعیات کی وجہ سے ہے جو کہ دنیا کی کئی اہم زبانوں میں ترجمہ ہو کر شائع ہو چکی ہے۔

دیکھئے لا اعلام ۳۸/۵۔

(۴)..... دیکھئے تہذیب التہذیب ۱۲۹/۱۰۔

(۵)..... المبدایہ والنہایہ ۳۴/۱۱۔



(۱) دوسرے محققین نے ۲۰۶ھ کو رائج قرار دیا ہے، چنانچہ ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں (۲) اور علامہ ابن اثیر جزریؒ نے مقدمہ جامع الاصول میں (۳) اس کی تصریح کی ہے۔ وفات بالاتفاق ۲۶۱ھ میں ہے اس لیے رائج قول کے مطابق کل عمر ۵۵ سال اور حافظ ابن کثیرؒ کے قول کے مطابق کل عمر ۵۷ سال بنتی ہے، حافظ ابن کثیرؒ نے تصریح کی ہے: ”فکان عمره سبعاً وخمسين سنة“ (۴)۔

سماع حدیث

علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ آپ کے سماع حدیث کی ابتداء ۲۱۸ھ میں ۱۲ سال کی عمر میں ہوئی (۵) بعض حضرات نے لکھا ہے کہ ابتدائی سماع نیشاپور میں امام ذہبیؒ (متوفی ۲۵۸ھ) سے کی، لیکن امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ آپ نے ابتدائی سماع ۲۱۸ھ میں یحییٰ بن یحییٰ التمیمی سے کیا (۶) پھر ۲۲۰ھ میں حج کیا، وہاں امام قعنبی سے سماع کیا، امام قعنبیؒ آپ کے سب سے بڑے استاذ ہیں۔

علمی رحلات، مشہور اساتذہ وتلامذہ

امام مسلمؒ نے صرف اپنے شہر میں موجود ائمہ فن سے استفادہ کرنے پر اکتفا نہیں

(۱)..... دیکھئے تذکرۃ الحفاظ ۲/۵۸۸۔

(۲)..... وفیات الاعیان ۵/۱۹۵۔

(۳)..... جامع الاصول ۱/۱۸۷۔

(۴)..... البدایہ والنہایہ ۱۱/۳۴۔

(۵)..... تذکرۃ الحفاظ ۲/۵۸۸۔

(۶)..... دیکھئے سیر اعلام النبلاء ۱۲/۵۵۸۔



کیا بلکہ اس زمانے کے دستور کے مطابق انتہائی ذوق و شوق سے آپ نے مختلف بلاد و امصار کا سفر کیا اور اس فن کے مشہور و معروف ائمہ اعلام سے سیراب ہوئے، خراسان میں اسحاق بن راہویہ، یحییٰ بن یحییٰ، عراق میں احمد بن حنبل اور عبد اللہ بن مسلمہ قعنبی، حجاز میں سعید بن منصور اور ابو مصعب، مصر میں حرملة بن یحییٰ و عمرو بن سواد، رے میں محمد بن مہران و ابو غسان (۱) سے اور نیشاپور میں امام بخاریؒ سے بہت استفادہ کیا، احمد بن مسلمہ کی رفاقت میں بلخ و بصرہ کا بھی سفر کیا (۲)، بغداد بارہا جانا ہوا، بغداد کا آخری سفر ۲۵۹ھ میں ہوا اس کے دو سال بعد انتقال ہو گیا (۳) بغداد میں بھی آپ نے درس دیا (۴)۔

آپ کے تلامذہ میں ابو یسویٰ ترمذی صاحب السنن، ابو حاتم رازی، ابراہیم بن ابی طالب، ابن صاعد، ابو حامد ابن الشرقي (۵) ابو احمد بن حمدان، ابراہیم بن محمد بن سفیان، ابو حاتم مکی بن عبدان، محمد بن مخلد، احمد بن مسلمہ، موسیٰ بن ہارون اور ابو عوانہ جیسے ائمہ فن شامل ہیں۔

امام مسلمؒ کے وہ اساتذہ جن کی روایت صحیح مسلم میں نہیں

امام مسلمؒ کے اساتذہ کی ایک فہرست ایسی بھی ہے جن کی روایات آپ نے صحیح

(۱)..... علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ امام مسلمؒ ابو غسان سے نہیں ملے، بلکہ ان کی روایات کو کسی واسطے سے نقل

کرتے ہیں اس لیے کہ ابو غسان ۲۱۹ھ میں وفات پا چکے تھے، دیکھئے سیر اعلام النبلاء ۱۲/۵۶۱۔

(۲)..... دیکھئے تذکرۃ الحفاظ ۲/۲۱۰۔

(۳)..... دیکھئے تاریخ ابن خلکان ۵/۱۹۴، جامع الاصول میں لکھا ہے کہ بغداد کا آخری سفر ۲۷۵ھ میں تھا، دیکھئے جامع الاصول ۱/۱۸۷۔

(۴)..... جامع الاصول ۱/۱۸۷۔ تہذیب الکمال ج ۲ ص ۳۹۹۔

(۵)..... آپ کے والد کا نام محمد بن حسن ہے، نیشاپور کی شرقی جانب میں سکونت پذیر تھے اس لیے ان کو ”الشرقي“ کہا جاتا ہے۔ دیکھئے سیر اعلام النبلاء ۱۵/۳۷۔



میں نہیں لی، ان حضرات میں سے ایک امام ذہلی ہیں، ان کا قصہ مشہور ہے کہ جب امام بخاریؒ نیشاپور تشریف لائے اور آپ کی تشریف آوری سے وہاں کی تمام علمی مجالس بے رونق ہو گئیں تو حسد کی آگ شعلہ زن ہوئی، حتیٰ کہ امام ذہلیؒ نے بھی مسئلہ خلق قرآن میں امام بخاریؒ سے نہ صرف یہ کہ اختلاف کیا بلکہ اپنے سبق میں اعلان کر دیا: ”الا من كان يقول بقول البخاري في مسئلة اللفظ بالقرآن فليعتزل مجلسنا“ اس اعلان کو سن کر امام مسلمؒ اور احمد بن مسلمہؒ فوراً مجلس سے اٹھے اور ان کی روایات کا پورا ذخیرہ ان کو واپس کر دیا اور امام ذہلیؒ سے روایت کرنا ترک کر دیا (۱)۔

امام مسلمؒ نے امام بخاریؒ کے ساتھ کمال حسن عقیدت و محبت کے باوجود ان سے کوئی روایت نہیں لی، اس بارے میں علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں: ”ثم ان مسلماً لحدّة في خلقه انحرف ايضاً عن البخاري، ولم يذكر له حديثاً، ولا سماه في ”صحيحه“ (۲) لیکن اس سے بہتر بات حافظ ابن حجرؒ نے کی ہے، فرماتے ہیں: ”قلت قد أنصف مسلم، فلم يحدث في كتابه عن هذا ولا عن هذا“ (۳)۔

اسی طرح علی بن الجعد (متوفی ۲۳۰ھ) علی بن المدینی (متوفی ۲۳۴ھ)، محمد بن عبد الوہاب الفراء (متوفی ۲۷۲ھ) وغیرہ بھی آپ کے اساتذہ ہیں، لیکن ان کی روایات صحیح مسلم میں نہیں ہیں۔

(۱)..... دیکھیے سیر اعلام النبلاء ۱۴/۵۷۲۔ البدایہ والنہایہ ۱۱/۳۵۔ تذکرۃ الحفاظ ۲/۵۸۹۔ تاریخ بغداد ۱۰۳/۱۳۔

(۲)..... سیر اعلام النبلاء ۱۴/۵۷۳۔

(۳)..... ہدی الساری مقدمۃ فتح الباری: ۳۹۱ (دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور پاکستان)۔

حلیہ مبارک

امام حاکم فرماتے ہیں کہ آپ دراز قد اور بہت ہی خوب رو تھے، سر اور ریش مبارک کے بال سفید تھے، عمامہ کا سر اشانوں کے درمیان لٹکائے رکھتے تھے (۱)۔

سیرت و اخلاق

آپ نے پوری زندگی میں نہ کسی کی غیبت کی، کسی کو برا بھلا کہا اور نہ کسی کو ناحق مارا (۲) اساتذہ اور مشائخ کا بے حد احترام کرتے تھے لیکن اگر کسی مسئلہ میں اساتذہ سے اختلاف ہو جاتا اس کا صاف اظہار فرماتے، چھپاتے نہیں تھے، جیسے مسئلہ خلقِ قرآن میں ہوا، علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے: ”مکان مسلم بن الحجاج یظهر القول باللفظ ولا یکتمہ“ (۳)۔

خراج عقیدت

اکابر امت نے ہمیشہ امام مسلمؒ کے علم و فضل کا اعتراف کیا ہے اور انھیں خراج عقیدت پیش کیا ہے، چنانچہ امام بخاری و مسلمؒ کے شیخ محمد بن بشرؒ فرماتے ہیں: ”دنیا میں چار حفاظ ممتاز ہیں: ابوزرعی میں، مسلم بن الحجاج نیشاپوری میں، عبد اللہ بن عبد الرحمن داری سمرقند میں اور محمد بن اسماعیل بخاری میں“ (۴) ابوزرعی رازیؒ اور ابو حاتمؒ نے ان کو اپنے

(۱)..... مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۶۰، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۵۶۶ و ۵۷۰۔

(۲)..... بستان الحدیث: ۲۸۰ (۱) (سچ ایم سعید)۔

(۳)..... سیر اعلام النبلاء ۱۲/۵۷۲۔

(۴)..... دیکھئے سیر اعلام النبلاء ۱۲/۳۲۳ و ۵۶۲، تذکرۃ الحفاظ ۲/۵۷۹۔ تاریخ بغداد ۲/۱۶۔

- زمانے کے تمام شیوخ پر فائق بتایا ہے، احمد بن سلمہؒ کہتے ہیں کہ یہ دونوں حضرات احادیث کی صحت و سقم کے بارے میں امام مسلم کو اپنے ہم عصر تمام مشائخ پر ترجیح دیتے تھے (۱) امام مسلم کے استاد اسحاق بن راہویہ نے کسی موقع پر فرمایا: ”ای رجل هذا“ ”اللہ ہی جانتا ہے کہ یہ کتنا بلند مقام حاصل کرے گا“ (۲) ابو عمر و حمدان کہتے ہیں: ”میں نے ابن عقدہ سے پوچھا امام بخاری احفظ ہیں یا امام مسلم؟ فرمایا بھائی یہ دونوں عالم ہیں، جب میں نے کئی مرتبہ یہی سوال دہرایا تو فرمایا کہ امام بخاری اہل شام کی احادیث میں کبھی غلطی کر جاتے ہیں، بایں طور کہ کبھی کسی راوی کا ذکر کرتے ہیں اور پھر دوسرے مقام پر اسی راوی کی کثیت ذکر فرماتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ یہ دو الگ الگ اشخاص ہیں، جبکہ امام مسلم ایسا نہیں کرتے“ (۳) اسحاق بن منصور نے امام مسلم کو دیکھ کر فرمایا: ”لن نعدم الخیر ما ابقاک اللہ للمسلمین“ یعنی آپ کا وجود مسلمانوں کے لیے باعثِ خیر و برکت ہے، (۴) بعد میں آنے والے علماء و مصنفین نے بھی انتہائی وقیع الفاظ میں امام مسلمؒ کا تذکرہ کیا ہے، چنانچہ حافظ ذہبیؒ متوفی ۷۴۸ھ فرماتے ہیں: ”هو الامام الكبير الحافظ المجود الحجة الصادق“ (۵) اور اپنی دوسری تصنیف تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں: ”الامام الحافظ، حجة الاسلام“ (۶) علامہ نووی فرماتے ہیں: ”انه امام لا يلحقه من بعد“ (۷) دیکھئے تذکرۃ الحفاظ ۵۸۹/۲ - سیر اعلام النبلاء ۵۶۳/۱۲ - البدایہ والنہایہ ۳۳/۱۱ - طبقات حنابلہ ۳۳۸/۱ - تاریخ بغداد ۱۰۱/۱۳ - جامع الاصول ۱۸۷ - ۱۸۸
- ۱۲ - سیر ۵۶۳/۱۲ - تذکرۃ الحفاظ ۵۸۹/۲ - تاریخ بغداد ۱۰۳/۱۳ - ۱۰۴
- ۱۳ - تہذیب التہذیب ۱۰/۱۲۸ - البدایہ والنہایہ ۳۳/۱۱ - تاریخ بغداد ۱۰۲/۱۳ - جامع الاصول ۱۸۸ - طبقات حنابلہ ۳۳۸ - ۳۳۹
- ۱۴ - دیکھئے تہذیب التہذیب ۱۰/۱۲۷، تذکرۃ الحفاظ ۵۸۸/۲ - ۵۸۹
- ۱۵ - سیر اعلام النبلاء ۱۲/۱۳ - ۵۵۷
- ۱۶ - تذکرۃ الحفاظ ۲/۵۸۸ - ۵۸۹

عصره وقل من یساویه بل یدانیہ من اهل وقته ودھرہ“ (۱)۔

وفات کا المناک واقعہ

اس بات پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ امام مسلم کی وفات ۲۶۱ھ میں ہوئی ہے ابن خلکان لکھتے ہیں کہ آپ نے بروز یکشنبہ وفات پائی اور بروز دوشنبہ نیشاپور کے باہر نصیر آباد میں دفن کئے گئے (۲) علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کی قبر زیارت گاہ بنی ہوئی ہے (۳)۔

کہا جاتا ہے کہ مجلس درس میں آپ سے کسی حدیث کے متعلق سوال کیا گیا، اتفاق سے اس وقت آپ کو یاد نہ آیا جب گھر تشریف لائے اُن کی خدمت میں کچھ کجھواریں پیش کی گئیں، آپ حدیث تلاش کرتے رہے اور خرما بھی کھاتے رہے، یہاں تک کہ حدیث مل گئی اور کجھور بھی ختم ہو گئیں، یہی واقعہ آپ کے وصال کا سبب بنا (۴) وفات کے بعد ابو حاتم رازی رحمہ اللہ نے آپ کو خواب میں دیکھا، حال پوچھا تو فرمایا ”اللہ نے اپنی جنت کو میرے لیے مباح کر دیا ہے، جہاں چاہتا ہوں پھرتا ہوں“ (۵) ابوعلی زاغونی کو کسی نے خواب میں دیکھا، پوچھا کس عمل سے آپ کی نجات ہوئی، انہوں نے صحیح مسلم کے کچھ اجزاء کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ”ان کی بدولت“ (۶)۔

(۱)..... مقدمہ شرح نووی ص ۱۲۔

(۲)..... وفیات الاعیان: ۱۳۶/۲۔

(۳)..... تذکرۃ الحفاظ: ۵۹۰/۲۔

(۴)..... دیکھئے سیر اعلام النبلاء: ۵۶۳/۱۲۔ البدایہ والنہایہ: ۳۳/۱۱۔ تہذیب التہذیب: ۱۰/۱۲۷۔ تاریخ

بغداد: ۱۰۳/۱۳۔

(۵)..... بستان المحدثین ص ۲۸۱۔

(۶)..... حوالہ بالا۔



امام مسلم رحمہ اللہ کا مسلک

امام مسلم رحمہ اللہ کے مسلک کی تعیین میں اقوال علماء کافی مختلف ہیں، علامہ انور شاہ کشمیریؒ فیض الباری میں لکھتے ہیں کہ امام مسلمؒ کا مذہب معلوم نہیں ہے اور صحیح مسلم کے تراجم سے بھی ان کے مذہب کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا، اس لیے کہ وہ تراجم دوسروں نے قائم کیے ہیں (۱) اسی طرح العرف الشذی میں فرماتے ہیں: ”أما مسلم فلا أعلم مذهبه بالتحقیق“ (۲) حضرت شاہ ولی اللہ محمدؒ دہلوی نے الانصاف میں (۳) نواب صدیق حسن خان نے المحطہ میں (۴) حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں (۵) امام مسلمؒ کو شافعی کہا ہے۔ صاحب الیانع الجنی نے لکھا ہے کہ امام مسلمؒ اصولی طور پر شافعی ہیں اور بہت کم مسائل میں انھوں نے امام شافعیؒ سے اختلاف کیا ہے (۶) علامہ ابراہیم بن شیخ عبد اللطیف سندھی فرماتے ہیں: ”کہ امام مسلم کے بارے میں عمومی خیال یہ ہے کہ آپ شافعی ہیں لیکن در حقیقت آپ مجتہد ہیں، یہ الگ بات ہے کہ اکثر مسائل میں آپ کا اجتہاد امام شافعی سے جاملتا ہے“ (۷) شیخ طاہر جزائری نے بھی لکھا ہے کہ ”آپ مقلد محض نہیں تھے، البتہ فقہ میں

(۱)..... فیض الباری ۱/۵۸۔

(۲)..... العرف الشذی مطبوع مع جامع الترمذی ۲/۱۔

(۳)..... الانصاف فی بیان سبب الاختلاف ص ۷۹-۸۰۔

(۴)..... المحطہ فی ذکر الصحاح الستہ: ۲۲۸ (پاکستان لاہور)۔

(۵)..... کشف الظنون عن اسامی الکتاب والفتون ۱/۵۵۵، بیروت۔

(۶)..... لامع الدراری ۱/۷۰۔

(۷)..... ماتمس الیہ الحاجة مطبوع مع سنن ابن ماجہ ص ۲۵، واسم کتابہ ”سحق الاغیاء

من الطاعنین فی کمل الاولیاء واتیفاء العلماء، وقال الشیخ محمد ادریس

الکاندھلوی فی تعلیقہ علی لامع الدراری: هذا الكتاب من محفوظات خزانة مدرسة

مظهر العلوم بکراتشی، انظر لامع الدراری ۱/۶۸۔



امام شافعی کی طرف مائل تھے“ (۱) اسی طرح ابن حجرؒ اور ابن اثیرؒ کے کلام سے آپ کے مجتہد ہونے کا اشارہ ملتا ہے (۲) ابن قیمؒ نے امام مسلمؒ کو حنبلی کہا ہے (۳) اور ابن ابی یعلیٰ نے بھی آپ کا ذکر طبقات حنابلہ میں کیا ہے، علامہ ابراہیم سندھی نے اتحاف الاکابر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ آپ ”مالکی مذہب پر تھے، البتہ آپ کا ذکر طبقات مالکیہ میں نہیں ملتا“ (۴)۔

تصانیف

امام مسلمؒ نے صحیح مسلم کے علاوہ بہت سی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ جن سے آپ کے علمی ذوق و مشغلہ کا اندازہ ہوتا ہے، ان کتابوں کی ایک اجمالی فہرست پیش خدمت ہے (۱) مسند کبیر (۲) الاسماء والکنی (۳) جامع کبیر (۴) کتاب العلل (۵) کتاب التسمیہ (۶) کتاب الوحدان (۷) کتاب الأقران (۸) کتاب حدیث عمرو بن شعیب (۹) کتاب الانقاع بآہب السباع (۱۰) کتاب مشائخ مالک (۱۱) کتاب مشائخ الثوری (۱۲) کتاب مشائخ شعبۂ (۱۳) کتاب الخضر مین (۱۴) کتاب أولاد الصحابة (۱۵) کتاب أوهام المحدثین (۱۶) کتاب الطبقات (۱۷) کتاب أفراد الشائکین (۱۸) کتاب سؤالات احمد بن حنبل (۱۹) کتاب من لیس له الارادواحد (۲۰) کتاب رواة الاعتبار (۵)۔

(۱)..... توجیه النظر إلی أصول الأثر ص ۱۸۵۔

(۲)..... تائمس الیہ الحاجۃ لمن یطالع سنن ابن ماجہ: ۲۶، ۲۵۔

(۳)..... دیکھئے أعلام الموقعین ۲/۲۴۲ مطبوع دار الجلیل، بیروت۔

(۴)..... تائمس الیہ الحاجۃ لمن یطالع سنن ابن ماجہ: ۲۶، ۲۵۔

(۵)..... تذکرۃ الحفاظ ۲/۵۹۰۔ مقدمہ صحیح مسلم للنووی ص ۱۲۔



وجہ تالیف صحیح مسلم

سب سے پہلے امام بخاریؒ نے احادیث صحیحہ کو یکجا کر کے صحیح بخاری کی تصنیف فرمائی، اس عمل کو دیکھ کر امام مسلمؒ کا بھی ارادہ ہوا کہ اسی عنوان سے دوسرے انداز میں احادیث صحیحہ کو جمع کریں، اس ارادے کو ان کے شاگرد احمد بن سلمہ یا ابوالحسن ابراہیم بن محمد بن سفیان (علی اختلاف القولین) کی درخواست سے مزید تقویت ملی، جیسا کہ صحیح مسلم کے شروع میں مذکور ہے اور اس وقت کے حالات کا شدید تقاضا بھی یہی تھا کہ ایسی کتاب لکھی جائے، اس لیے کہ وضعین کا بازار گرم تھا اور کچھ سادہ لوح دیندار بھی ان کے ہمنوا ہو گئے تھے۔

امام بخاری کا مقصود تخریج احادیث صحیحہ کے ساتھ ساتھ، فقہ و تفسیر اور سیرت کا استنباط بھی تھا اس لیے انہوں نے موقوف، معلق اور صحابہ و تابعین کے فتاویٰ بھی نقل کئے ہیں، لیکن امام مسلم نے استنباط مسائل سے تعرض کئے بغیر احادیث صحیحہ اور ان کے مختلف طرق یکجا کرنے کو پیش نظر رکھا، اس وجہ سے احادیث منقطعہ وغیرہ ان کی ”صحیح“ میں شاذ و نادر ہیں۔

اہتمام تالیف

امام مسلمؒ نے احادیث صحیحہ کی شناخت میں مہارت تامہ و کاملہ رکھنے کے باوجود اپنی صحیح کی تالیف میں ذاتی رائے و تحقیق پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اس فن کے جلیل القدر ائمہ کی آراء کو بھی پیش نظر رکھا، چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں: ”لیس کل شیء عندی صحیح وضعته ههنا، انما وضعت ههنا ما اجمعوا علیه“ (۱) یعنی میں نے اس کتاب میں

(۱)..... صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب التشہد۔ ج ۱ ص ۴۱۷۔

ہر وہ حدیث جو میرے نزدیک صحیح ہو، ذکر نہیں کی بلکہ ان احادیث کو ذکر کیا ہے جن کی صحت پر ائمہ فن کا اجماع ہو۔

امام مسلم کا یہ جملہ علماء کے یہاں زیر بحث رہا ہے اور باعث تشویش بنا ہے، اس لیے کہ صحیح مسلم میں کافی روایات موجود ہیں جن کی صحت میں کافی اختلاف ہے علامہ نوویؒ نے ابو عمرو بن صلاحؒ کے حوالے سے اس اشکال کے دو جواب نقل کئے ہیں۔

۱۔ مقصد یہ ہے کہ صرف ان روایات کو ذکر کریں گے جن میں (امام مسلم کے خیال کے مطابق) وہ تمام شرائط موجود ہوں جو صحت حدیث کے لیے جمع علیہا ہیں، چاہے دوسرے حضرات کے یہاں وہ حدیث ان تمام شرائط کی حامل نہ ہو۔

۲۔ یا یہ مراد ہے کہ انہوں نے کوئی ایسی حدیث اپنی ”صحیح“ میں ذکر نہیں کی جس میں ثقات کا نفس حدیث کے متن و سند دونوں میں اختلاف ہوا ہوتا، بعض رواۃ کی توثیق میں اختلاف سے قطع نظر (۱)۔

لیکن ان جوابات سے زیادہ دلنشین توجیہ وہ ہے جو حضرت علامہ عثمانیؒ نے فتح الملہم میں کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ”یہاں اجماع سے اجماع عام مراد نہیں بلکہ امام مسلم کے چار شیوخ احمد بن حنبل، ابو زرعہ رازی، یحییٰ بن معین، ابو حاتم رازی کا اجماع مراد ہے“ (۲) لہذا کوئی اشکال نہیں رہا البتہ یہ بات قابل ذکر ہے کہ علامہ عثمانیؒ نے مقدمہ فتح الملہم میں ابو حاتم اور ابو زرعہ کے بجائے عثمان بن ابی شیبہ اور سعید بن منصور کا نام ذکر کیا ہے جو بظاہر پہلے قول سے متعارض نظر آتا ہے لیکن یہ کوئی تعارض نہیں بلکہ دونوں اقوال جمع ہو سکتے ہیں تو گویا چھابرا کا اجماع مراد ہوگا، علامہ سیوطیؒ نے بھی تدریب الراوی میں عثمان بن ابی

(۱)..... مقدمہ نووی ص ۵۔ علوم الحدیث لابن الصلاح۔ ص ۲۰ (دار الفکر)۔

(۲)..... فتح الملہم ۲/۳۳ و ذکرہ فی المقدمة ایضاً ص ۱۵۳۔

شیبہ اور سعید بن منصور کے نام کے بجائے ابو حاتم اور ابو زرعمہ نقل کئے ہیں (۱) ابن الشرقي کا بیان ہے کہ میں نے امام مسلم سے سنا، وہ فرمایا کرتے تھے: ”ما وضعت شیئا فی کتابی هذا المسند الا بحجة وما اسقطت منه شیئا الا بحجة“ (۲) مکی بن عبدان کہتے ہیں کہ ”امام مسلمؒ نے کتاب کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے بعد اس کو حافظ ابو زرعمہ کی خدمت میں پیش کیا اور جس روایت کے بارے میں کسی علت کی طرف اشارہ کیا اسے کتاب سے خارج کر دیا“ (۳)۔

زمانہ تالیف

احمد بن سلمہ فرماتے ہیں: ”کت مع مسلم فی تالیف ”صحیحہ“ خمس عشرة سنة“ (۴) پندرہ سال تک میں صحیح مسلم کی ترتیب و تالیف میں امام مسلم کے ساتھ شریک رہا، اسی طرح امام مسلم کے خاص شاگرد ابو الخلیق ابراہیم بن محمد بن سفیان کا بیان ہے کہ ۲۵۷ھ میں اس کتاب کی قراءت سے فراغت پائی (۵) یعنی امام مسلم کے انتقال سے کافی پہلے کتاب مکمل ہو چکی تھی۔

(۱)..... تدریب الراوی ۱/ ۹۸ (المکتبة العلمیة بالمدينة المنورة)۔

(۲)..... دیکھئے تذکرۃ الحفاظ ۲/ ۵۹۰۔

(۳)..... سیر اعلام النبلاء ۱۲/ ۵۶۸۔ مقدمہ نووی: ۱۵۔

(۴)..... سیر اعلام النبلاء ۱۲/ ۵۶۶۔ علامہ نووی نے مقدمہ میں ست عشر سنہ نقل کیا ہے دیکھئے مقدمہ

نووی مطبوع مع المسلم ص ۱۴۔

(۵)..... دیکھئے نوائد جامعہ برعجلہ تافہ ص ۶۷ رقم الترجمہ ۲۷۳۔ مطبوع نور محمد کتب خانہ کراچی۔



تعداد روایات

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”صنفت هذا ”المسند الصحيح“ من ثلاث مائة الف حديث مسموعة“ (۱) احمد بن سلعہ کا قول ہے کہ اس میں بارہ ہزار حدیثیں ہیں (۲) ابو حفص میانجی فرماتے ہیں کہ اس میں آٹھ ہزار احادیث ہیں، شیخ طاہر جزائری اور شیخ ابن صلاح، امام سیوطی اور محی الدین نووی کے نزدیک مکررات کے علاوہ بنیادی حدیثیں چار ہزار ہیں (۳) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں، کہ یہ قول قابل اشکال ہے (۴) لیکن درحقیقت دونوں کے درمیان کوئی تضاد نہیں ہے، ہو سکتا ہے کہ شمار دونوں کے نزدیک مختلف رہا ہو، حال ہی میں مصر کے ایک عالم محمد فؤاد عبدالباقی نے صحیح مسلم کی شروع سے آخر تک تمام احادیث پر رقم لگائے تو ان کی تعداد بغیر مکررات کے ۳۰۳۳ تھی (۵)۔

تراجم و ابواب

یہ طے شدہ بات ہے کہ امام صاحب نے صحیح کے لیے تراجم قائم نہیں فرمائے اس وجہ سے کہ کہیں حجم کتاب زیادہ نہ ہو جائے یا یہ مقصد تھا کہ کتاب کے اندر سوائے صحیح احادیث کے کوئی خارجی بات نہ آئے۔

(۱)..... تاریخ بغداد ۱۳/۱۰۱- وفیات الاعیان ۵/۱۹۳- سیر اعلام النبلاء ۱۲/۵۶۵ تذکرۃ الحفاظ ۲/۵۸۹۔

مقدمہ نووی: ۱۵۔

(۲)..... سیر اعلام النبلاء ۱۲/۵۶۶- تذکرۃ الحفاظ ۲/۵۸۹۔

(۳)..... الکت علی کتاب ابن الصلاح ۱/۲۹۶- تدریب الراوی: ۱۰۴۔

(۴)..... الکت ۱/۲۹۶۔

(۵)..... دیکھئے محولہ بالا۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ امام مسلمؒ نے اگرچہ تراجم قائم نہیں فرمائے لیکن تراجم کا لحاظ کرتے ہوئے صحیح کی ترتیب دی ہے، چنانچہ بعد کے آنے والے اہل علم حضرات نے تراجم قائم کرنے کی کوشش کی ہے جن میں سے بعض مناسب اور بعض غیر مناسب ہیں، علامہ نوویؒ نے یہ بھی فرمایا کہ میں بہتر تراجم قائم کرنے کی کوشش کروں گا (۱) لیکن علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ اس جلیل القدر امام کے شایان شان تراجم قائم نہیں کئے جاسکے، ہو سکتا ہے کہ اللہ اپنے کسی بندہ کو اس کی توفیق دے تاکہ کما حقہ تراجم قائم کرے (۲)۔

کیا صحیح مسلم جامع ہے؟

”جامع“، اصطلاح محدثین میں حدیث کی اس کتاب کو کہا جاتا ہے جس میں اصناف ثمانیہ موجود ہوں۔ جنہیں علامہ شیریؒ نے اس شعر میں جمع کر دیا ہے۔

سیر و آداب، تفسیر و عقاید

رفاق و احکام، اشراط و مناقب (۳)

اس تعریف کے پیش نظر حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے فرمایا کہ مسلم کو جامع نہیں کہا جائے گا، اس لیے کہ اس میں تفسیری روایات بہت کم ہیں (۴) ان کے مقابلے میں مؤلف قاموس شیخ مجد الدین شیرازی (متوفی ۸۰۶ھ یا ۸۰۷ھ) استاد ابن حجر نے صحیح کو جامع کہا ہے، اپنے ایک شعر میں فرماتے ہیں:

(۱)..... دیکھئے شرح النووی مطبوع مع الصحیح ۱/۱۵۔

(۲)..... فتح البہیم ۱/۲۷۸۔

(۳)..... معارف السنن ۱/۱۸۔

(۴)..... بحوالہ تانہ: ۱۵۸۔



”ختمت بحمد اللہ جامع مسلم

بحوف دمشق الشام جوف الاسلام“ (۱)

ملا علی قاری نے بھی شرح مشکوٰۃ میں مسلم کو جامع کہا ہے۔ لکھتے ہیں۔

”وله مصنفات جلیلة غیر جامعہ“ (۲)۔

حاجی خلیفہ نے بھی کشف الظنون میں حرف الجیم میں مسلم کو جامع لکھا

ہے: ”الجامع الصحيح۔ للإمام الحافظ أبی الحسین مسلم بن الحجاج“ (۳)۔

علامہ شبیر احمد عثمانی اور نواب صدیق حسن خان نے بھی حضرت شاہ صاحب کی

رائے سے اختلاف کیا ہے اور فرمایا ہے کہ مسلم جامع ہے (۴)۔

باقی قلت روایات تفسیر یہ کا ایک جواب یہ ہے کہ روایات تفسیر یہ کم ہی ہیں اور

بخاری میں جو بظاہر زیادہ نظر آتی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ بخاری میں تکرار احادیث اور اقوال

لغو یہ بکثرت موجود ہیں، اسی طرح آثار موقوف بھی کافی ہیں جن سے امام مسلم بہت پرہیز

کرتے ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ تفسیر میں جتنی روایات مرفوعہ مندر ہیں ان کی کافی تعداد

مسلم میں موجود ہے البتہ وہ اپنے اپنے مقام پر پھیلی ہوئی ہیں۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ احادیث تفسیر یہ کم ہونا جامع ہونے کے منافی نہیں ہے،

کیونکہ جامع سفیان ثوری اور جامع سفیان بن عیینہ بالاتفاق اسلام کی اولین جوامع میں شمار

کی جاتی ہیں، حالانکہ ان میں تفسیر کی روایات بہت کم ہیں، علامہ کتانی لکھتے ہیں: ”تم

(۱)..... دیکھئے مقدمہ تاج العروس: ۱/۱۳ (منشورات دار مکتبۃ الحیاء، بیروت)

(۲)..... مرقاۃ المفاتیح/ ۱۷ (ملتان، پاکستان)۔

(۳)..... کشف الظنون/ ۱/ ۵۵۵۔

(۴)..... الخطۃ: ۷۲۔ فتح الملہم/ ۱/ ۲۹۳۔

جامع سفیان الثوری و سفیان بن عیینہ فی السنن والآثار و شیء من التفسیر
فہذہ الخمسة اول شیء وضع فی الاسلام“ (۱)۔

خصوصیات صحیح مسلم

عموماً مصنف کی کوشش و خواہش یہ ہوتی ہے کہ اس کی کتاب ایسی خوبیوں سے
آراستہ ہو جن سے دیگر مصنفین کی کتابیں خالی ہوں، صحیح مسلم میں بھی ایسی کئی امتیازی
خصوصیات ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں۔

(۱) صحیح مسلم سے استفادہ بہت ہی آسان ہے، چونکہ امام مسلمؒ ہر حدیث کو اس
کے مناسب مقام پر بیان فرماتے ہیں اور پھر اسی جگہ پر اس حدیث کے متعدد طرق اور مختلف
الفاظ کو ذکر کر دیتے ہیں بخلاف امام بخاریؒ کے کہ وہ روایات میں تقدیم و تاخیر، حذف
اور اختصار کرتے رہتے ہیں، جس سے بعض مرتبہ تعقید پیدا ہو جاتی ہے (۲)۔

(۲) تفاوتِ الفاظ کی نشاندہی، یعنی اگر کسی کے پاس کوئی روایت دو یا اس سے
زیادہ راویوں سے پہنچی ہے جس کا مضمون ایک، لیکن الفاظ مختلف ہوں تو اس کے لیے جائز
ہے کہ دونوں کو ایک سند میں جمع کر کے ایک راوی کے الفاظ کو بیان کرے، لیکن بہتر طریقہ یہ
ہے کہ جس سند سے جو لفظ سنا ہے اس کی تعیین کرے، امام مسلمؒ نے اسی افضل صورت کو
اختیار کیا ہے، مثلاً فرماتے ہیں: ”حدثنا فلان وفلان واللفظ فلان“۔

(۳) دفع التباس: کبھی یہ ہوتا ہے کہ ایک طبقہ میں ایک ہی نام کے متعدد راوی
ہوتے ہیں تو امتیاز کے لیے نسب یا نسبت کا اضافہ کرنا پڑتا ہے یا کبھی کسی لفظ کی تشریح کی

(۱)..... الرسالة المستطرفة: ۹۔ تفصیل کے لیے دیکھئے فتح الملہم ۱/۲۹۳۔

(۲)..... الملک علی کتاب ابن الصلاح ۱/۲۸۳، جواز اختصار حدیث کے لیے دیکھئے الباعث الحثیث: ۱۲۱۔

ضرورت پڑتی ہے، شیخین (بخاری و مسلم) نے اس بات کا التزام کیا ہے، چنانچہ روایت نقل کرتے وقت وہ ایسے لفظ کا اضافہ کر دیتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ توضیح و تشریح ان کی طرف سے ہے شیخ کے الفاظ نہیں ہیں، مثلاً ”حدثنا عبد اللہ بن سلمة حدثنا سليمان یعنی ابن بلال عن يحيى وهو ابن سعيد“ یعنی ابن بلال اور وهو ابن سعيد کا اضافہ اسی نکتہ کے پیش نظر کیا گیا ہے۔

(۴) حدثنا اور اخبرنا میں فرق: محدثین کے یہاں تدریس کے دو طریقے ہیں ایک یہ ہے کہ استاد پڑھے اور شاگرد سنے۔ دوسرا اس کے برعکس ہے، امام مسلم کا مذہب یہ ہے کہ حدثنا کا اطلاق اس صورت پر ہوتا ہے جب کہ شاگرد استاد سے سنے اور اخبرنا جب کہ شاگرد استاد کو سنائے اور استاد سنے، باقی اخبرنا کا اطلاق حدثنا پر یا حدثنا کا اطلاق اخبرنا پر جائز نہ ہوگا، یہی مذہب ہے امام شافعی، ابن جریج، اوزاعی، ابن رجب اور جمہور اہل شرق کا، امام بخاری کے یہاں یہ فرق نہیں ہے اور ان کے ساتھ زہری، مالک، سفیان بن عیینہ اور یحییٰ بن معین بھی ہیں (۱) بہر حال ظاہر ہے کہ کمال احتیاط امام مسلمؒ کے طریقے میں ہے۔

(۵) قلت آثار و تعلیقات: امام مسلمؒ چونکہ استنباط مسائل سے تعرض نہیں کرتے اس لیے آثار موقوفہ اور تعلیقات بہت ہی شاذ و نادر ملتے ہیں اور وہ بھی تبعاً اور استصحاباً بخلاف امام بخاریؒ کے۔

(۶) ضبط اسماء: امام بخاریؒ سے اہل شام کی روایات میں کبھی تسامح ہو جاتا ہے اور ایک ہی راوی کے نام و کنیت کو دو آدمی سمجھ لیتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو اہل شام کی روایات بطریق مناولہ ملی ہیں، امام مسلمؒ کو یہ مغالطہ نہیں ہوتا (۲)۔

(۱)..... تفصیل کے لیے دیکھئے مقدمہ شرح النووی مطبوع مع صحیح مسلم ۱/۱۵۔

(۲)..... تذکرۃ الحفاظ ۲/۵۸۹۔



(۷) روایت باللفظ: امام صاحب نے چونکہ اپنی کتاب اپنے شہر میں تصنیف کی اور اس وقت ان کے بہت سے شیوخ زندہ تھے، اس لیے الفاظ کے سیاق و سباق میں نہایت غور و فکر سے کام لیا ہے اور روایت بالمعنی کے بجائے روایت باللفظ فرماتے ہیں، امام بخاریؒ نے چونکہ اپنی کتاب کی تصنیف مختلف بلاد و امصار میں فرمائی ہے اور اکثر و بیشتر اپنے حافظہ پر اکتفا فرمایا ہے جس سے بعض مرتبہ استاد کے الفاظ چھوٹ جاتے ہیں (۱)۔

(۸) احادیث کے بعض مجموعے ایسے ہیں جن میں ایک ہی سند سے کئی روایات ہیں، جیسے صحیفہ ہمام بن منبہ وغیرہ، اس میں سے حدیث اول کے علاوہ کوئی دوسری حدیث روایت کرنی ہو تو اس کے لیے محدثین کے یہاں دو طریقے ہیں، ایک یہ کہ جب پہلی حدیث کے ساتھ سند بیان کر دی جائے تو باقی احادیث میں سند بیان کرنے کی ضرورت نہیں، فقط ”وبالاسناد السابق“ کہنا کافی ہے، عموماً عمل اسی پر ہے اور کعب بن جراح، سکی بن معین، ابوبکر اسماعیلی رحمہ اللہ وغیرہ کا یہی قول ہے، دوسرا احوط طریقہ یہ ہے کہ ہر حدیث کے ساتھ سند بیان کی جائے، ابو الخلیف اسفرائینی جو اصول حدیث کے مسلم امام ہیں اسی کو ترجیح دیتے ہیں، امام مسلم نے بھی اسی احوط طریقے کو اختیار فرمایا ہے مثلاً ”حدثنا محمد بن رافع حدثنا عبد الرزاق اخبرنا معمر عن همام بن منبه قال هذا ما حدثنا ابو هريرة وذكر احاديث منها وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اول زمرة تلج الجنة صورهم على صورة القمر ليلة البدر“ (۲)۔

اس باب میں امام بخاریؒ کا طریقہ یہ ہے کہ جب کسی صحیفے سے روایت لانا چاہتے ہیں تو پہلے اس صحیفہ کی حدیث اول مع سند بیان کرتے ہیں پھر اپنے مقصد کی (۱)..... امام بخاریؒ فرماتے ہیں: ”رب حديث سمعته بالبصرة ككتبه بالشام ورب حديث سمعته

بالشام ككتبه بمصر“، تاریخ بغداد ۲/۱۱، الکنت علی کتاب ابن الصلاح ۱/۲۸۳۔

(۲)..... صحیح مسلم ج ۲/ص ۳۷۹ کتاب الجنة وصفة نعيمها واهلها۔

حدیث لاتے ہیں تو دیکھنے والا حیران رہ جاتا ہے کہ ان دونوں احادیث میں کیا ربط ہے، بات وہی ہے کہ پہلی حدیث سے دوسری حدیث کی سند کی طرف اشارہ ہے۔

صحیح مسلم کی شرائط

(۱) حدیث صحیح لذاتہ: حدیث صحیح کی شرط یہ ہے کہ اس کی سند متصل ہو، راوی عادل و ضبط ہو اور حدیث شذوذ و علل سے پاک ہو، امام مسلمؒ سب سے پہلے حدیث ”صحیح لذاتہ“ کو لیتے ہیں اور کبھی استثنا دیا اصالۃ ”حسن لعینہ“ کو بھی لیتے ہیں، اس کی تفصیل آئے گی۔

(۲) حدیث متفق الصحۃ: اس کے بارے میں ہم امام مسلمؒ کا قول نقل کر چکے ہیں۔ ”انما وضعت ہینا ما اجمعوا علیہ“۔ اس پر تفصیلی گفتگو گزر چکی ہے۔

(۳) امام مسلمؒ نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں احادیث کی تین قسمیں اور راویوں کے تین طبقے قرار دیئے ہیں۔

۱۔ وہ احادیث جو بالکل صحیح ہوں اور ان کے راوی ضبط و اتقان کے اعلیٰ معیار پر ہوں۔

۲۔ وہ احادیث جن کے راوی حفظ و اتقان میں درجہ اول کے رواۃ سے فروتر ہیں، باقی صداقت اور علم حدیث کے ساتھ وابستگی کے لحاظ سے وہ درجہ اول سے کم نہیں ہیں۔

۳۔ وہ احادیث جن کے رواۃ کو اکثر محدثین نے مردود قرار دیا ہو، امام مسلمؒ فرماتے ہیں کہ ہم پہلے اور دوسرے طبقے کی احادیث ذکر کریں گے اور تیسرے طبقہ کی روایات ذکر نہیں کریں گے (۱)۔

امام مسلمؒ کے مقصد میں علماء کا اختلاف ہے، حاکم اور بیہقی کا خیال یہ ہے کہ امام صاحب کا ارادہ تھا کہ متعدد کتابیں تصنیف فرما کر ایک کتاب میں پہلی قسم کی روایات لائیں گے پھر دوسری کتاب میں دوسری قسم کی روایات اور تیسری قسم کے لیے کوئی تصنیف نہیں فرمائیں گے، اس سلسلے میں انہوں نے پہلی کتاب تصنیف فرمائی اور دوسری کتاب لکھنے سے پہلے آپ کا انتقال ہو گیا (۱) قاضی عیاض صاحب فرماتے ہیں کہ دراصل رواۃ کی چار قسمیں ہیں، تین جو مذکورہ ہیں اور چوتھی قسم میں وہ رواۃ داخل ہیں جن کو بعض علماء نے معتبر اور بعض نے غیر معتبر کہا ہے، گویا کل چار طبقے ہو گئے اور جس کو امام مسلم نے طبقہ سوم کہا ہے وہ طبقہ چہارم میں آئے گا، اس کے بعد قاضی صاحب نے فرمایا کہ صحیح مسلم میں تینوں طبقات کی احادیث موجود ہیں بائیں طور کہ طبقہ اول کی احادیث کو اصالة ذکر کرتے ہیں پھر توضیح و تشریح کے لیے طبقہ دوم کی احادیث کو لاتے ہیں اور اگر کبھی طبقہ اول کی احادیث نہ مل سکے تو طبقہ دوم کے احادیث کو اصالة لاتے ہیں، اسی طرح طبقہ سوم یعنی جو مختلف فیہ رواۃ ہیں ان کی روایات کو بھی لاتے ہیں، باقی طبقہ چہارم جو کتاب کے اعتبار سے طبقہ سوم ہے ان کی روایات بالکل ترک دیتے ہیں (۲) بعض حضرات نے یہ سمجھا کہ قاضی صاحب کا مقصد یہ ہے کہ کتاب کے اعتبار سے جو تین طبقے ہیں ان کی روایات ذکر کریں گے۔ حالانکہ اس میں تیسرا طبقہ جائیل کا ہے، لہذا ان کو قاضی صاحب کی عبارت پر اشکال ہوا لیکن درحقیقت تفصیل وہی ہے جو ہم نے بیان کی۔

حافظ صاحب، قاضی عیاض کی توجیہ کو رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اصل اختلاف اس میں ہے کہ جس طرح پہلے طبقے کی روایات اصالة لیتے ہیں چاہے وہ مفرد ہی کیوں نہ

(۱)..... دیکھئے مقدمہ شرح نووی: ۱۵۔

(۲)..... مقدمہ شرح نووی: ۱۵۔

ہو، کیا اسی طرح دوسرے طبقے کی روایات بھی لیتے ہیں؟ جواب ظاہر ہے کہ طبقہ ثانیہ کی روایات متفردہ کو نہیں لیتے، قاضی عیاض کو مغالطہ ہوا اور انہوں نے سمجھا کہ گفتگو مطلقاً ذکر روایات میں ہو رہی ہے کہ کیا طبقہ ثانیہ کی روایات اس کتاب میں مذکور ہیں یا نہیں؟ البتہ یہ الگ بات ہے کہ کبھی طبقہ ثانیہ کی روایات کو بوقتِ تعدد طرق یا بطور استشہاد کے لاتے ہیں، حافظ صاحب آگے لکھتے ہیں: ”ولو كان يخرج جميع احاديث اهل القسم الثاني في الاصول بل وفي المتابعات لكان كتابه اضعاف ما هو عليه“ (۱)۔

البتہ یہ اشکال باقی رہتا ہے کہ امام مسلم طبقہ سوم یعنی مختلف فیہ رواۃ کی روایات کو کیوں ذکر کرتے ہیں، اس کے مختلف جوابات ہیں:

(۱) امام مسلم ان کی احادیث استشہاداً، توضیح و تشریح کے لیے لاتے ہیں، اصالةً نہیں لاتے ہاں اگر کسی جگہ طبقہ اول کی احادیث نہ ملیں تو پھر اصالةً ذکر کرتے ہیں۔

(۲) بہت سے راوی اخیر عمر میں ضعف حفظ میں مبتلا ہوتے ہیں جس کی وجہ سے بعض لوگوں نے ان کو ضعیف کہا ہے، امام مسلم نے اختلاط اور خرابی حافظہ سے پہلے ان کی احادیث کا انتخاب کیا ہے، مثلاً احمد بن عبد الرحمن جو رجال مسلم میں سے ہیں ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ۲۵۰ھ کے بعد ان کے حافظہ میں تغیر آیا تھا، حالانکہ ۲۵۰ھ میں امام صاحب مسلم کی تصنیف سے فارغ ہو چکے تھے (۲)۔

(۱).....الکت علی کتاب ابن الصلاح: ۱/۴۳۴۔

(۲).....قال عبدالرحمن بن ابي حاتم: "سمعت ابي يقول: كتبنا عنه وامره مستقيم ثم خلط بعد، وقال ابي عبد الله محمد بن يعقوب: ان ابن اخي ابن وهب (احمد بن عبدالرحمان) ابتلى بعد خروج مسلم من مصر ونحن لانشك في اختلاطه بعد الخمسين" انظر تهذيب الكمال مع التعليق: ۱/۳۸۸-۳۸۹ وقال ابن الصلاح: "والحكم فيهم (اي فيمن خلط في آخر عمره من الثقات) انه يقبل حديث من اخذ عنهم قبل الاختلاط ولا يقبل حديث من اخذ عنهم بعد الاختلاط او اشكل امره فلم يدر هل اخذ عنه قبل الاختلاط او بعده، وقال ايضا: واعلم من كان من هذا القبيل محتاجا بروايته في الصحيحين او احد هما فلانا نعرف على الحيلة ان ذلك مما تميز وكان مأخوذاً عنه قبل الاختلاط" انتهى مقدمة ابن الصلاح: ۱۹۷۔



(۳) جرح مبہم کا اعتبار نہیں جب تک کہ اس کی تفصیل نہ کی جائے۔

(۴) امام مسلم خود اس فن کے امام ہیں دوسروں کا قول ان پر حجت نہیں، نیز وہ فرماتے ہیں کہ میں اس کتاب میں مجمع علیہ روایات بیان کروں گا پھر آخر میں حافظ البوزرعہ کی طرف سے تائید و تصدیق بھی ہوگئی، تو ان تمام باتوں کے بعد کسی کا اعتراض معتبر نہ ہوگا۔ (۱)

(۵) اتقان راوی: یعنی راوی ایسے ہوں جو کہ حافظ و متقن ہوں لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ یہ شرط لازمی نہیں ہے۔

(۶) ضبط اور ملازمۃ الشیخ کے اعتبار سے رواقہ کے پانچ طبقے ہیں (۱) کامل الضبط کثیر الملازمۃ (۲) کامل الضبط قلیل الملازمۃ (۳) ناقص الضبط کثیر الملازمۃ (۴) ناقص الضبط قلیل الملازمۃ (۵) ضعفاء و مجاہیل، امام مسلم پہلے اور دوسرے طبقہ کو استیعاباً ذکر کرتے ہیں اور تیسرے طبقہ کو کبھی کبھار استشہاداً لاتے ہیں۔

(۷) وضعین کی احادیث صحیح مسلم میں نہیں ہیں، امام مسلم خود فرماتے ہیں:

”فاما ما كان منها عن قوم هم عند اهل الحديث متهمون، او عند

الاكثر منهم، فلنسنا نشاغل بتخريج حديثهم“ (۲)

(۸) منکر روایات بھی صحیح مسلم میں نہیں ہیں، امام مسلم فرماتے ہیں:

”وكذلك من الغالب على حديثه المنكر او الغلط، امسكنا أيضاً عن

حديثهم“ (۳)

(۱)..... مقدمہ شرح النووی: ۱۶۔

(۲)..... مقدمہ صحیح مسلم ص ۳۔

(۳)..... حوالہ بالا۔



حدیث معنعن

مناسب ہے کہ صحیح مسلم کے شرائط کے تحت حدیث معنعن کی تفصیل ذکر کی جائے (۱) حدیث معنعن وہ حدیث ہے جس میں راوی لفظ ”اخبار“، ”تحدیث“، یا ”سماع“ کے بجائے لفظ ”عن“ ذکر کرے جس میں سماع اور عدم سماع دونوں احتمال ہیں، ایسی حدیث کو اتصال پر حمل کیا جائے گا یا انقطاع پر؟۔

ایک صورت یہ ہے کہ معنعن اور معنعن عنہ یعنی راوی اور مروی عنہ کی عدم ملاقات ثابت ہو، بایں طور کہ دونوں بمعصر نہ ہوں یا بمعصر تو ہوں، لیکن دوسرے دلائل اور قرائن سے ان کا عدم لقاء ثابت ہو، ایسی صورت میں وہ روایت بالاتفاق منقطع ہوگی، دوسری صورت یہ ہے کہ راوی اور مروی عنہ کا زمانہ ایک ہو یعنی امکان لقاء موجود ہو اور عدم لقاء کی کوئی دلیل سامنے نہ آئی ہو، لیکن راوی مدلس ہو تو اس کی روایت بالاتفاق ناقابل اعتبار ہو گی اور اگر راوی مدلس نہ ہو تو اس میں اختلاف ہے۔

۱۔ ایسے راوی کی تمام روایات اتصال پر محمول ہیں، اگرچہ ثبوت لقاء کی کوئی دلیل موجود نہ ہو یہ مذہب امام مسلم کا ہے اور بقول ان کے جمہور اسی طرف ہیں۔

۲۔ حدیث معنعن اتصال پر محمول ہوگی اس شرط کے ساتھ کہ راوی اور مروی عنہ کم از کم ایک بار لقاء ثابت ہو، یہ مذہب امام بخاری اور ان کے استاد علی بن المدینی رحمہما اللہ کا ہے، اس مذہب کے بارے میں دو باتیں سمجھنے کی ہیں۔

ایک یہ کہ امام بخاری بنفس صحت کے لیے یہ شرط نہیں لگاتے بلکہ اپنی صحیح میں اس شرط کی رعایت کرتے ہیں (۲)۔

(۱)..... مزید تفصیل کے لیے دیکھئے شرح مسلم للنووی: ۲۳ و تدریب الراوی للسیوطی: ۲۱۴/۱ و فتح الملہم: ۱۴۳/۱۔

(۲)..... دیکھئے اختصار علوم الحدیث از ابن کثیر: ۱۸۔



البتہ حافظ ابن حجرؒ نے اس قول سے اختلاف کیا ہے لکھتے ہیں: ”ادعی بعضهم ان البخاری انما التزم ذلك في جامعه لافي اصل الصحة، وأخطأ في هذا الدعوى، بل هذا شرط في أصل الصحة عند البخاری، فقد أكثر من تعليل الأحاديث في تاريخه بمجرد ذلك“ (۱)۔

دوسری بات جس کی تصریح حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے فرمائی ہے یہ ہے کہ یہ حضرات صرف لقاء مرثۃ کی شرط لگاتے ہیں، سماع حدیث کی شرط نہیں لگاتے البتہ امام ابو زرہؒ لقاء کے ساتھ سماع حدیث کی بھی شرط لگاتے ہیں۔

۳۔ ثبوت لقاء کے ساتھ ادراک بین بھی ضروری ہے یہ امام قابی کی رائے ہے
۴۔ ابو مظفر سمرعانی کہتے ہیں کہ طول صحبت بھی ضروری ہے۔

۵۔ ابو عمرو دانی مقری وغیرہ کے یہاں راوی کا مروی عنہ سے معروف بالروایۃ ہونا بھی لازمی ہے۔

۶۔ دوسرے بعض حضرات کا کہنا ہے کہ حدیث معین مطلقاً منقطع ہے، چاہے لقاء ثابت ہی کیوں نہ ہو، عام طور پر یہی چھ مذاہب مشہور ہیں البتہ امام ابو زرہؒ کے قول کو ملا کر سات بن جائینگے۔

اصل اختلاف امام بخاری اور امام مسلمؒ کے درمیان ہے، امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ اگر سماع کی شرط نہ لگائی جائے تو روایت میں انقطاع کا احتمال باقی رہتا ہے، جب ایک مرثبہ لقاء ثابت ہو جائے تو سماع احادیث کا احتمال قوی ہو جائے گا اور ان مسائل میں ظن غالب ہی پر فیصلے کیے جاتے ہیں، یہ ظن غالب نفس معاشرت سے حاصل نہیں ہو سکتا، امام مسلمؒ نے ایک بات یہ فرمائی کہ یہ قول تمام سلف کی رائے سے ہٹ کر ایک نیا اور مستحدث



مذہب ہے، علماء متقدمین نے اتصالِ سند کے لیے نفسِ معاصرت مع امکان اللقاء کو کافی سمجھا ہے، پھر امام مسلم نے اپنی اس بات کو ثابت کرنے کے لیے مقدمہ کے آخر میں بہت سی احادیث پیش کی ہیں جو کہ معنعن ہیں، لیکن محدثین نفسِ معاصرت کی وجہ سے ان کو قبول کرتے ہیں، دوسری بات امام مسلم نے یہ فرمائی کہ جس فائدہ اور نکتہ کے پیش نظر یہ شرط لگائی جا رہی ہے اس شرط کی موجودگی میں بھی وہ فائدہ حاصل نہیں ہوتا یعنی اس شرط کے باوجود احتمال انقطاع باقی رہتا ہے، اس لیے کہ ہو سکتا ہے راوی نے کچھ احادیث مروی عنہ سے سنی ہوں پھر باقی احادیث مروی عنہ سے سنے بغیر ”عن“ کے ساتھ راویت کی ہوں لہذا فریق مخالف کو چاہیے کہ صرف ان احادیث کو قبول کرے جن میں سماع ثابت ہو، اس صورت میں بڑی خرابی یہ لازم آئے گی کہ ذخیرہ احادیث کا ایک معتد بہ حصہ ناقابل اعتبار ہو جائے گا، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: ”من حکم علی المعنعن بالانقطاع مطلقاً شدد و بلیہ من شرط طول الصحبة و من اکتفی بالمعاصرة سهل و الوسط الذی لیس بعده الا التعنت، مذهب البخاری“ پھر امام مسلم کے دوسرے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ صورت جو آپ نے بیان کی، تدلیس کی ہے اور مدلس کا عنعنہ بالاتفاق قبول نہیں مسئلہ مفروضہ تو غیر مدلس راوی میں ہے۔

امام نوویؒ نے امام صاحب کی پہلی بات کو رد کرتے ہوئے فرمایا کہ ”جمہور علماء امام مسلمؒ کی اس رائے سے اختلاف کرتے ہیں اور ان کا مذہب وہی ہے جسے امام بخاریؒ نے اختیار کیا ہے“، لیکن علامہ نوویؒ کا کہنا کہ جمہور امام مسلمؒ کے مذہب کے خلاف ہیں، کم وزن بات ہے، جب علم حدیث کے ایک مسلم امام نے واضح اور بہت سخت الفاظ میں اجماع کا دعویٰ کیا ہے اس کو رد کرنا مناسب نہ ہوگا۔



مخاطب کون ہے؟

مشہور ہے کہ امام مسلمؒ نے اس مسئلہ کے شروع میں جو تند و تیز لہجہ استعمال فرمایا ہے اس کے مخاطب براہ راست امام بخاریؒ ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اپنے استاد کے متعلق ایسی باتیں کہنا تو خلافِ ادب ہے؟۔

اس بارے میں جوابات و توجیہات کافی ہیں، البتہ بہتر بات حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی ہے کہ امام مسلمؒ جس مذہب پر رد فرما رہے ہیں وہ یقیناً امام بخاری کی رائے ہے لیکن امام بخاریؒ کا مذہب امام مسلمؒ کو پہنچا نہیں تھا تو گویا وہ براہ راست امام بخاری پر رد نہیں کر رہے ہیں، بلکہ کچھ اور لوگوں پر رد کر رہے ہیں جن کے نام تاریخ میں محفوظ نہیں ہیں۔ حضرت کے الفاظ یہ ہیں ”الظاهر انه لم يقصد الا احقاق ما هو حق عنده ورد ما بلغه من قول بعض العلماء الا انه لم يسمعه ممن هو علم في العلم او امام في الحديث والا لما اقدم على مثل هذه الالفاظ وانما بلغه هذا القول ممن ليس له كثير اعتداد في أصحاب العلوم“ (۱)۔

رِوَاةِ مُسْلِم

صحیح مسلم کی روایت کا سلسلہ دو طریق سے قائم رہا ہے ایک ابوالحسن ابراہیم بن محمد بن سفیان کے طریق سے جو امام مسلم کے خاص تلامذہ میں سے ہیں، امام مسلم کے دوسرے شاگرد ابو محمد احمد بن علی قلانی سے بھی صحیح مسلم کی روایت کی گئی ہے لیکن اس کا سلسلہ حدود مغرب تک منحصر رہا اور آگے نہ بڑھ سکا، البتہ ابراہیم نیشاپوری کی روایت کو

(۱)..... دیکھئے اہل الفہم الصحیح مسلم ص ۲۰ مطبوع مکتبۃ الشیخ کراچی۔

قبولیت عامہ حاصل ہوئی۔ (۱)۔

ضروری تنبیہ

جاننا چاہیے کہ امام صاحب کے دونوں شاگردوں نے صحیح مسلم بالاستیعاب امام صاحب سے نہیں سنی، ابو محمد قلانی نے مسلم کے آخری تین جزء جو ”حدیث الکف“ سے شروع ہوتے ہیں امام صاحب سے براہ راست نہیں سنے، اسی طرح ابراہیم بن محمد بن سفیان سے تین مقامات کا سماع چھوٹ گیا ہے و جنہیں وہ براہ راست امام صاحب سے نہیں سن سکے لہذا ان تین مقامات میں سند بیان کرتے ہوئے ”اخبرنا ابراہیم عن مسلم“ کہا جائے گا۔ ”اخبرنا ابراہیم قال اخبرنا مسلم“ یا ”قال حدثنا مسلم“ نہیں کہا جائے گا، ان تین مقامات کی نشاندہی ہم صحیح مسلم مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی کے اعتبار سے کرتے ہیں۔

اول: مسلم جلد اول ص ۴۲۰ باب تفضیل الحلق علی التقصیر حدیث ابن عمر: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال رحم اللہ المحلقین الخ سے لے کر ص ۴۳۴ باب استحباب الذکر اذا ركب علی دابته حدیث ابن عمر: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا استوی علی بعيره خارجاً الی سفر کبر ثلاثاً الخ کے شروع تک ہے۔

دوم: مسلم جلد ثانی ص ۳۸ کتاب الوصیۃ کے شروع سے لے کر ص ۵۶ کتاب القسامة والمحاربین حدیث سهل بن ابی حشمة الانصاری ان نفراً منهم انطلقوا الی خیبر الخ کے آخر تک ہے اس میں کتاب الوصیۃ، کتاب النذر، کتاب الایمان اور (۱)..... دیکھئے مقدمہ شرح النووی المطبوع مع صحیح مسلم: ۱۲۔



کتاب القسامہ کا کچھ حصہ آ جاتا ہے۔

سوم: مسلم جلد ثانی ص ۱۲۶ باب الامام حنّہ یقاتل من ورائہ کے شروع سے لے کر ص ۱۳۶ کتاب الصيد والذبائح، باب الصيد بالکلاب المعلمة والرمی، حدیث ابی ثعلبہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا رمیت بسهمک فغاب عنک الخ کے آخر تک ہے اس کے علاوہ کوئی حدیث نہیں جس کا سماع ابراہیم سے فوت ہوا ہو، باقی یہ بات کہ ان تین مقامات کی روایت ابراہیم بن محمد کس طرح کرتے ہیں؟ علامہ نوویؒ نے ابن الصلاح کا قول نقل فرمایا ہے کہ ہو سکتا ہے بطریق اجازہ یا وجاہہ کے روایت کرتے ہوں (۱) فاحفظ هذا فإنه مهم۔

شروح و حواشی

علماء اور ائمہ فن قدیم و حدیث صحیح مسلم کی اہمیت کے پیش نظر اس پر مختلف انداز سے کام کرتے رہے ہیں، مستخرجات، شروحات، رجال مسلم، تلخیصات، حواشی وغیرہ۔ مختلف مصنفین نے ان شروحات وغیرہ کی اجمالی اور تفصیلی فہرستیں بھی بنائی ہیں لیکن سب سے جامع فہرست ایک دمشق محقق علامہ بدیع السید اللحام کی ہے جو الدبیاج علی صحیح مسلم بن الحجاج کے مقدمہ میں موجود ہے، اس میں انہوں نے ۸۴ کتابوں کا نام ذکر کیا ہے جس میں متوفی اور معاصر شارحین کی کتابوں کے نام ہیں چند اہم اور قابل ذکر شروحات درج ذیل ہیں۔

(۱) المسند الصحیح المستخرج علی صحیح مسلم لأبی بکر

محمد بن محمد الاسفرائینی المتوفی ۲۸۶ھ (۲) رجال صحیح مسلم:

(۱)..... تفصیل کے لیے دیکھیے مقدمہ شرح النووی المطبوع مع صحیح مسلم: ۱۱۔



احمد بن علی الاصفہانی المتوفی ۴۲۸ھ (۳) مختصر مسلم: ابو عبد اللہ
 محمد بن عبد اللہ المتوفی ۵۲۴ھ (۴) المفہم فی شرح غریب: عبد الغافر بن
 اسماعیل الفارسی المتوفی ۵۲۶ھ (۵) المعلم بفوائد مسلم: ابو عبد اللہ
 محمد بن علی المازری المتوفی ۵۳۶ھ (۶) اکمال المعلم فی شرح صحیح
 مسلم: قاضی عیاض متوفی ۵۴۴ھ انہوں نے مازری کی شرح کی تکمیل کی ہے (۷)
 المفصح المفہم والموضح الملہم لمعانی صحیح مسلم: ابو عبد اللہ محمد
 بن یحیی الانصاری المتوفی ۶۴۶ھ (۸) تلخیص صحیح مسلم: ضیاء الدین
 ابو العباس احمد بن عمر القرطبی متوفی ۶۵۶ھ (۹) المفہم لما اشکل من
 تلخیص مسلم: علامہ قرطبی نے تلخیص کی شرح لکھی ہے (۱۰) المنہاج شرح صحیح
 مسلم بن الحجاج: یحیی بن شرف النووی المتوفی ۶۷۶ھ (۱۱) اختیارات
 من المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج للنووی: عبد اللہ بن محمد
 الانصاری المتوفی ۷۲۴ھ (۱۲) الرباعیات من صحیح مسلم: امین الدین
 محمد بن ابراہیم المتوفی ۷۳۵ھ (۱۳) اکمال اکمال المعلم: ابو عبد اللہ
 محمد بن خلفہ الوشتانی المالکی المتوفی ۷۲۷ھ یہ شرح نووی، مازری، قرطبی
 اور عیاض سے ماخوذ ہے (۱۴) مکمل اکمال الاکمال: محمد بن یوسف
 المتوفی ۸۹۲ھ (۱۵) الدیاج علی صحیح مسلم بن الحجاج: السیوطی
 المتوفی ۹۱۱ھ (۱۶) عناية الملك المنعم لشرح صحیح مسلم: عبد اللہ بن
 محمد یوسف آفندی زادہ المتوفی ۱۱۶۷ھ (۱۷) السراج الوہاج من کشف
 مثالب مسلم بن الحجاج: صديق حسن خان المتوفی ۱۳۰۷ھ (۱۸) فتح
 الملہم بشرح صحیح مسلم: العلامة شبیر احمد الدیوبندی العثماني المتوفی
 ۱۳۵۳ھ، حضرت علامہ عثمانی کے انتقال کی وجہ سے یہ شرح نامکمل رہ گئی (۱) تکملة فتح
 الملہم: المفتی محمد تقی العثماني دامت برکاتہم۔



امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت ۲۱۵ھ وفات ۳۰۳ھ عمر ۸۸ سال

نام و نسب و نسبت

یہ ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر (خراسانی، نسائی) ہیں (۱) آپ کی ولادت شہر نساء میں ہوئی چنانچہ اس کی طرف نسبت کر کے آپ کو نسائی کہا جاتا ہے اور چونکہ شہر نساء سرزمین خراسان میں ہے تو آپ کو خراسانی بھی کہا جاتا ہے، شہر نساء ۳۲ھ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں عبد اللہ بن عامر بن کریر کے ہاتھ صلحاً فتح ہوا اور اخف بن قیس اس پر گورنر مقرر ہوئے (۲)۔

تحقیق نساء اور وجہ تسمیہ

علامہ حمویؒ فرماتے ہیں کہ یہ لفظ عجمی ہے اور خراسان میں شہر سرخس سے دودن کے فاصلے پر ایک مشہور شہر کا نام ہے، نیشاپور اس سے چھ سات دن کے فاصلے پر ہے، لشکر

(۱)..... تفصیلی حالات کے لیے دیکھئے: سیر اعلام النبلاء: ۱۳/۱۲۵، الانساب: ۵/۳۸۴، وفیات

الاعیان: ۱/۷۷، تذکرۃ الحفاظ: ۲/۶۹۸، البدایہ والنہایہ: ۱۱/۱۲۳، تہذیب الجہذیب: ۱/۳۶، معجم

البلدان: ۵/۲۸۲، تہذیب الکمال: ۱/۳۲۸، المحلہ: ۲۹۲۔

(۲)..... دیکھئے: الکامل لابن الاثیر: ۳/۶۲، شذرات الذہب: ۱/۲۷۔

اسلام جب فاتحانہ خراسان میں پہنچا اور اس شہر کا رخ کیا تو تمام مرد شہر سے نکل کر پہاڑوں میں پناہ گزیں ہوئے، مسلمان جب شہر میں داخل ہوئے تو سوائے نساء (عورتیں) کے کوئی اور موجود نہیں تھا، اس دن سے اس شہر کو ”نساء“ کہا جانے لگا، اس وجہ تسمیہ کے پیش نظر شہر کا نام نساء (بکسر نون) ہونا چاہئے تھا، لیکن لفظ نساء (فتح نون) سے مشہور ہوا (۱) ابن خلکان فرماتے ہیں: ”نساء بفتح النون وفتح السين المهملة وبعده همزة“ (۲)۔

کبھی ہمزہ کو واو سے بدل کر نسوی بھی کہتے ہیں (جیسے کہ قیاس کا تقاضا ہے) لیکن مشہور تر نسائی ہی ہے (۳)۔

ولادت

امام صاحب شہر نساء ہی میں پیدا ہوئے (۴) علامہ ابن اثیر کہتے ہیں کہ سن ولادت ۲۲۵ھ ہے (۵) لیکن ان کی یہ بات ایک تو امام صاحب کی تصریح کے خلاف ہے، وہ فرماتے ہیں: ”یشبه أن يكون مولدى فى خمس عشرة ومائتين“ (۶)۔

دوسری بات یہ ہے کہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام صاحب کی وفات ۳۰۳ھ میں ہوئی ہے، اور تقریباً تمام علماء ومؤرخین اس پر متفق ہیں (۷) پھر حافظ صاحب نے ذہبی کا (۱) معجم البلدان: ۵/۲۸۲، الانساب میں ہے: ”سمیت نساء لأن النساء كانت تحارب دون الرجال“ الانساب: ۵/۳۸۳۔

(۲) وفیات الاعیان: ۱/۷۸، شیخ مبارکپوری کہتے ہیں: نسائی (بالمد) اور نسائی (بالقصر) دونوں صحیح ہیں دیکھئے: تحفۃ الاحوذی: ۶۶۔

(۳) معجم البلدان: ۵/۲۸۲، الانساب: ۵/۳۸۳۔

(۴) سیر اعلام النبلاء: ۱۳/۱۲۵۔

(۵) جامع الاصول: ۱/۱۹۵۔

(۶) تہذیب التہذیب: ۱/۳۸۔

(۷) تذکرۃ الحفاظ: ۲/۷۰۱، تہذیب التہذیب: ۱/۳۹، جامع الاصول: ۱/۱۹۵۔

قول نقل کیا ہے کہ ان کی کل عمر ۸۸ سال ہے (۱) تو اس حساب سے ۲۲۵ھ کا قول کسی صورت میں معقول نہیں، بلکہ اس سے امام صاحب کے قول کی تائید ہوتی ہے، بعض حضرات نے ۲۱۴ھ کا قول بھی نقل کیا ہے (۲)۔

ابتدائی تعلیم اور علمی رحلات

اس زمانہ میں سرزمین خراسان علم و علماء کا مرکز تھا اور بڑے بڑے اصحاب فن اس علاقہ میں گویا افشانی کرتے تھے اور دور دراز سے تشنگان علم آ کر کسب فیض کرتے تھے تو بظاہر امام صاحب نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں ہی حاصل کی ہوگی اس کے بعد جب انہوں نے قصد سفر فرمایا تو سب سے پہلے امام قتیبہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، علامہ سبکی اور ذہبی فرماتے ہیں: ”رحل إلى قتيبة وله خمس عشرة سنة، سنة ثلاثين“ (۳) امام صاحب ۲۳۰ھ میں پندرہ سال کی عمر میں امام قتیبہ کے پاس گئے، لیکن مقدمہ تحفۃ الاحوذی میں امام نسائی کا یہ قول ملتا ہے، وہ فرماتے ہیں: ”رحلني الأولى إلى قتيبة كانت في سنة ۳۵“ (۴) یعنی ۲۳۵ھ میں وہ قتیبہ کے پاس گئے ہیں تو اس لحاظ سے ۲۰ سال کی عمر میں انہوں نے علمی سفر شروع کیا ہے، بعض حضرات نے عدد (۳۵) سے یہ سمجھا ہے کہ پینتیس سال کی عمر مراد ہے لیکن یہ غلط ہے۔

اس کے بعد امام صاحب نے حجاز، مصر، عراق، جزیرہ، شام، ثغور اور دوسرے

(۱)..... تہذیب التہذیب: ۳۹/۱۔

(۲)..... دیکھئے: بستان المحدثین: ۲۹۶۔

(۳)..... طبقات الشافعية الكبرى: ۸۴/۲، تذکرۃ الحفاظ: ۶۹۸/۲، امام نسائی فرماتے ہیں: ”أقمت عنده

سنة وشهرين“۔

(۴)..... مقدمہ تحفۃ الاحوذی: ۶۶۔

مقامات کے حفاظ حدیث سے کسب فیض فرمایا اور بالآخر مصر میں جا کر رہائش پذیر ہوئے۔
(۱)۔

اساتذہ

امام نسائی کے اساتذہ کی فہرست کافی طویل ہے، ابن حجر فرماتے ہیں: ”سمع من خلائق لایحصون یأتی اکثرهم فی هذا الکتاب“ (۲) علامہ ذہبی فرماتے ہیں: ”سمع من خلق کثیر“۔ (۳) تاہم بعض مشہور اساتذہ یہ ہیں:

اسحاق بن راہویہ، قتیبہ بن سعید، محمد بن بشار، محمد بن شعیب، یحییٰ بن موسیٰ، ہشام بن عمار، علی بن حجر اور اپنے ہم عصر ساتھیوں میں سے امام ابو داؤد، سلیمان بن ایوب اور سلیمان بن سیف سے روایت کرتے ہیں، بعض حضرات نے امام نسائی کے اساتذہ کی فہرست میں امام بخاری کا نام بھی لیا ہے، لیکن یہ بات محل نظر ہے ایک تو اس لیے کہ اسماء الرجال کی کسی کتاب میں امام نسائی کے اساتذہ میں امام بخاری کا نام نہیں ملتا اور نہ ہی امام بخاری کے تلامذہ کی فہرست میں امام نسائی کا نام ملتا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ امام نسائی نے اپنی کتاب ”الکنی“ میں کئی روایات ”عن عبد اللہ بن أحمد الخفاف عن البخاری“ کے طریق سے نقل فرمائی ہیں، چنانچہ صاحب تہذیب الکمال لکھتے ہیں: ”فهذه قرينة ظاهرة فی انه لم یلق البخاری ولم یسمع منه“۔ (۴) البتہ ہمارے پاس نسائی کا جو نسخہ ہے

(۱).....تہذیب الکمال: ۱/۳۲۹۔

(۲).....تہذیب الکمال: ۱/۳۶۔

(۳).....سیر اعلام النبلاء: ۱۳/۱۲۷۔

(۴).....تہذیب الکمال: ۲۳/۴۳۶۔



(بروایت ابن السنی) اس میں ایک روایت اس سند سے مروی ہے: ”اخبّرنا محمد بن اسماعیل البخاری قال حدثنی حفص بن عمر الحارث قال حدثنا حماد قال حدثنا معمر والنعمان بن راشد عن الزهري عن عروة عن عائشة قالت: ”مالعن رسول الله صلى الله عليه وسلم من لعنة تذكر الخ“ (۱) اس روایت کے متعلق صاحب تہذیب الکمال کہتے ہیں کہ نسائی کے دوسرے تمام نسخوں میں لفظ ”البخاری“ نہیں ہے اور ابن السنی کے نسخہ میں بھی صرف یہی ایک روایت بخاری سے منقول ہے اور یہ تب قابل تسلیم ہے جب کہ ہمیں یہ معلوم ہو کہ ابن السنی نے یہ لفظ اپنی طرف سے زیادہ نہیں کیا بلکہ امام نسائی سے سنا ہے۔ (۲) واللہ تعالیٰ اعلم۔

تلامذہ

امام صاحب نے جب مصر میں سکونت اختیار فرمائی تو دنیا کے گوشہ گوشہ سے طلبہ علم حدیث ان کی طرف آنے لگے (۳) اور حضرت امام کا حلقہ درس وسیع ہوتا گیا، ابن حجرؒ فرماتے ہیں: ”سمع عنه أمم لا يحصون“ (۴)۔

ان کے مشہور تلامذہ جو سنن کے راوی بھی ہیں یہ ہیں: ان کے صاحبزادے عبدالکریم، ابوبکر احمد بن محمد ابن السنی، حسن بن خضر، حسن بن رشیق، حمزہ بن محمد، محمد بن عبداللہ بن زکریا نیشابوری، محمد بن معاویہ الاندلسی، محمد بن قاسم، علی بن ابی جعفر طحاوی، مسعود بن علی بجانی۔

(۱)..... نسائی: ۲۹۸/۱، کتاب الصوم باب الفضل والجد فی شہر رمضان۔

(۲)..... تہذیب الکمال: ۲۳۷/۲۳۔

(۳)..... سیر اعلام النبلاء: ۱۳۷/۱۳۔

(۴)..... تہذیب التہذیب: ۱/۳۷۔

امام نسائی کا علمی مقام

تمام ائمہ حدیث اور صاحبان علم و کمال امام صاحب کے علمی مقام کا اعتراف کرتے ہوئے مختلف انداز سے ان کی تعریف کرتے ہیں، احمد بن محمد اور منصور فقیہ کہتے ہیں: ”ابو عبد الرحمن إمام من أئمة المسلمين“ (۱) ابو علی نیشابوری کا قول ہے: ”النسائی إمام فی الحدیث بلا مدافعة“ پھر کہتے ہیں کہ میں نے اپنے تمام اسفار میں صرف چار حفاظ حدیث کو دیکھا ہے ان میں سے ایک امام نسائی ہیں۔ (۲) عبد اللہ بن احمد بن حنبل اور ان کے کچھ ساتھی مشورہ کر رہے تھے کہ کس کے انتخاب سے حدیثیں لکھنی چاہیے، تو سب کا اتفاق ہوا کہ امام نسائی کی احادیث نتیجہ لکھنے کے قابل ہیں، حکم فرماتے ہیں کہ میں نے کئی بار علی بن عمر کو کہتے ہوئے سنا: ”أبو عبد الرحمن مقدم علی کل من یدکر بهذا العلم من أهل عصره وهو أفقه مشایخ مصر فی عصره وأعرفهم بالصحیح والسقیم وأعلمهم هو بالرجال“ (۳) کہ امام نسائی اپنے زمانہ کے تمام محدثین و فقہاء پر علمی فوقیت رکھتے تھے، علم رجال اور صحیح وغیر صحیح احادیث کی پہچان میں سب سے آگے تھے، ابو بکر بن حداد شافعی امام نسائی کے علاوہ کسی اور سے روایت کرتے ہی نہیں تھے وہ فرمایا کرتے تھے: ”رضیت به حجة بینی وبين الله تعالى“۔ (۴) علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ امام نسائی علم حدیث اور علم رجال میں امام مسلم، ابو داؤد اور ترمذی سے زیادہ ماہر ہیں، اسی طرح فرماتے ہیں: ”کان من بحور العلم، مع الفهم، والانتقان، والبصرو نقد الرجال،

(۱)..... تہذیب التہذیب: ۱/۳۷۔

(۲)..... دیکھئے محولہ بالا۔

(۳)..... تہذیب التہذیب: ۱/۳۷۔

(۴)..... سیر اعلام النبلاء: ۱۳۴/۱۳۴، تہذیب التہذیب: ۱/۳۸۔



وحسن التالیف“ (۱)۔

حلیہ اور طرز زندگی

قدرت نے امام نسائیؒ کو باطنی محاسن اور خوبیوں کے ساتھ ساتھ حسن ظاہری کا بھی وافر حصہ عطا فرمایا تھا، چہرہ نہایت پر رونق اور روشن تھا، کہا جاتا ہے کہ بڑھاپے میں بھی حسن و تازگی میں فرق نہیں پڑا، یہاں تک کہ ایک مرتبہ بعض طلبہ نے کہا: ”ما أظن أبا عبد الرحمن إلا أنه يشرب النبیذ (للنضرة التي في وجهه)“ جب امام صاحب سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا: ”النبیذ حرام“ نبیذ تو حرام ہے میں کیسے پی سکتا ہوں۔

امام صاحب کی خوراک و پوشاک بھی نہایت عمدہ ہوتی تھی، بہترین لباس زیب تن فرماتے تھے اور روزانہ مرغ کھاتے تھے (۲) ابن کثیر فرماتے ہیں کہ مرغ کھانے کے بعد حلال نبیذ (شربت) بھی نوش فرمایا کرتے تھے (۳) صوم داؤدی کے عادی تھے (۴) ایک دن روزہ رکھتے اور دوسرے دن افطار کرتے، آپ کے نکاح میں چار بیویاں اور لونڈیاں تھیں، امام صاحب ان سب میں ترتیب کی خاص رعایت فرماتے تھے (۵)۔

تقویٰ و دلیری

ابن حجرؒ نے ابوالحسن بن مظفر کا قول فرمایا ہے: میرے مصری شیوخ امام نسائیؒ کی کثرت عبادت کی تعریف کرتے تھے، ان کو حج کا بہت ذوق تھا اور اس کے لیے خاص

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۱۳۰/۱۲۷، ۱۳۳۔

(۲) تمام اقوال کے لیے دیکھئے: سیر اعلام النبلاء: ۱۳۰/۱۲۸۔

(۳) البدایہ والنہایہ: ۱۱/۱۲۳۔

(۴) دیکھئے: بحوالہ بالا۔

(۵) سیر اعلام النبلاء: ۱۳۰/۱۲۸، البدایہ والنہایہ: ۱۱/۱۲۳۔

اہتمام فرماتے تھے، سنتوں پر پورا پورا عمل کرنا ان کا شیوہ تھا، جہاد میں کئی بار شریک ہوئے اور ان تمام اوصاف حمیدہ کے ساتھ مجالس سلاطین سے کنارہ کش رہتے تھے، تاکہ اخلاص ولہیت میں کوئی رخنہ نہ آنے پائے (۱)۔

(۱)

امام نسائی اور حارث بن مسکین کا واقعہ

پہلے آچکا ہے کہ امام صاحب پر تکلف لباس زیب تن فرماتے تھے، ایک دن حارث بن مسکین کی مجلس درس میں تشریف لے گئے، حارث بن مسکین نے امام صاحب کو اس ہیئت میں دیکھ کر یہ خیال کیا کہ شاید سلطان وقت کی طرف سے کوئی مقرر شدہ آدمی ہے اور اس مجلس کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کرنے آیا ہے تو ان کو کوفت ہوئی اور امام صاحب کو سبق سے نکال دیا، اس دن کے بعد سے امام صاحب جا کر دروازے کے پیچھے بیٹھ کر حدیث سنتے تھے، یہی وجہ ہے کہ حدیث بیان کرتے وقت غایت احتیاط کا ثبوت دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ”قال الحارث بن مسکین قراءة عليه وأنا أسمع“ (۲)

وفات

دنیا کا قانون ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو اونچا مقام عطا فرماتے ہیں تو وہ حاسدین کے حسد کی زد میں آ جاتا ہے، اس کرۂ خاکی میں سب سے پہلا قتل بھی اسی حسد

(۱)..... تہذیب التہذیب: ۱/۳۸۔

(۲)..... سیر اعلام النبلاء: ۱۳۰/۱۳۰۔ ابن اثیر لکھتے ہیں: حارث بن مسکین مصر میں قاضی کے عہدے پر فائز

تھے اور امام نسائی کے ساتھ کچھ ناخوشگوار ہی تھی جس کی وجہ سے امام نسائی مجلس درس میں شریک نہیں

ہو سکتے تھے، جامع الاصول: ۱/۱۹۶۔

کے نتیجے میں واقع ہوا تھا، امام نسائیؒ بھی اس عام ضابطہ سے مستثنیٰ نہ رہے بلکہ جب ان کے علمی مقام کا چرچا ہوا تو حاسدین امام صاحب کو طرح طرح سے ستانے لگے، چنانچہ امام صاحب مصر کو خیر باد کہہ کر دمشق میں مقیم ہوئے (۱) وہاں کے لوگ بوجہ سلطنت بنو امیہ کے خوارج کی طرف میلان رکھتے تھے (۲) ایک دن امام صاحب سے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے فضائل کے بارے میں پوچھا گیا، انہوں نے فرمایا: ”الایرضی رأسا برأس حتی یفضل؟“ ان کے لیے یہی کافی ہے کہ نجات پا جاویں، ان کے فضائل کہاں ہے؟ بعض نے کہا کہ اس کے ساتھ یہ جملہ بھی فرمایا: ”ای شئ أخرج؟ حدیث: ”اللهم لاتشعب بطنه“ (۳) کہ ان کے مناقب میں کوئی احادیث کی تخریج کروں؟ ایک ہی حدیث: اے اللہ اس کے پیٹ کو سیر نہ کر۔ بعض کا کہنا ہے کہ حضرت امام نے یہ جملہ کسی دوسرے موقع میں فرمایا تھا، ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے مناقب علیؑ اور فضائل صحابہ کے بارے میں کتابیں لکھی ہیں تو حضرت معاویہؓ کے مناقب میں کیوں نہیں لکھتے تو انہوں نے یہ جواب دیا (۴) بہر صورت جب امام صاحب نے اہل دمشق کو یہ جواب دیا تو وہ لوگ امام پر

(۱)..... یہ ذوالقعدہ ۳۰۲ھ کا واقعہ ہے، دیکھئے: الخطبہ: ۲۹۳۔

(۲)..... دیکھئے: بستان المحمدین: ۲۹۷۔

(۳)..... الحدیث أخرجه أبو داود الطيالسی من طریق أبي عوانة، عن أبي حمزة القصاب، عن ابن عباس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم بعث إلى معاوية ليكتب له، فقال: إنه ياكل، ثم بعث إليه، فقال: إنه ياكل، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”لا تشعب الله بطنه“ مسند أبي داود الطيالسی: ۳۵۹ مکتبہ حسینیہ قال الذہبی: هذه منقبة لمعاوية لقوله صلى الله عليه وسلم: اللهم من لعنته أو سبته فاجعل ذلك له زكاة ورحمة۔

قلت! الحدیثان أخرجهما مسلم فی البر الوصلة، مسلم: ۳۲۳/۲ (قدیمی کتب خانہ کراچی)

والخبر فی البداية والنهاية: ۱۱/۱۲۴، سیر اعلام النبلاء: ۱۴/۱۳۲، تهذيب

التهذيب: ۱/۳۸، معجم البلدان: ۵/۲۸۲۔

(۴)..... تهذيب التهذيب: ۱/۳۸، سیر اعلام النبلاء: ۱۳/۱۲۹۔



ٹوٹ پڑے اور زد و کوب کیا، چند ضربیں جسم کے نازک حصہ پر لگیں، خادم اٹھا کر گھر لے گئے، امام صاحب نے فرمایا مجھے مکہ لے چلو تا کہ مکہ میں میرا انتقال ہو، مکہ پہنچنے کے بعد بروز دوشنبہ تیرہ صفر المظفر ۳۰۳ھ میں انتقال فرما گئے، یہ قول دارقطنی، ابن اثیر اور شاہ ولی اللہؒ کا ہے (۱)۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ راستہ میں شہر رملہ میں انتقال ہو گیا، پھر جنازہ کو اٹھا کر مکہ پہنچانے کے بعد صفا و مروہ کے درمیان دفن کئے گئے (۲) ابن یونس کا قول ہے کہ ان کی وفات فلسطین میں ہوئی، علامہ ذہبی لکھتے ہیں: ”هذا أصح، فإن ابن يونس حافظ يقظ وقد أخذ عن النسائي، وهو به عارف“ (۳) حافظ ابن حجرؒ نے بھی اسی قول کو راجح قرار دیا ہے (۴)۔

امام نسائی پر تشیع کا شبہ

امام نسائی کے اس طریق کار اور طرز کلام کو دیکھ کر بعض حضرات نے ان پر تشیع کا حکم لگایا ہے، چنانچہ ابن کثیر لکھتے ہیں: وقد قيل عنه: أنه كان ينسب إليه شيء من التشيع“ (۱) علامہ ذہبی لکھتے ہیں: ”إلا أن فيه قليل تشيع وانحرف عن خصوم الإمام علي، كمعاوية وعمر، والله يسامحه“ (۵)۔

(۱)..... دیکھئے: سیر اعلام النبلاء، ۱۳/۱۳۲، جامع الاصول: ۱/۱۹۵، بستان المحمدين: ۲۹۸۔

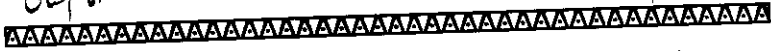
(۲)..... بستان المحمدين: ۲۹۸، المحطه: ۲۹۴۔

(۳)..... سیر اعلام النبلاء، ۱۳/۱۳۳۔

(۴)..... تهذيب التذييل: ۱/۳۹۔

(۵)..... البدایة والنہایة: ۱۱/۱۲۳۔

(۶)..... سیر اعلام النبلاء، ۱۳/۱۳۳۔



ابن خلکان کہتے ہیں: ”وكان يشيع“ (۱)۔

البتہ یہ بات ذہن نشین ہونی چاہیے کہ قدماء کی اصطلاح میں تشیع اور رافضی میں فرق تھا چنانچہ اگر کوئی حضرت علیؓ کو افضل المخلوق بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مانتا ہے تو وہ رافضی ہے (۲) اگر اس کے ساتھ وہ دوسرے اصحاب پر سب و شتم کرتا ہے تو وہ غالی رافضی ہے، اگر وہ حضرت علیؓ کی رجعت الی الدنیا کا قائل ہے تو حد سے زیادہ غالی فی الرافض سمجھا جائے گا، لیکن اگر وہ حضرات شیخین کی فضیلت کا قائل ہے اور صرف حضرت علیؓ کو حضرت عثمان پر ترجیح دیتا ہے اور ان کے مخالفین کو خطی کہتا ہے تو وہ شیعہ کہلاتا ہے، اب ان کے بارے میں حکم یہ ہے کہ مطلق رافضی اور شیعہ کی روایت مقبول ہے خصوصاً جب کہ وہ داعی الی مذہب نہ ہو، البتہ غالی رافضی کی روایت مردود ہے، یہ تفصیل متقدمین کے یہاں ہے، متاخرین کی اصطلاح میں شیعہ اور غالی رافضی ایک ہی چیز ہے، لہذا شیعہ کی روایت مردود ہے (۳)۔

حافظ ابو القاسم ابن عساکر اس بارے میں کہتے ہیں: ”هذه حكاية لا تدل على سوء اعتقاد أبي عبد الرحمن في معاوية، وإنما تدل على الكف في ذكره بكل حال“ (۴)۔ حسن بن ابی ہلال کہتے ہیں کہ جب اس بارے میں امام نسائی سے

(۱).....وفیات الاعیان ۱/۷۷۔

(۲).....الرافضة فرقة من الشيعة كانوا بايعوا زيد بن علي بن الحسين بن علي، ثم قالوا له: تبرأ من الشيخين أبي بكر وعمر ثم قاتل معك، غابی، وقال: كانا وزيری جدی صلی اللہ علیہ وسلم فلا أبرأ منهما، فقالوا: إذا نرفضك، فتركوه، ورفضوه، فمن ذلك الوقت سموا: الرافضة والنسبة رافضی، وسميت شيعة زيد: الزيدية، ويكفي: تعليقات شيخ عبد الفتاح ابو غده راعلاء السنن ۱/۱۳۱۔

(۳).....تفصیل کے لیے دیکھئے: ہدی الساری: ۴۵۹۔

(۴).....تہذیب الکمال ۱/۳۳۹۔



پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ”انما الإسلام كدار لها باب، فباب الإسلام الصحابة، فمن أذى الصحابة إنما أراد الإسلام كمن نقر الباب إنما يريد دخول الباب قال: فمن أراد معاوية فانما أراد الصحابة“ (۱)۔

مسلك

امام نسائیؒ حضرت شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کی رائے میں شافعی ہیں (۲)۔ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ یہ بھی اہل حدیث میں سے تھے، نہ مقلد محض تھے اور نہ مجتہد مطلق (۳) امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے ان کو حنبلی قرار دیا ہے، فرماتے ہیں: ”الامام ابو داؤد والنسائی فحنبلیان“ (۴)۔

امام اعظمؒ اور امام نسائیؒ

امام نسائیؒ نے اپنی کتاب ”الضعفاء“ میں امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں لکھا ہے: ”و أبو حنیفۃ لیس بالقوی فی الحدیث“۔ (۵) جن لوگوں کو حضرت امام صاحبؒ کے علمی و روحانی مراتب عالیہ قابل برداشت نہیں، اس جیسی عبارات کو بہت اچھالتے ہیں، حضرت امام صاحبؒ کے اوصاف حمیدہ، و خصائل جمیلہ، علمی و عملی مقام جاننے کے لیے

(۱).....محولہ بالا: ۱/۹۴۔

(۲).....تلمس الیہ الحاجہ: ۲۶، بستان المحدثین: ۲۹۶۔

(۳).....توجیہ النظر: ۱۸۵۔

(۴).....فیض الباری: ۱/۵۸۔ العرف الشذی: ۲۔

(۵).....کتاب الضعفاء: ۳۵۔

مستقل تصانیف موجود ہیں، ہم یہاں نہایت اختصار کے ساتھ امام نسائی کے قول کا جواب ذکر کرتے ہیں۔

(۱) اس جرح کا ناقل حسن بن رشیق ہے جس پر کلام موجود ہے، چنانچہ علامہ ذہبی لکھتے ہیں: ”لینہ الحافظ عبدالغنی بن سعید، ووثقه جماعة، وأنكر عليه الدارقطني أنه كان يصلح في أصله وبغيره“ اور جو آدمی اصل کتاب میں اپنی طرف سے کی بیشی کرتا ہو، اس کا اعتبار نہیں ہوتا (۱)۔

(۲) جرح کے باب میں امام نسائی ”متشدد ہیں اور جارحین متشددین کے بارے میں فیصلہ یہ ہے کہ ان کی جرح مقبول نہیں، جب تک کسی منصف و معتبر امام سے اس کی تصدیق موجود نہ ہو، اعلاء السنن میں ہے: ”فمن المتشددین أبو حاتم، والنسائی وابن معین و..... فإنهم معروفون بالإسراف في الجرح والتعننت فيه“ (۲)۔

(۳) دارقطنی نے لکھا ہے: ”أبو حنيفة والحين بن عماره ضعيفان“ محشی لکھتے ہیں: ”ضعفه النسائي من جهة حفظه“ (۳) لیکن دارقطنی کے مقابلے میں (جو کہ امام صاحب سے دو صدی بعد پیدا ہوئے ہیں (۴)) ان حضرات کا قول معتبر ہے جو امام صاحب کے ہمعصر ہیں یا قریب العهد ہیں، جیسے علی بن المدینی، یحییٰ بن معین وغیرہ، ہم عنقریب ان حضرات کے اقوال نقل کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ، شعبۂ بن حجاج جو نقد رجال میں متشدد ہیں، امام صاحب کے بارے میں کہتے ہیں: ”كان والله حسن الفهم جيد“

(۱) میزان الاعتدال: ۱/۳۹۰۔

(۲) مقدمہ اعلاء السنن: ۱/۱۱۰۔

(۳) سنن دارقطنی مع شرحہ التعلیق المغنی: ۱/۳۲۳، باب من كان له امام فقراءة الامام لقراءة۔

(۴) امام ابو حنیفہؒ ۱۵۰ھ میں شہید کر دیا گیا تھا اور دارقطنی ۳۰۶ھ میں پیدا ہوئے ہیں۔ م۔



الحفظ“ (۱) اس صاف عبارت سے تمام متعصبین و حاسدین کے اقوال ساقط ہو جاتے ہیں جو امام صاحب کے حفظ پر اشکال کرتے ہیں۔

(۴) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ امام نسائیؒ نے حنفیہ کے بارے میں ار جاء کے اقوال سے متاثر ہو کر یہ فرمایا ہو، حالانکہ حنفیہ کی طرف ار جاء کی نسبت ایک بے اصل و بے حقیقت بات ہے، اس مسئلہ کی تفصیل کتب فن میں موجود ہے، ہم حضرت شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی تحقیق انیق پر اکتفا کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ”خوارج، معتزلہ اور جمہور محدثین کے یہاں عمل ایمان کا جزء ہے؛ البتہ مذاہب میں فرق یہ ہے کہ خوارج تارک عمل کو کافر کہتے ہیں، معتزلہ کے یہاں وہ نہ مؤمن رہتا ہے اور نہ دائرہ کفر میں داخل ہوتا ہے یعنی یہ لوگ منزلۃ بین المنزلتین کے قائل ہیں اور محدثین کے یہاں تارک عمل کافر نہیں ہوتا اور نہ ہی دائرہ اسلام سے باہر ہو جاتا ہے، البتہ فاسق ہوتا ہے، امام ابو حنیفہ اور اکثر فقہاء متکلمین اور مرجعہ کا مذہب یہ ہے کہ عمل جزء ایمان نہیں ہے، فرق یہ ہے کہ مرجعہ کے یہاں عمل کا ایمان میں کوئی دخل نہیں اور نہ ہی نجات کا دار و مدار عمل پر ہے اور امام ابو حنیفہ کے یہاں ایمان کے نشو و نما اور تقویت کے لیے عمل حد درجہ ضروری ہے اور اس کا تارک فاسق ہے تو ادنیٰ تاہل سے پتہ چلتا ہے کہ محدثین و فقہاء کا اختلاف لفظی ہے، اس لیے کہ محدثین حضرات اگرچہ جزئیت کے قائل ہیں، لیکن اس کے منکر کو کافر نہیں کہتے بلکہ فاسق کہتے ہیں اور فقہاء اگرچہ جزئیت کے قائل نہیں ہیں، لیکن عمل کا حد درجہ اہتمام کرتے ہیں اور اس کے تارک کو فاسق کہتے ہیں، لہذا اگر ادنیٰ ملاہست و اشتراک کے بناء پر ار جاء کی نسبت ہماری طرف ہو سکتی ہے تو اعتزال کی نسبت بھی ان کی طرف ہو سکتی ہے اس لیے کہ وہ بھی معتزلہ کی طرح جزئیت



کے قائل ہیں“ (۱)۔

(۵) امام ابوداؤد نے فرمایا ہے: ”رحم الله مالکا کان اماماً، رحم الله الشافعی کان اماماً، رحم الله أبا حنیفة کان اماماً“۔ (۲) محدثین کے یہاں لفظ امام توثیق و تعدیل کے بہترین و جامع ترین الفاظ میں سے ہے، یحییٰ بن معین کا قول ہے: ”کان أبو حنیفة ثقة لا یحدث بالحديث إلا بما یحفظ ولا یحدث بما لا یحفظ“۔

امام جرح و تعدیل یحییٰ القطان فرماتے ہیں۔

”لأنکذب الله، ما سمعنا أحسن من رأى أبی حنیفة، وقد أخذنا بأكثر

اقواله“ (۳)۔

علی بن المدینی نے فرمایا ہے: (۴)۔

”أبو حنیفة روى عنه الثوری وابن المبارک وهو ثقة لا بأس به“ (۵)۔

اسی طرح یحییٰ بن معین نے بھی فرمایا: ”لا بأس به“ اور یہ جملہ توثیق کے لیے

استعمال ہوتا ہے، یحییٰ بن معین ہی کا قول ہے: ”إذا قلت لا بأس به، فهو ثقة“ (۶)۔

اعلاء السنن کے محشی لکھتے ہیں: ”ثم إنه لا خصوصية لابن معین بهذا

الاستعمال، بل هو تعبیر منتشر فی کلام المتقدمین من أمثال ابن معین وابن

(۱)..... فیض الباری: ۱/۵۳، ۵۴۔

(۲)..... جامع بیان العلم: ۲/۱۶۳۔

(۳)..... سیر اعلام النبلاء: ۶/۳۹۵۔

(۴)..... تہذیب الکمال: ۲۹/۴۳۳، سیر اعلام النبلاء: ۶/۴۰۲۔

(۵)..... مقدمہ اعلاء السنن: ۱۹۷، التعلیق المغنی علی سنن الدار قطنی: ۱/۳۲۳۔

(۶)..... تدریب الراوی: ۱/۳۳۳۔



المدینی وغیرہم“ (۱) بہتر توجیہ اس کی یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ امام نسائیؒ نے مصر میں امام طحاوی سے ملنے کے بعد امامؒ اعظم کے بارے میں اپنے اس قول وثبتہ دے رجوع کیا ہے (۲) اس کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ وہ ایک روایت امام صاحب کی اپنی کتاب میں لائے ہیں (۳)۔

تصانیف

امام نسائیؒ نے کافی تعداد میں چھوٹی بڑی کتابیں لکھی ہیں جن کی فہرست مندرجہ ذیل ہے:

- (۱) سنن کبری (۲) المجتبیٰ جو سنن صفری سے مشہور ہے (۳) کتاب الإعراب (۴) خصائص علی بن أبی طالب (۵) فضائل القرآن (۶) عمل الیوم واللیلة (۷) فضائل الصحابة (۸) مناسک الحج (۹) کتاب الجمعة (۱۰) الکنی (۱۱) الضعفاء والمتروکین (۱۲) تسمیة من لم یرو عنه غیر راو واحد (۱۳) فقهاء الأمصار (۱۴) ذکر من حدث عنه ابن أبی عروبة ولم یسمع منه (۱۵) کتاب الطبقات (۱۶) التمييز (۱۷) معجم شیوخ النسائی (۱۸) معرفة الإخوة والأخوات من العلماء والرواة (۱۹) الجرح والتعديل (۲۰) شیوخ الزهری (۲۱) جزء من حدیث عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم (۲۲) مجالس حدیثیة إمامیة (۲۳) مسند منصور بن زاذان الواسطی (۲۴) مسند علی بن أبی طالب (۲۵) مسند حدیث فضیل بن عیاض وداؤد الطائی

(۱)..... مقدمہ اعلاء السنن ۱/۱۵۲ (من افادات الشیخ عبدالفتاح ابو غدة)

(۲)..... حضرت مولانا محمد عبدالرشید نعمانی لکھتے ہیں: کان النسائی یسأل الطحاوی عن الاحادیث، و

الطحاوی أيضاً قد تلمذ علی النسائی واخذ عنه، ما تمس الیه الحاجة: ۲۸۔

(۳)..... محمولہ بالا۔



(۲۶) مسند حدیث یحییٰ بن سعید القطان (۲۷) مسند حدیث ابن جریج (۲۸)
 مسند حدیث مالک بن انس (۲۹) مسند حدیث الزہری (۳۰) مسند حدیث شعبہ
 بن الحجاج بن الورد (۳۱) مسند حدیث ابن سعید الثوری (۱)۔

وجہ تصنیف

امام نسائیؒ سنن کبریٰ کی تصنیف سے فارغ ہوئے تو اس کو امیر رملہ کی خدمت
 میں پیش کیا، اس نے پوچھا: ”اصحیح کلمہ؟“ کیا اس کی تمام روایات صحیح ہیں؟ امام
 صاحب نے فرمایا نہیں، تو امیر نے درخواست کی کہ ”فاکتب لنا منه الصحیح“ (۲) اس
 کتاب کی صحیح روایات ہمارے لیے لکھ دیں تو امام صاحب نے صحیح روایات کو الگ کر کے
 کتاب ”المتجنی“ تصنیف فرمائی، بعض حضرات کہتے ہیں کہ کتاب کا نام ”المتجنی“ نون کے
 ساتھ ہے، لیکن مشہور پہلا قول ہے اگرچہ دونوں لفظ قریب المعنی ہیں کیونکہ اجتباء کے معنی
 ہیں انتخاب کرنا (۳) اور اجتباء کا معنی ہیں درخت سے پھل چننا (۴)۔

اس واقعہ کے پیش نظر جمہور محققین نے فرمایا کہ ”المتجنی“ جو سنن صغریٰ کے نام سے
 مشہور ہے، امام نسائیؒ ہی کی تصنیف ہے، صاحب کشف الظنون، ابن اثیر، ملا علی قاری،
 (۱)..... دیکھئے مقدمہ سنن الکبریٰ: ۲۰، تہذیب الجہذیب: ۶/۱۔

(۲)..... سیر اعلام النبلاء: ۱۳/۱۳۱، کشف الظنون: ۲/۱۰۰۶، المحیط: ۲۵۴، جامع الاصول: ۱۹۷/۱، بستان
 الحدیث: ۲۹۶۔

(۳)..... فی المعجم الوسیط: اجتباء ای اختارہ واصطفاه لنفسه، وفی التنزیل العزیز:
 (و كذلك یجتبیک ربک) المعجم الوسیط: ۱۰۶/۱۔

(۴)..... معجم وسیط میں لکھا ہے: اجتنبی الثمرۃ ونحوها: جناها وقال قبل هذا: جنی الثمرۃ ای
 تناولها من منبتها: ۱/۱۴۱۔



حضرت شاہ عبدالعزیز، صدیق حسن خان وغیرہ اسی کو راجح قرار دیتے ہیں (۱) لیکن علامہ ذہبی اس کے متعلق لکھتے ہیں: ”هذا لم يصح، بل المحتجب اختيار ابن السنی“ (۲) یہ خبر قابل اعتبار نہیں، سنن صغریٰ درحقیقت امام نسائی کے شاگرد ابن السنی کے انتخاب کردہ احادیث کا مجموعہ ہے۔

البتہ صاحب الیانع الجنبی نے تطبیق کی یہ صورت نکالی ہے کہ ابن السنی نے سنن کبریٰ کا اختصار امام نسائی کے حکم اور ان کے زیر نگرانی کیا ہے (۳) لہذا دونوں کی طرف نسبت صحیح ہے، یہ بات یاد دہانی چاہیے کہ محدثین کے یہاں جب کہا جاتا ہے رواہ النسائی یا أخرجه النسائی تو اس سے امام نسائی کی کتاب ”سنن صغریٰ“ مراد ہوتی ہے، اسی طرح صحاح ستہ میں جو کتاب داخل ہے وہ سنن صغریٰ یعنی ”الجنبی“ ہی ہے (۴) البتہ بعض حضرات (۵) نے لکھا ہے کہ علامہ منذری مختصر سنن ابوداؤد میں اور حافظ مزنی اپنی کتاب ”الاطراف“ میں جہاں أخرجه النسائی کہتے ہیں اس سے سنن کبریٰ مراد ہوتی ہے نہ کہ سنن صغریٰ۔

سنن کبریٰ اور سنن صغریٰ میں فرق

امام نسائیؒ کی ان دو کتابوں میں کئی اعتبار سے فرق ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

- (۱).....كشف الظنون: ۲/۱۰۰۶ وجامع الاصول: ۱/۱۹۷ والرقاة: ۱/۲۵ وبتان المحد ثین: ۲۹۶ والخط: ۲۵۴۔
- (۲).....سير اعلام النبلاء: ۱۳/۱۳۱۔
- (۳).....الیانع الجنبی علی سنن النسائی۔
- (۴).....كشف الظنون: ۲/۱۰۰۶، الخط: ۲۵۴۔
- (۵).....ذكره الدكتور بشار عوادفی تعلیقاته علی تہذیب الکمال: ۱/۳۲۸۔



(۱) سنن کبریٰ کے تقریباً ۲۲ باب سنن صغریٰ میں نہیں ہیں ان کی تفصیل یہ ہے

کتاب الاعتکاف، کتاب العتق، المواعظ، احیاء الموات، العاریۃ والودیعة، الصوال، اللقطة، الركاز، العلم، الفرائض، الولیمة، الوفاة، الرحم، الطب، التعبير، النعوت، فضائل القرآن، المناقب، الخصائص، السير، عمل اليوم والليلة، التفسیر۔

(۲) سنن کبریٰ میں بہت سارے طرق ومتابعات ہیں لیکن سنن صغریٰ میں نہیں

ہیں (۳)۔

سنن کبریٰ کے بعض تراجم ابواب سنن صغریٰ میں نہیں اور بعض تراجم کو کافی مختصر کر کے سنن صغریٰ میں لایا گیا ہے۔

(۴) سنن صغریٰ کی بعض روایات کے آخر میں کچھ تشریحی جملے ملتے ہیں جو کہ سنن کبریٰ میں نہیں ہیں (۱)۔

صاحب عون المعبود نے لکھا ہے:

”كل حديث هو موجود في السنن الصغرى يوجد في السنن الكبرى
لامحالة من غير عكس“ (۲) لیکن یہ قول صحیح نہیں، بعض احادیث سنن صغریٰ میں ہیں
لیکن سنن کبریٰ میں موجود نہیں ہیں، مثلاً درج ذیل روایت:

أخبرنا محمد بن سلمة والحارث بن مسكين قراءة عليه وأنا أسمع واللفظ له
عن ابن القاسم قال: حدثني مالك عن إسحاق بن عبد الله بن أبي طلحة عن رافع بن
إسحاق أنه سمع أبا أيوب الأنصاري وهو بمصر يقول: والله ما أدرى كيف اصنع بهذه
الكرايس وقد قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”إذا ذهب إحداكم إلى الغائط أو

(۱)..... تفصیل کے لیے دیکھئے: مقدمہ السنن الکبریٰ: ۵/۱، (دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(۲)..... مقدمہ السنن الکبریٰ: ۸/۱۔

البول فلا يستقبل القبلة ولا يستديرها“ اس سند کے ساتھ سنن کبریٰ میں نہیں ملتی (۱)۔

سنن نسائیؒ کی اہمیت اور خصوصیات

سنن نسائی کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ امام نسائی نے امام بخاری اور امام مسلم کے طرز تالیف و تصنیف کو دیکھ کر اپنی کتاب مرتب فرمائی ہے اور اس لیے وہ شیخین کے طریقے کا خاص خیال کرتے ہیں۔

چنانچہ امام بخاری کے طریقے کو مد نظر رکھتے ہوئے مسائل متعدد کو ثابت کرنے کے لیے ایک روایت کو کئی جگہوں میں لاتے ہیں اور امام مسلم کی طرح احادیث کے طرق مختلفہ کی وضاحت کر کے اختلاف الفاظ کو بھی بیان کرتے ہیں ابن رشید (۲) کا قول ہے: ”وہو جامع بین طریقتی البخاری و مسلم مع حظ کثیر من بیان العلل“ (۳)۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام نسائیؒ علل پر بھی کافی بحث کرتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو علل حدیث میں مہارت کاملہ حاصل تھی، علامہ وہبی لکھتے ہیں: ”ہو جار فی مضممار البخاری و أبی زرعة“ (۴)۔ اسی طرح امام نسائیؒ مشتہر ناموں اور مشکل الفاظ کی توضیح، مرسل و متصل ہونے اور راویوں پر جرح و قدح کرنے کا خیال خاص رکھتے ہیں، حدیث کی صحت و سقم کی وضاحت بھی کرتے ہیں، البتہ بعض جگہیں ایسی ہیں کہ جہاں انہوں نے سنن کبریٰ کے خلاف قول کیا ہے، مثلاً حدیث ابن عمرؓ ”صلوة اللیل والنہار مثنیٰ

(۱)..... دیکھیے: مقدمۃ السنن الکبریٰ: ۸/۱۔

(۲)..... یہ محمد بن عمر بن محمد ابو عبد اللہ القہری السبکی ہیں جو کتاب ”السنن الایین فی المحاکمۃ بین

البخاری و مسلم“ اور ”الرحلۃ المشرقیہ“ کے مصنف ہیں، انتقال ۷۲۱ھ میں ہوا۔

(۳)..... التکت علی کتاب ابن الصلاح: ۳۸۴/۱۔

(۴)..... سیر اعلام النبلاء: ۱۳۳/۱۳۔

مثنیٰ کے بعد فرماتے ہیں: ”هذا الحديث عندی خطاء“ (۱) اور سنن کبریٰ میں فرمایا ہے: ”إسناده جید“ (۲) سنن نسائی میں ایک اعشاری روایت بھی ہے یعنی اس میں مصنف اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان دس واسطے ہیں، امام نسائیؒ فرماتے ہیں: ”مأعزف إسناده أطول من هذا“ (۳)۔

شرائط

(۱) ان احادیث کی تخریج جو صحیحین میں موجود ہوں۔

(۲) یا صحیح علی شرط الشیخین ہوں۔

(۳) امام ابوداؤد کی طرح امام نسائیؒ بھی حدیث ضعیف کو رائے اور قیاس پر ترجیح دیتے ہیں، اگر کسی مقام پر صحیح حدیث نہ ملے تو ضعیف روایت نقل کر کے ضعف بھی بیان کر جاتے ہیں، ابن حجر نے امام نسائیؒ کا قول نقل کیا ہے:

”لا يترك الرجل عندی حتی یجتمع الجميع علی تركه“ پھر اس جملہ کی تشریح کرتے ہوئے حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ دراصل ناقدین کے چار طبقے ہیں اور ہر طبقے میں تشدد اور متوسط دونوں قسم کے ناقد ملتے ہیں تو امام نسائیؒ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ وہ صرف تشددین کی توثیق و تضعیف پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ متوسطین کی رائے کا بھی خیال رکھتے ہیں، لہذا معلوم ہوا کہ لفظ ”یجتمع الجميع“ سے اجماع عام مراد نہیں بلکہ اجماع خاص مراد ہے، پھر آگے لکھتے ہیں کہ اس تفصیل سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نقد رجال

(۱)..... سنن النسائی، باب کیف صلوة اللیل، ۱/۲۳۶۔

(۲)..... ذکرہ الحافظ ابن حجر فی تلخیص الحییر باب صلوة الطلوع: ۲/۲۲، وما وجدت الحدیث بهذا اللفظ فی السنن الکبریٰ، واللہ اعلم۔

(۳)..... کتاب الافتتاح، باب الفضل فی قراءة قل هو اللہ احد، سنن النسائی: ۱/۱۵۵۔

کے سلسلے میں امام نسائی کے مذہب میں کچھ توسع ہے (۱) حالانکہ ایسا نہیں، بہت سارے ایسے راوی ہیں جن کی روایت ابوداؤدؒ اور ترمذیؒ نے نقل کی ہے لیکن امام نسائیؒ نے انہیں چھوڑ دیا ہے (۲) اس پر کئی شواہد ہیں، مثلاً (۱) امام نسائیؒ خود فرماتے ہیں کہ جب میں نے سنن کی تالیف کا ارادہ کیا تو وہ شیوخ جن کے بارے میں میرے دل میں شبہ تھا ان کی روایات اور اسناد عالیہ کو چھوڑ کر مجھے اسناد نازلہ پر اکتفا کرنا پڑا (۳) (۲) ابوالفضل بن طاہر کہتے ہیں کہ میں نے کسی راوی کے بارے میں سعد بن علی سے سوال کیا تو انہوں نے اس کی توثیق کی، میں نے کہا کہ نسائیؒ تو اس کی روایت سے استدلال نہیں کرتے، سعد نے کہا کہ عبدالرحمن نسائیؒ بعض شرائط میں شیخین سے بہت زیادہ سخت ہیں (۴)۔

(۳) دارقطنی کے استاد احمد بن نصر (متوفی ۳۲۳ھ) کہتے ہیں: کون ”اخذ حدیث“ میں امام نسائیؒ کی طرح احتیاط سے کام لے سکتا ہے؟ ابن لہیعہ کی تمام روایات ان کے پاس موجود تھیں لیکن اس کے باوجود انہوں نے ابن لہیعہ سے ایک روایت بھی نہیں لی (۵)۔

سنن نسائی پر صحت کا اطلاق

امام نسائیؒ کا اپنا قول ہے: ”كتاب السنن كله صحيح وبعضه معلول إلا

أنه لم يبين علته والمنتخب المسمى بالمجتبى صحيح كله“ (۶)۔

(۱)..... یہ حافظ ابوالفضل عراقی کا قول ہے، دیکھیے: زہر الری المطبوع مع سنن النسائی: ۲/۱۔

(۲)..... تفصیل کے لیے دیکھیے: التکت علی کتاب ابن الصلاح: ۳۸۲/۱۔

(۳)..... التکت علی کتاب ابن الصلاح: ۳۸۳/۱، شروط الأئمة لابن طاہر المقدسی، المطبوع مع سنن ابن ماجہ: ۷۲۔

(۴)..... سیر اعلام النبلاء: ۱۳۱/۱۳، تذکرۃ الحفاظ: ۷۰۰/۲۔

(۵)..... سیر اعلام النبلاء: ۱۳۱/۱۳، تہذیب الکمال: ۳۳۵/۱، تذکرۃ الحفاظ: ۷۰۰/۲۔

(۶)..... دیکھیے: زہر الری علی المجتبى، المطبوع مع سنن النسائی: ۳/۱۔



اس سے پہلے ہم بیان کر آئے ہیں کہ امام نسائیؒ نے رملہ کے امیر کی درخواست پر سنن کبریٰ کی احادیث صحیحہ کو الگ کر کے انجمنی کی تصنیف فرمائی، ان اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ پوری سنن نسائیؒ صحیح ہے، اسی طرح خطیب بغدادی، ابوطاہر سلفی، ابوعلی نیشاپوری، دارقطنی وغیرہ نے بھی سنن نسائیؒ پر صحیح کا اطلاق کیا ہے (۱)۔

دوسری طرف ابن صلاحؒ نے فرمایا کہ یہ فیصلہ نظر سے خالی نہیں ”لأن فيه أحاديث ضعيفة ومعلقة ومنكرة“ (۲) اس اختلاف اقوال کو علامہ زرکشی اس طرح رفع دفع فرماتے ہیں:

”وتسمية الكتب الثلاثة (أعني كتاب النسائي وأبي داود والترمذي) صحاحاً؛ إماماً باعتبار الأغلب لأن غالبها الصحاح والحسان وهي ملحقة بالصحاح، والضعيف فيها التحق بالحسن، فإطلاق الصحة عليها من باب التغليب“ (۳)۔
علامہ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

”وفى الجملة فكتاب السنن أقل الكتب بعد الصحيحين حديثاً ضعيفاً ورجلاً محروفاً، ويقاربه كتاب أبي داود وكتاب الترمذي ويقابله في الطرف الآخر كتاب ابن ماجه“ (۴)۔

شروح وتعليقات

سنن نسائی کے صحاح ستہ میں داخل ہونے کے باوجود ائمہ فہن کی طرف سے اس کا

(۱)..... مقدمہ ابن الصلاح: ۲۵، الفت علی کتاب ابن الصلاح: ۱/۳۸۱۔

(۲)..... مقدمہ ابن الصلاح: ۲۵۔

(۳)..... زهر الربی المطبوع مع سنن النسائی: ۱/۳۔

(۴)..... الفت علی کتاب ابن الصلاح: ۱/۳۸۳۔

استقبال نہیں کیا گیا جس طرح کہ صحاح ستہ کی دوسری کتابوں کو استقبال اور تلقی بالقبول حاصل ہوا، علامہ سیوطی نے اس پر ایک تعلیق لکھی ہے ”زهر الربی“ کے نام سے، اس سے پہلے شیخ عمر بن ملقن نے سنن نسائی کی ان احادیث کی نشاندہی اور تشریح کی جو صحاح ستہ کی دوسری کتابوں میں نہیں ہیں، علامہ سندھیؒ نے بھی اس پر ایک تعلیق لکھی ہے جس میں الفاظ غریبہ کی تشریح اور ضروری مقامات کا عمل موجود ہے (۱)۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ کی بھی ایک تعلیق ہے جو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا خلیل احمدؒ اور مولانا محمد تقیؒ کے افادات کا مجموعہ ہے۔





امام ابوداؤد

ولادت ۲۰۲ھ وفات ۲۷۵ھ کل عمر ۷۳ سال

نسب و نسبت

امام ابوداؤد کے سلسلہ نسب میں کچھ اختلاف اور تقدیم و تاخیر ہے۔ علامہ ابن حجرؒ تہذیب التہذیب میں، علامہ ذہبیؒ سیر اعلام النبلاء میں اور حافظ جمال الدینؒ تہذیب الکمال میں عبدالرحمان بن ابی حاتم کا قول نقل کرتے ہیں:

”سليمان بن الأشعث بن شداد بن عمرو بن عامر“ (۱) خطیب نے تاریخ بغداد میں لکھا ہے: ”سليمان بن الأشعث بن إسحاق بن بشير بن شداد بن عمرو بن عمران“ سمعانی نے الانساب میں اور ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں اسی کو اختیار کیا ہے (۲) ابن کثیر کے نزدیک نسب یوں ہے: ”سليمان بن الاشعث بن إسحاق بن بشير بن شداد بن يحيى بن عمران“ (۳) اور محمد بن عبدالعزیزؒ کا کہنا ہے: ”سليمان بن الأشعث بن بشير بن شداد“ (۴) ان کے جدا علی ”عمران“ جنگ

(۱) دیکھئے تہذیب التہذیب: ۱۶۹/۴۔ سیر اعلام النبلاء: ۲۰۳/۱۳۔ تہذیب الکمال: ۳۵۵/۱۱۔

(۲) تاریخ بغداد: ۵۵/۹۔ الانساب: ۲۲۵/۳۔ وفیات الاعیان: ۳۰۴/۲۔ تذکرہ الحفاظ: ۵۹۱/۲۔

(۳) حافظ ابن حجرؒ نے تقریب میں اسی نسب کو ذکر کیا ہے، دیکھئے۔ تقریب التہذیب: ۲۵۰۔ البدایہ والنہایہ: ۵۴/۱۱۔

(۴) سیر اعلام النبلاء: ۲۰۳/۱۳۔ تہذیب الکمال: ۳۵۵/۱۱۔



صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور اسی میں مارے گئے (۱)۔

امام ابوداؤد کا تعلق چونکہ قبیلہ ”أزد“ سے ہے اس لیے آپ کو أزدی کہا جاتا ہے اور بھتان آپ کا مولد ہے، اس لیے بھتانی اور بھزی بھی کہا جاتا ہے۔ بھتان کے بارے میں صحیح قول یہ ہے کہ خراسان کے اطراف میں واقع ہے، جیسے کہ صاحب معجم البلدان نے لفظ بھزی کے تحت لکھا ہے: ”سجز“ بکسر أولہ وسکون ثانیہ، وآخرہ زای: اسم لسجستان البلد المعروف فی أطراف خراسان (۲) صاحب الانساب نے لکھا ہے: ”ہی إحدى البلاد المعروفة بکابل“ (۳)۔

علامہ یاقوت حموی نے محمد بن ابی نصر قتل ہو اللہ أحد خوان کا قول نقل کیا ہے: ”ابوداؤد السجستانی الإمام: هو من کورة بالبصرة يقال لها سجستان، وليس من سجستان خراسان“ (۴) اسی قول کو ابن خلکان نے بھی قیل کے ساتھ ذکر کیا ہے، لکھتے ہیں: ”بل نسبته إلى سجستان أو سجستانة قرية من قرى البصرة والله أعلم“ (۵) لیکن یہ قول ضعیف ہے؛ ایک وجہ تو یہ ہے کہ محمد بن ابی نصر فرماتے ہیں کہ میں نے اہل بصرہ سے جستجو کی، لیکن ان کو بصرہ میں اس نام کا کوئی مقام معلوم نہیں تھا (۶) دوسری بات یہ ہے کہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیزؒ نے فرماتے ہیں کہ ابن خلکان نے تاریخ دانی اور انساب میں مہارت کا ملہ رکھنے کے باوجود غلطی کی ہے اور شیخ تاج الدین سبکی نے بھی اس

(۱)..... تہذیب الکمال: ۱۱/۳۵۵۔ تہذیب التہذیب: ۱۶۹/۳۔

(۲)..... معجم البلدان: ۱۸۹/۳۔

(۳)..... الانساب: ۲۲۵/۳۔

(۴)..... معجم البلدان: ۱۹۱/۳۔

(۵)..... وفیات الاعیان: ۴/۳۰۵۔

(۶)..... معجم البلدان: ۱۹۲/۳۔



قول کو وہم قرار دیا ہے، وہ لکھتے ہیں: ”هذا وهم، والصواب انه نسبة الى الاقليم المعروف المتاخرا لبلاد الهند“ یعنی یہ ان کا وہم ہے، صحیح یہ ہے کہ یہ نسبت اس سرزمین کی طرف ہے جو ہند کے پہلو میں واقع ہے (یعنی سیتان کی طرف نسبت ہے) جو سندھ اور ہرات کے مابین مشہور ملک اور قندھار کے متصل واقع ہے۔ (۱) بہر حال یہ قول ضعیف تو ہے لیکن اس کو ابن خلکان کا قول قرار دینا اور ان کی غلطی کہنا ٹھیک نہیں ہے، کیونکہ انہوں نے پہلے اسی قول مشہور کو نقل کیا ہے پھر اس قول ضعیف کو لفظ ”قیل“ کے ساتھ لکھا ہے (۲) پہلے زمانہ میں بست شہر اس ملک کا پایہ تخت تھا چشت جو بزرگان چشت کا وطن رہا ہے اسی ملک میں واقع ہے، عرب لوگ اس ملک کی نسبت میں کبھی سجزی بھی کہہ دیتے ہیں (۳)۔

پیدائش

امام ابوداؤدؒ ۲۰۲ھ میں سیتان میں پیدا ہوئے، وہ خود فرماتے ہیں: ”ولدت سنة اثنتين“ (ومئتين) (۴)۔

ابتداء تحصیل علم اور علمی رحلات

ابتداء تحصیل علم کے بارے میں کسی نے کوئی قول نقل نہیں کیا ہے، البتہ امام ابوداؤدؒ خود فرماتے ہیں: ”دخلت الكوفة سنة إحدى وعشرين“ اسحاق بن ابراہیم کا

(۱)..... بستان المحدثین: ۲۸۳۔

(۲)..... وفیات الاعیان: ۴/۳۰۵۔

(۳)..... بستان المحدثین: ۲۸۳۔

(۴)..... سیر اعلام النبلاء: ۱۳/۲۰۴۔



بیان ہے کہ میں نے امام صاحب سے ۲۲۰ھ میں دمشق میں حدیث سنی (۱) جس کا مطلب ہے کہ امام صاحب نے ۲۰ سال کی عمر سے کافی پہلے تعلیم کی ابتداء کر کے علمی سفر شروع فرمایا تھا اور مختلف بلاد اسلامیہ کا سفر کیا تھا جن میں مصر، حجاز، شام، عراق، خراسان، جزیرہ اور ثغر شامل ہیں (۲) بعض اسفار میں آپ کے بڑے بھائی محمد بن الاشعث بھی ہم سفر رہے اور امام صاحب سے کچھ مدت پہلے وفات پا گئے (۳)۔

مشائخ

آپ کے اساتذہ میثار ہیں (۴) چنانچہ مکہ میں قعنبی اور سلیمان بن حرب، بصرہ میں مسلم بن ابراہیم اور ابوالولید طرابلسی وغیرہ، کوفہ میں حسن بن ربیع بورانی اور احمد بن یونس یربوعی وغیرہ، حران میں ابو جعفر نفیلی وغیرہ، حلب میں ربیع بن نافع، حمص میں حیوۃ بن شریح اور یزید بن عبد ربہ، دمشق میں صفوان بن صالح اور ہشام بن عمار، خراسان میں اسحاق بن راہویہ وغیرہ، بغداد میں احمد بن حنبل وغیرہ، بلخ میں قتیبہ بن سعید، مصر میں احمد بن صالح، اسی طرح آپ نے علی بن المدینی، علی بن الجعد، محمد بن المنہال، یحییٰ بن معین وغیرہ سے بھی استفادہ کیا ہے، اس مختصر فہرست سے اندازہ ہوتا ہے کہ بہت سے شیوخ میں امام بخاری کے ساتھ شریک ہیں۔ اسی طرح اپنے استاذ احمد بن حنبل کے بعض اساتذہ سے بھی مستفید

(۱).....تہذیب الکمال: ۱۱/۳۶۶۔

(۲).....تہذیب الکمال: ۱۱/۳۵۶۔ تذکرۃ الحفاظ: ۲/۵۹۱۔

(۳).....سیر اعلام النبلاء: ۱۳/۲۲۱۔

(۴).....حافظ ابن حجر کہتے ہیں: امام ابوداؤد کی تصانیف میں تقریباً تین سو اساتذہ کے نام ملتے ہیں: دیکھئے

تہذیب التہذیب: ۳/۱۷۲۔

ہوئے ہیں، جیسے ابوالولید ہشام بن عبد الملک طیالسی وغیرہ (۱)۔

تلامذہ

آپ کے تلامذہ میں امام ترمذیؒ اور امام نسائیؒ سرفہرست ہیں، امام نسائیؒ کتاب الکفی میں آپ سے روایت کرتے ہیں، اسی طرح سلیمان بن حرب نفیلی، عبد العزیز بن یحییٰ المدنی، علی بن المدینی، عمرو بن عون، مسلم بن ابراہیم، ابوالولید طیالسی کے طریق سے امام نسائیؒ ابوداؤد کی روایت لاتے ہیں اور ظاہر ان تمام روایات میں امام ابوداؤد سے مراد صاحب سنن، امام ابوداؤد بخستانی ہی ہیں، اگرچہ امام نسائیؒ عموماً ابوداؤد سلیمان بن یوسف حرانی سے روایت کرتے ہیں (۲) ان کے علاوہ امام ابوداؤد کے صاحبزادے ابوبکر عبد اللہ بن ابی داؤد بھی اپنے والد ماجد سے اور اپنے چچا محمد سے روایت کرتے ہیں (۳) ابوبکر اپنے زمانے کے بڑے محدثین میں سے تھے، علامہ ذہبیؒ میزان الاعتدال میں ان کو الحافظ الثقة کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں، امام ابوداؤد نے ان کے بارے میں فرمایا ہے: ”ابنی عبد اللہ کذاب“ علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں: ”وَأَمَّا كَلَامُ أَبِيهِ فِيهِ فَلَا أُدْرِي أَيْشَ تَبَيَّنَ لَهُ مِنْهُ“ (۴) صاحبزادہ کے علاوہ ابن الاعرابیؒ اور ابن داسمہؒ بھی امام صاحب کے ان تلامذہ میں سے ہیں جو اپنے فن میں انتہاء اور کمال کو پہنچے، ہم ان حضرات کے مختصر حالات سنن ابوداؤد کے رواۃ میں بیان کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

(۱)..... تہذیب الکمال ۱۱/۳۵۹۔

(۲)..... سیر اعلام النبلاء ۱۳/۲۰۷، تہذیب الکمال ۱۱/۳۶۱، تہذیب التہذیب ۴/۱۷۱۔

(۳)..... دیکھئے سیر اعلام النبلاء ۱۳/۲۰۶-۲۲۱۔

(۴)..... سیر اعلام النبلاء ۱۳/۲۲۸، میزان الاعتدال ۲/۴۳۳۔

وفات

امام ابو داؤد ابن خلیفہ کی درخواست پر بصرہ تشریف لے گئے (۱) اور وہیں رہائش پذیر ہوئے اور ۱۶ اشوال ۲۷۵ھ میں انتقال فرما گئے (۲) انتقال سے پہلے انہوں نے وصیت کی تھی کہ مجھے حسن بن ثنیٰ غسل دیں اور اگر وہ موجود نہ ہوں تو سلیمان بن حرب کی کتاب سے سمجھ کر غسل دیا جائے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا (۳) نماز جنازہ عباس بن عبد الواحد نے پڑھائی (۴) اور حضرت سفیان ثوریؒ کے پہلو میں آرام فرما ہوئے (۵)۔

زہد و تقویٰ، اخلاق و عادات اور آپ کی شخصیت دوسرے علماء کی نظر میں امام صاحب ہمیشہ پر تکلف زندگی سے دور اور سادگی کے خوگر تھے، کہا جاتا ہے کہ قیص کی ایک آستین کو کُشادہ، اور دوسری کو تنگ رکھا کرتے تھے، اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کُشادہ آستین میں اپنے کاغذات رکھتا ہوں اور دوسری کو کُشادہ بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ (۶) ایک مرتبہ ہبل بن عبد اللہ (۷) آپ کے پاس آئے۔ اور کہا مجھے

- (۱)..... اس پر تفصیلی بحث آگے آئیگی۔
(۲)..... تہذیب الکمال: ۱۱/ ۳۶۷، سیر اعلام النبلاء: ۱۳/ ۲۲۱، تذکرۃ الحفاظ: ۲/ ۵۹۳ وفیات الاعیان: ۲/ ۴۰۵۔
(۳)..... تہذیب التہذیب: ۴/ ۱۷۳۔
(۴)..... تہذیب الکمال: ۱۱/ ۳۶۷ تاریخ بغداد: ۹/ ۵۹۔
(۵)..... البدایہ والنہایہ: ۱۱/ ۵۵۔
(۶)..... وفیات الاعیان: ۲/ ۴۰۵، تذکرۃ الحفاظ: ۲/ ۵۹۲۔
(۷)..... یہ ابو محمد سہل بن عبد اللہ بن یونس ستری ہیں، جو اکابر صوفیاء میں سے تھے، حج کے موقع پر ذوالنون مصری سے ملاقات کر کے ان کی محبت سے مستفید ہوئے، دیکھئے۔ شذرات الذہب: ۲/ ۱۸۲۔
وفیات الاعیان: ۲/ ۴۲۹، سیر اعلام النبلاء: ۱۳/ ۲۳۰۔



آپ سے کام ہے اگر پورا کرنے کا وعدہ کریں تو بتاؤنگا، فرمایا: ”قد قضیتھا مع الامکان“ ممکن ہوا تو پورا کرونگا، کہا میں چاہتا ہوں کہ جس زبان مبارک سے آپ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے ہیں اسے بوسہ دوں، چنانچہ آپ نے زبان باہر نکالی اور انھوں نے بوسہ دیا۔ (۱) آپ کے خادم ابوبکر بن جابر کا بیان ہے کہ میں امام صاحب کے ساتھ بغداد میں تھا، مغرب کی نماز ہو چکی تھی کہ ابوالحسن الموفق (۲) آپ کے پاس آیا، امام صاحب نے فرمایا: اس وقت کس کام کے لیے آنا ہوا؟ کہا تین درخواستیں لے کر حاضر ہوا ہوں، فرمایا وہ کونسی؟ کہا ایک تو یہ کہ آپ بصرہ تشریف لائیں تاکہ بصرہ اور قرب وجوار کے اہل علم آپ سے علمی استفادہ کر سکیں، فرمایا منظور ہے، کہا دوسری یہ کہ آپ میری اولاد کو سنن ابوداؤد پڑھائیں، فرمایا کہ یہ بھی منظور ہے، کہا تیسری یہ کہ میری اولاد کے لیے الگ مجلس درس رکھیں، امام صاحب نے فرمایا کہ یہ منظور نہیں، کیونکہ تحصیل علم میں سب برابر ہوتے ہیں۔ (۳) محمد بن اسحاق صاعانی اور ابراہیم حربی کہتے ہیں: ”لما صنف ابوداؤد کتاب ”السنن“ ألین لابی داؤد الحدیث کما ألین لداؤد الحدید“ (۴) اسی مضمون کو حافظ ابوطاہر سلفی شعر کے پیرایہ میں یوں بیان کرتے ہیں:

(۱)..... سیر اعلام النبلاء: ۲۱۳/۱۳، وفیات الاعیان: ۴۰۴/۲، مقدمہ تحفۃ الاحوزی: ۶۳، تہذیب التہذیب: ۱۷۲/۳، تہذیب الکمال: ۳۶۶/۱۱۔

(۲)..... ہو ولی عهد المؤمنین، الأمير الموفق، أبو أحمد طلحة بن جعفر المتوکل علی اللہ، ومنہم من سماہ محمدًا ولد ۵۲۶۹ ومات ۵۲۷۸، تاریخ بغداد: ۱۲۷/۲، سیر أعلام النبلاء: ۱۶۹/۱۳، شذرات الذهب: ۱۸۲/۲۔

(۳)..... سیر اعلام النبلاء: ۲۱۶/۱۳، مقدمہ تحفۃ الاحوزی: ۶۳۔

(۴)..... تہذیب التہذیب: ۱۷۲/۳، سیر اعلام النبلاء: ۲۱۲/۱۳، تذکرۃ الخطا: ۵۹۲/۲، البدایۃ والنبایۃ: ۵۵/۱۱۔



لان الحديث وعلمه بكماله

لامام اهله أبى داؤد

مثل الذى لان الحديث

لنبى اهل زمانه داؤد (۱)

محمد بن مخلد کا بیان ہے کہ جب امام صاحب نے سنن کی تصنیف فرمائی تو قرآن کی طرح آپ کی کتاب بھی مرجع تقلید بن گئی (۲) حافظ موسیٰ بن ہارون کہتے ہیں: ”خلق أبو داؤد فى الدنيا للحديث، وفى الآخرة للجنة“ (۳) ابو عبد اللہ حاکم نے امام صاحب کے بارے میں کہا: آپ بغیر کسی نزاع کے اپنے زمانے میں علم حدیث کے امام ہیں (۴)۔ ابو عبد اللہ بن مندہ کہتے ہیں: جن حضرات محدثین نے احادیث صحیحہ اور غیر صحیحہ کی نشاندہی کی ہے، وہ چار ہیں، امام بخاری، امام مسلم، امام ابو داؤد اور امام نسائی (۵) ابو بکر خلیل کا بیان ہے: ”أبو داؤد الإمام المقدم فى زمانه، رجل لم يسبقه إلى معرفته بتخريج العلوم، ونصره بمواضعه أحد فى زمانه“ (۶)۔

ایک دن دوران درس ایک ساتھی آپ کے پاس آیا اور آپ سے قلم کی روشنائی مانگی ”استمد من هذه المحبرة؟“ کیا اس دوات سے استفادہ کر سکتا ہوں؟ امام صاحب

(۱)..... مقدمہ تحفۃ الاحوزی: ۶۳۔

(۲)..... سیر اعلام النبلاء: ۱۳/۲۱۲، تہذیب التہذیب: ۴/۱۷۲، تہذیب الکمال: ۱۱/۳۶۵۔

(۳)..... دیکھئے محولہ بالا۔

(۴)..... سیر اعلام النبلاء: ۱۳/۲۱۲، تذکرۃ الحفاظ: ۲/۵۹۲۔

(۵)..... تہذیب التہذیب: ۴/۱۷۲، تہذیب الکمال: ۱۱/۳۶۵۔

(۶)..... تہذیب التہذیب: ۴/۱۷۱، تہذیب الکمال: ۱۱/۳۶۴، البدایہ والنہایہ: ۲/۵۹۲ سیر اعلام

النبلاء: ۱۳/۲۱۱۔



نے اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: جو اپنے بھائی کے مال کو اجازت لے کر استعمال کرنا چاہے تو وہ شرم کے مارے محروم رہ جاتا ہے، اس دن سے آپ کو دانشمند کہا جانے لگا (۱)۔ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ امام ابوداؤدؒ خصائص و شمائل میں امام احمد بن حنبل کے مشابہ تھے اور امام احمد بن حنبل و کعب کے اور وہ حضرت سفیان ثوریؒ کے اور وہ امام منصور کے اور وہ ابراہیم نخعی کے اور وہ علقمہ کے اور وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے (۲) اور امام ابوداؤد کے لیے سب سے زیادہ قابلِ فخر بات یہ ہے کہ ان کے استاد احمد بن حنبل بھی ان سے ایک حدیث روایت کرتے ہیں، قال الحافظ ابن کثیر: ہو مارواه أبو داؤد من حدیث حماد بن سلمة عن أبي معشر الدارمی عن أبيه "أَنَّ رسول الله صلى الله عليه وسلم سئل عن العتيرة فحسنها" (۳) امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ ایک دن میں امام احمد بن حنبل کی خدمت میں حاضر ہوا، وہاں ابو جعفر بن ابی اسمیہ بھی موجود تھے، امام صاحب نے ابو جعفر سے فرمایا کہ ابوداؤد کے پاس ایک غریب حدیث ہے، اس سے لکھ لو تو میں نے ابو جعفر کو بھی لکھوائی (۴)۔

امام ابوداؤدؒ بحیثیت فقیہ

امام ابوداؤدؒ علم حدیث میں مہارت تامہ کا ملہ رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے زمانے کے بڑے فقہاء میں سے بھی تھے، ابن خلکان فرماتے ہیں کہ شیخ ابواسحاق شیرازی نے امام

(۱).....وفیات الاعیان ۲/۴۰۵۔

(۲).....البدایہ والنہایہ: ۵۵/۱۱، تذکرۃ الحفاظ: ۵۹۲/۲، سیر اعلام النبلاء: ۲۱۶/۱۳۔

(۳).....البدایہ والنہایہ: ۵۵/۱۱، تہذیب الکمال: ۳۶۳/۱۱، تہذیب العہد: ۱۷۱/۳۔

(۴).....تاریخ بغداد: ۵۷/۹۔



صاحب کا نام ”طبقات الفقہاء“ میں ذکر کیا ہے (۱) اسی طرح ابو حاتم بن حبان کا بیان ہے: ابو داؤد أحد أئمة الدنيا فقها“ (۲) علامہ ذہبی سیر اعلام النبلاء میں لکھتے ہیں: ”کان ابو داؤد مع إمامته فى الحديث وفنونه من كبار الفقهاء فكتابه يدل على ذلك“ (۳)۔

مسک

امام ابو داؤد کے بارے میں مشہور یہ ہے کہ وہ حنبلی ہیں، علامہ ذہبی لکھتے ہیں: ”وهو من نجباء أصحاب الإمام أحمد لازم مجلسه مدة“ (۴) ابن ابی یعلیٰ نے ان کو طبقات الحنابلہ میں ذکر کیا ہے۔ (۵) اسماعیل پاشا بغدادی نے ہدیۃ العارفین میں ان کو حنبلی لکھا ہے (۶) علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے بھی ان کو حنبلی قرار دیا ہے (۷) ابن خلکان نے فرمایا ہے کہ ابو اسحاق شیرازی نے اپنی تصنیف ”طبقات الفقہاء“ میں آپ کو احمد بن حنبل کے اصحاب میں شمار کیا ہے (۸) حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا

(۱).....وفیات الاعیان: ۴/۴۰۴۔

(۲).....سیر اعلام النبلاء: ۱۳/۲۱۲۔

(۳).....سیر اعلام النبلاء: ۱۳/۲۱۵۔

(۴).....سیر: ۱۳/۲۱۵۔

(۵).....تأمس الیہ الحاجہ: ۲۶۔

(۶).....حدیۃ العارفین: ۱/۳۹۵۔

(۷).....فیض الباری: ۱/۵۸۔ العرف الثدی: ۲۔

(۸).....وفیات الاعیان: ۴/۴۰۴۔



ہے (۱) تاج الدین سکی اور نواب صدیق حسن خان نے ان کو شافی کہا ہے (۲) ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ مجتہد مطلق ہیں (۳) بعض حضرات کا کہنا ہے کہ وہ مجتہد منتسب الی احمد واسحاق ہیں (۴) بعض متأخرین کے نزدیک یہ اہل حدیث ہیں ”لیس بمجتہد ولا هو من المقلدین“ (۵) البتہ سنن ابی داؤد کے مطالعہ سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ راجح پہلا قول ہے، اس لیے کہ بہت سے مسائل میں امام ابو داؤد نے ثابت و معروف روایات کے مقابلہ میں ان روایات کو اختیار فرمایا ہے جو امام احمد کی تائید میں ہیں۔

تالیفات

امام صاحب نے اپنی زندگی میں مختلف کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، جن کی فہرست درج ذیل ہے (۱) مراسیل (۲) الرد علی القدریہ (۳) النسخ والمسنوخ (۴) التقرید (ما تقرؤ بہ اہل الامصار) (۵) فضائل انصار (۶) مسند مالک بن انس (۷) المسائل (یہ ان سوالات کا مجموعہ ہے جو انہوں نے اصول و فروع کے متعلق امام احمد سے کئے ہیں) (۸) کتاب الزہد (۹) دلائل النبوة (۱۰) کتاب الدعاء (۱۱) ابتداء الوحی (۱۲) اخبار الخوارج (۶) (۱۳) کتاب البعث (۱۴) تسمیۃ الاخوان (۷) اور ان کی کتاب (۱۵)

(۱)..... مقدمہ لامع الدراری: ۷۱۔

(۲)..... ماتمس الیہ الحاجۃ لمن یرطال سنن ابن ماجہ: ۲۵-۲۶۔

(۳)..... یہ ابن تیمیہ کا قول ہے، دیکھیے توجیہ النظر: ۱۸۵۔

(۴)..... یہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا قول ہے دیکھیے، ماتمس الیہ الحاجۃ: ۲۶۔

(۵)..... ماتمس الیہ الحاجۃ: ۲۷۔

(۶)..... تمہذ بہ التہذیب: ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵

”السنن“ تو شہرہ آفاق ہے ہی۔

زمانہ تالیف

یقین سے تو نہیں کہا جاسکتا کہ امام صاحب سنن کی تالیف سے کس سنہ میں فارغ ہوئے، اس لیے کہ اس سلسلے میں کوئی صریح عبارت نہیں ملتی، البتہ اتنی بات یقینی ہے کہ امام صاحب نے تالیف کے بعد اپنی کتاب امام احمد بن حنبلؒ کے سامنے پیش کی تھی اور امام صاحب نے اسے بہت پسند فرمایا تھا (۱) امام احمد بن حنبل کا سن وفات ۲۴۱ھ ہے، اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ امام صاحب ۳۹ سال کی عمر میں سنن کی تالیف سے فارغ ہوئے تھے۔

تعداد روایات

امام ابو داؤد اپنے رسالے میں فرماتے ہیں کہ میں نے پانچ لاکھ احادیث کے مجموعہ سے چار ہزار آٹھ سو (۲۸۰۰) احادیث کا انتخاب کر کے سنن کو ترتیب دیا ہے۔ سنن ابو داؤد مطبوعہ بیروت کے مقدمہ میں ہے کہ یہ سنن ۳۵ کتابوں پر مشتمل ہے، تین کتابوں میں باب قائم نہیں کیا گیا ہے، باقی کتابوں میں (۱۸۷۱) باب ہیں اور کل احادیث (۵۲۷۴) ہیں اور یہ تعداد امام ابو داؤدؒ کی بیان کردہ تعداد روایات سے زیادہ اس لیے ہے کہ سنن ابو داؤد کے نسخے تعداد روایات میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ بعض احادیث مکرر بھی ہیں، ہو سکتا ہے کہ جو تعداد امام ابو داؤد نے بتائی ہے کسی ایک نسخہ کی روایات غیر مکررہ کی ہو۔



منتخبات

امام صاحب فرماتے ہیں کہ مجموعہ احادیث میں سے چار احادیث انسان کے دین اور فلاح و کامیابی کے لیے کافی ہیں ”انما الاعمال بالنیات“ (۱) ”من حسن اسلام المرء ترکہ ما لایعنیہ“ (۲) ”لایکون المؤمن مؤمناً حتی یرضی لأخیہ ما یرضی لنفسه“ (۳) ”الحلال بین والحرم بین، و بین ذلك أمور مشتبہات“ (۴)۔

لیکن علامہ ذہبی کو ان کی اس بات پر اشکال ہے او وہ فرماتے ہیں: ”هذا ممنوع بل یحتاج المسلم الی عدد کثیر من السنن الصحیحة مع القرآن“ (۵) حضرت مولانا شاہ عبدالعزیزؒ ان کے رد میں فرماتے ہیں کہ اس بات کا مطلب یہ ہے کہ شریعت مطہرہ (علی صاحبہا الصلاة والسلام) کے قواعد کلیہ اور احکام مشہورہ کا علم حاصل ہو جانے کے بعد دوسرے اخلاقی و اصلاحی مسائل میں کسی مجتہد کی ضرورت نہیں رہتی، اس لیے کہ حدیث ”انما الاعمال بالنیات“ تمام عبادات و اعمال کی درستگی کے لیے کافی ہے اور دوسری حدیث سے وقت عزیز کی اہمیت اور حفاظت کی تاکید ظاہر ہوتی ہے، حدیث

(۱)..... اخرجہ ابو داؤد فی الطلاق، باب فیما عنی بہ الطلاق والنیات: ۱/۳۰۰۔

(۲)..... اخرجہ الترمذی فی جامعہ فی کتاب الزہد وابن ماجہ فی کتاب الفتن۔

(۳)..... بعض حضرات نے اس کی جگہ ازہد فی الدنیا یحبک اللہ کو ذکر کیا ہے۔ اخرجہ ابن ماجہ

فی السنن فی کتاب الزہد۔

(۴)..... اخرجہ البخاری فی الصحیح فی کتاب الایمان باب فضل من استبرأ لدينه، وفی کتاب

المساقاة باب الحلال بین والحرام بین، ومسلم فی الصحیح فی کتاب المساقاة باب أخذ

الحلال وترك الشبهات۔

(۵)..... سیر اعلام النبلاء: ۱۳/۲۱۰۔



”لایکون المؤمن مؤمناً“ سے حقوق العباد کی رعایت اور پاسداری معلوم ہوتی ہے اور چوتھی حدیث تقویٰ و تشرع کی حفاظت اور اختلاف علماء کے حل کے لیے بہترین نسخہ ہے اور ظاہر ہے کہ یہی چیزیں نجات کی کنجی ہیں (۱) حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہ نے او جز المسالک میں جامع اصول الاولیاء کے حوالے سے فرمایا کہ امام ابوداؤد سے پہلے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے بھی اپنے صاحبزادے حماد کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ پانچ احادیث کو اپنی بنیاد بناؤ جن کو میں نے پانچ لاکھ احادیث سے منتخب کیا ہے، چارویں ہیں جن کو امام ابوداؤد نے ذکر فرمایا ہے اور ایک حدیث ”المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ“ ہے حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے امام ابوداؤد نے اس حدیث کو تیسری حدیث یعنی ”لایکون المؤمن مؤمناً“ میں داخل فرمایا ہو، کہ دونوں کا مضمون ایک ہے تو لہذا تعداد چار ہوگئی (۳)۔

شرائط و خصوصیات

- (۱) ان احادیث کی تخریج جو صحیح علی شرط الشیخین ہوں (۳)۔
- (۲) ان رواۃ کی احادیث جن کے ترک پر اجماع نہ ہو (۴)۔
- (۳) موضوع، مقلوب یا مجہول روایت کو نہیں لیتے مگر بوقت ضرورت، مثلاً اس باب سے متعلق کوئی صحیح روایت موجود نہ ہو یا خصم کی دلیل بیان کر کے اس پر جرح وغیرہ

(۱)..... بستان الحدیث: ۲۸۶۔

(۲)..... او جز المسالک: ۱۴۰/۱۴۱ کتاب ما جاء فی حسن الخلق۔

(۳)..... شروط الائمۃ المطبوع مع سنن ابن ماجہ: ۷۰۔

(۴)..... مختصر سنن ابی داؤد للمندری: ۸۔



کرنی ہو، البتہ انہوں نے یہ التزام کیا ہے کہ اکثر مواضع میں اس حدیث کا سقم بیان کرتے ہیں (۱)۔

(۴) رواۃ کے طبقات خمسہ میں سے طبقہ اولیٰ، ثانیہ اور ثالثہ کی احادیث کو بالاستیعاب لاتے ہیں اور کبھی طبقہ رابع کی احادیث کو متابعات میں ذکر کرتے ہیں (۲)۔

امام بوداؤد نے اہل مکہ کی درخواست پر ان کو ایک خط لکھ کر اس میں اپنی کتاب میں روایات کی نوعیت بیان فرمائی ہے (۳) اس خط میں وہ لکھتے ہیں: ”ذکرت فیہ الصحیح وما یشبهہه وبقاربہ، وما فیہ وھن شدید بینتہ، وما لا یفہم منہ وما بعضہ اصح من بعض“۔

صدیق حسن خان اس عبارت کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس میں حدیث کے ان اقسام کی طرف اشارہ ہے جو سنن ابوداؤد میں موجود ہیں (۱) الصحیح یعنی صحیح لذاتہ (۲) ما یشبهہ یعنی صحیح لغیرہ (۳) ما یقاربہ یعنی حسن لذاتہ (۴) ما فیہ وھن شدید (یعنی سقم بیان کرنے کے بعد) (۵) ما لا یفہم منہ یعنی جس میں وھن شدید نہ ہو، جب تک اس کا کوئی مؤید نہ ہو (۶) اگر اس کی کوئی مؤید حدیث مل جائے تو وہ حسن لغیرہ بن جائے گی (۴)۔

(۵) امام ابوداؤد کی عادت ہے کہ وہ اقدم کی روایت کو احفظ پر ترجیح دیتے ہیں چنانچہ اہل مکہ کی طرف ارسال کردہ خط میں لکھتے ہیں: ”فاعلموا انہ کذلک کله الا ان یکون قدروی من وجہین؛ إحدھما أقوى إسناداً، والآخر صاحبه أقدم فی

(۱)..... معالم السنن للخطابی مطبوع مع مختصر سنن ابی داؤد: ۱۱۔

(۲)..... شروط الائمہ الخمسہ مطبوع مع سنن ابن ماجہ: ۸۰۔

(۳)..... خط کے تفصیلی مندرجات کے لیے دیکھئے مقدمہ بذل المجہود: ۳۵۔

(۴)..... الخطۃ فی ذکر صحاح السنۃ: ۲۵۳۔

الحفظ، فریما کتبت ذلك۔

(۶) کبھی طویل حدیث کو مختصر بیان کرتے ہیں تاکہ سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔

(۷) اختصار کے پیش نظر ترجمۃ الباب ثابت کرنے کے لیے ایک ہی حدیث پر اکتفا فرمایا کرتے ہیں اور کسی باب میں اگر ایک سے زیادہ حدیث لاتے ہیں تو کسی خاص فائدہ کے لیے، اسی خط میں ہے: ”وإذا أعدت الحديث في الباب، من وجهين أو ثلاثة مع زيادة كلام فيه، وربما فيه كلمة زائدة على الحديث الطويل؛ لاني لو كتبت بطوله لم يعلم بعض من سمعه ولا يفهم موضع الفقه منه، فاختصرته لذلك۔“

(۸) علامہ خطابؒ نے فرماتے ہیں کہ اگر کسی مسئلے میں احادیث متعارض ہوں تو ایک باب قائم کرنے کے بعد دوسرے باب میں امام ابوداؤد معارض حدیث کی تخریج کرتے ہیں (۱)۔

(۹) اقاول ابوداؤد بھی ان خصوصیات میں سے ہیں جس میں امام صاحب منفرد ہیں، مختصر اور بہترین انداز میں کبھی الفاظ حدیث میں رواۃ کے اختلاف یا تعدد طرق کی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔

ضروری تنبیہ

خصوصیات ابوداؤد میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ اول السنن ہے، یعنی کتب حدیث میں سنن سے متعلق سب سے پہلی کتاب جو لکھی گئی وہ سنن ابوداؤد ہے، لیکن شیخ محمد بن جعفر الکتانی نے اس رائے سے اختلاف کیا ہے، وہ الرسالة المستطرفة میں لکھتے ہیں: قیل:

(۱)..... شروط الأئمة الستة: ۷۰، وشروط الأئمة الخمسة: ۸۳، مطبوع مع سنن ابن ماجہ۔



هو أول من صنف في السنن، وفيه نظر يتبين مما يأتى . مصنف نے کچھ صفحات کے بعد سنن امام شافعیؒ کا تذکرہ فرمایا ہے، امام شافعیؒ کی وفات ۲۰۴ھ میں ہے، جبکہ امام ابوداؤدؒ کی ولادت ۲۰۲ھ میں ہے تو مطلب یہ ہوا کہ سنن امام شافعیؒ پہلے ہے، لہذا سنن امام ابوداؤدؒ کو اول السنن کہنا محذو ش ہے (۱)۔

ما سکت عنه ابوداؤد کی بحث

امام ابوداؤدؒ صحیح روایات میں ایسے طریقے اختیار فرماتے ہیں کہ اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ روایت کس درجہ کی ہے، لیکن بعض مواقع پر ایسا ہوتا ہے کہ روایات نقل فرمانے کے بعد اس پر سکوت کرتے ہیں یعنی اس میں کسی قسم کا اضطراب بیان نہیں کرتے، اہل مکہ کی طرف ارسال کردہ خط میں وہ لکھتے ہیں: ”وما كان في كتابي من حديث فيه وهن شديد، فقد بينته منه ما لا يصح سندہ ومالم أذكر فيه شيئاً فهو صالح، وبعضها أصح من بعض“۔

امام صاحب کا یہ آخری جملہ اور سنن میں ان کا یہ طریقہ کار ایک معرکہ الآراء مسئلہ بن گیا ہے کہ جس حدیث پر امام صاحب سکوت فرماتے ہیں وہ کس درجہ کی ہوگی؟ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس قول کے پیش نظر اگر امام صاحب کسی حدیث پر سکوت فرماتے ہیں اور دوسرے محققین نے بھی اس پر کوئی کلام نہیں کیا ہے تو وہ حدیث امام صاحب کے نزدیک حسن ہے (۲) ابن حجرؒ نے فرمایا کہ نووی کے قول کا مطلب یہ ہے کہ جس حدیث پر امام صاحب نے سکوت فرمایا ہے، لیکن دوسرے محققین نے اس کو ضعیف قرار

(۱)..... دیکھئے الرسالة المسطر ذ: ۲۹، ۱۱۔

(۲)..... تدریب الراوی فی شرح تقریب: ۱/۱۶۷۔



دیا ہے تو امام ابوداؤد کے سکوت کی طرف توجہ نہیں کی جائے گی بلکہ اس پر ضعیف کا حکم لگایا جائے گا، پھر ابن حجر علامہ نووی پر اعتراض کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگرچہ نووی کا قول تحقیقی ہے لیکن وہ خود اپنے اس فیصلہ پر قائم نہیں رہے اور اپنی بعض تصانیف میں بہت سی احادیث کو صرف سکوت ابوداؤد کی وجہ سے حسن کا درجہ دے دیا ہے، حالانکہ وہ حسن نہیں ہیں (۱) مثلاً حدیث مسور بن یزید مالکی کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

”رواہ أبو داؤد بإسناد جید ومذهبه أن مالم يضعفه فهو عنده حسن“

(۲) حالانکہ اس کی سند میں یحییٰ بن کثیر کا بیلی ہے جو کہ ضعیف ہے (۳) ابن صلاح بھی علامہ نووی کے قول کے موافق ہیں وہ لکھتے ہیں: ”فعلى هذا ما وجدناه فى كتابه مذكوراً مطلقاً وليس فى واحد من الصحيحين ولا نص على صحته أحد ممن يميز عن الصحيح والحسن عرفناه بأنه من الحسن عند أبي داؤد“ (۴)۔

لیکن ابن کثیرؒ نے ابن صلاح کے قول پر نکتہ چینی کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ سنن ابوداؤد کے نسخے زیادہ ہونے کے ساتھ ان میں کافی فرق بھی ہے، بعض نسخوں میں بعض احادیث پر کلام موجود ہے، جبکہ دوسرے نسخوں میں نہیں، اسی طرح ابوعبیدہ آجری کے سوالات کے جواب میں بعض احادیث پر انہوں نے جرح فرمائی ہے حالانکہ ان روایات میں سے کچھ سنن میں بھی موجود ہیں تو اب سوال یہ ہے کہ ابن صلاح کے اس قول: ماسکت عنه ابو داؤد فهو حسن عنده، سے سکوت مطلق مراد ہے یا صرف سنن میں

(۱).....الکت علی کتاب ابن الصلاح: ۱/۴۴۴۔

(۲).....المجموع شرح المہذب للنووی، فرع مذاہب العلماء فی تلقین الامام: ۴/۴۴۱۔

(۳).....نسائی نے ان کو ضعیف اور حافظ ابن حجر نے لیئین الحدیث کہا ہے، دیکھئے تقریب التہذیب: ۵۹۵،

ان کی حدیث کی تخریج امام ابوداؤد نے کتاب الصلاۃ باب الفتح علی الامام میں فرمائی ہیں۔

(۴).....الکت علی کتاب ابن الصلاح: ۱/۴۴۵۔



سکوت مراد ہے، ابن صلاح نے اس کی تصریح نہیں کی ہے (۱)۔

علامہ عراقی نے اس اعتراض کا جواب یوں دیا ہے کہ امام صاحب ضعف شدید کے بیان کا اہتمام فرماتے ہیں اور یہ ہو سکتا ہے کہ سنن میں جن روایات پر انہوں نے سکوت کیا ہے اور دوسری تصانیف میں ان کو ضعیف قرار دیا ہے، ان میں ضعف شدید نہ ہو (۲)۔

علامہ سیوطیؒ نے فرمایا ہے کہ یہاں صالح سے مراد صالح للاحتجاج ہے جو صحیح اور حسن دونوں کو شامل ہے، لیکن احتیاطاً حسن مراد لیا جائے گا یا اس سے صالح للاعتبار مراد ہے تو اس صورت میں حدیث ضعیف کو بھی شامل ہوگا (۳) محقق کوثری نے بھی انہی دو احتمالات کو بیان فرمایا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”فہو صالح ای للاعتبار أو للحجة، وتعيين أحدهما تابع للقرينة القائمة كما هو شأن المشترك وأدعاء أنه صالح للحجة تقويل لأبي داؤد مالم يقله“ (۴)۔

ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ بعض نسخوں میں فہو صالح کے بجائے فہو حسن ہے (۵) اور حافظ صاحب فرماتے ہیں: ”فہذہ النسخة إن كانت معتمدة فہو نص فی موضع النزاع فیتعین المصیر الیہ“ (۶)۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ بظاہر یہ ایک روایت شاذہ ضعیفہ ہے اور صحیح روایت

(۱)..... اختصار علوم الحدیث لابن کثیر مع شرح الباعث الحثیث لاجد محمد شاکر: ۳۳-۳۵۔

(۲)..... دیکھئے محولہ بالا۔

(۳)..... تدریب الراوی: ۱/۱۶۸۔

(۴)..... دیکھئے تعلیقات استاد عبد الفتاح البونعدہ بر اعلیٰ السنن: ۵۱/۱۔

(۵)..... اختصار علوم الحدیث: ۳۳۔

(۶)..... التکت علی کتاب ابن الصلاح: ۱/۳۳۲۔



(فہو صالح) ہے جیسا کہ امام صاحب کے خط میں موجود ہے (۱) اس سلسلے میں حافظ صاحب کا قول بہت ہی لطیف اور تحقیقی ہے (۲) وہ فرماتے ہیں کہ امام ابوداؤد کے قول (وماکان فی کتابی من حدیث فیہ وھن شدید فقد بینتہ) کا مطلب یہ ہے کہ وہ وھن ضعیف کے بیان کا التزام نہیں فرماتے، لہذا جن روایات پر سکوت فرماتے ہیں وہ سب حسن اصطلاحی کے قبیل میں سے نہیں، بلکہ ان کی مختلف نوعیت ہوگی۔

(۱) بعض تو وہ ہیں جو صحیحین میں موجود ہیں۔

(۲) بعض اگرچہ صحیحین میں نہیں لیکن شرط صحت پر پوری اترتی ہیں۔

(۳) بعض حسن لذاتہ ہیں۔

(۴) بعض حسن لغیرہ ہیں۔

(۵) بعض ضعیف ہیں لیکن ان رواۃ سے مروی ہیں جن کے ترک پر اجماع

نہیں، مثلاً عبد اللہ بن محمد بن عقیل (متوفی ۱۴۰ھ کے بعد) (۳) موسیٰ بن وردان (متوفی

۱۱۷ھ) (۴) سلمۃ بن الفضل (متوفی ۱۹۱ھ) (۵) وغیرہ اور یہ سب اقسام امام صاحب

(۱)..... دیکھئے تعلیقات استاد عبدالفتاح ابوغندہ بر اعلیٰ السنن: ۱/۵۱۔

(۲)..... تفصیل کے لیے دیکھئے: الفت علی کتاب ابن الصلاح: ۱/۳۳۵۔

(۳)..... یہ ابو محمد عبد اللہ بن عقیل ابن عم النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، ان کی والدہ زینب بنت علی بن ابی طالب ہیں، ابن معین و یحییٰ بن سعید نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے، بخاری نے ان کو مقارب الحدیث فرمایا ہے اور امام احمد نے بھی ان کی روایات سے استدلال کیا ہے المتوفی ۱۴۰ھ کے بعد، دیکھئے سیر اعلام النبلاء: ۶/۲۰۴، تہذیب الکمال: ۱۶/۷۸۔

(۴)..... یہ ابو عمر مری ہیں، امام ابوداؤد نے ان کو ثقہ اور ابوحاتم نے ان کے بارے میں یس بہ یأس کہا ہے، ابن معین نے ان کو ضعیف اور یس بالقوی کہا ہے، دیکھئے سیر اعلام النبلاء: ۵/۱۰۷، تہذیب الکمال: ۲۹/۱۶۳۔

(۵)..... یہ ابو عبد اللہ الرازی ہیں، ابن معین اور ابن سعد نے ان کی توثیق، ابوحاتم اور نسائی نے تضعیف کی ہے، امام بخاری نے فرمایا ہے: "عندہ مناکیر وھنہ علی....." دیکھئے سیر اعلام النبلاء: ۹/۳۹-۵۰، تہذیب الکمال: ۱۱/۳۰۵۔



کے یہاں حجت ہیں، اس لیے کہ وہ حدیث ضعیف کو رائے رجال پر فوقیت دیتے ہیں، یہی مذہب امام احمد بن حنبل کا بھی ہے، اور ان کا قول ان کے صاحبزادے عبداللہ کے طریق سے مروی ہے: ”لا نکاد ترى أحداً ينظر في الرأي إلا وفي قلبه دغل، والحديث الضعيف أحب إلّی من الرأي“ ان کا صاحبزادے کا بیان ہے کہ میں نے اپنے والد سے سوال کیا کہ اگر کسی شہر میں ایک محدث ہو جو صحیح اور سقیم میں فرق نہ کر سکتا ہو اور ایک صاحب رائے، تو مسائل کس سے دریافت کئے جائیں، انہوں نے فرمایا: ”یسأل صاحب الحديث ولا یسأل صاحب الرأي“ (۱) ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اس مسئلہ میں امام ابوداؤد امام احمد کا اتباع کریں کیونکہ وہ امام احمد کے اجل تلامذہ میں سے ہیں (۲)۔

(۶) بعض مرتبہ ایسی روایات بھی لاتے ہیں جن کے رواۃ بہت ہی ضعیف اور متروک ہوتے ہیں جیسے حارث بن وحید (۳) اور عثمان بن واقد (۴) وغیرہ۔
(۷) ایسی روایات بھی سنن میں ملتی ہیں جن کی سند میں انقطاع یا ابہام ہے اور

(۱)..... دیکھئے مقدمہ اعلاء السنن: ۱/۵۹-۶۰۔

(۲)..... التکت علی کتاب ابن الصلاح: ۱/۳۳۷۔

(۳)..... یہ ابو محمد بصری ہیں یحییٰ بن معین نے فرمایا ہے: ”لیس حدیثہ بشی“ امام بخاری اور ابوحاتم فرماتے ہیں: ”فی حدیثہ بعض المناکیر“ امام نسائی نے بھی ان کو ضعیف کہا ہے، دیکھئے تہذیب الکمال: ۵/۳۰۴۔

(۴)..... ان کا نسب حضرت عمرؓ سے جاملتا ہے، احمد بن حنبل نے فرمایا: ”لا أرى به بأساً“ یحییٰ بن معین نے ان کی توثیق کی ہے، ابن حبان نے ان کا تذکرہ کتاب ”الثقات“ میں کیا ہے، امام ابوداؤد نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے، دیکھئے تہذیب الکمال: ۱۹/۵۰۴، لیکن حافظ ابن حجرؒ کا عثمان بن واقد کو متردین میں شمار کرنا مکمل نظر ہے۔



ان پر امام صاحب نے سکوت فرمایا ہے تو صرف سکوت ابو داؤد کی وجہ سے ان کو حسن نہیں کہا جائے گا، اس لیے کہ ان کا سکوت کبھی اس وجہ سے ہے کہ پہلے اس پر کلام ہو چکا ہے یا ذہول کی وجہ سے یا شدہ وضوح ضعف کے بنا پر، اسی طرح وہ بعض روایات کو نہایت ضعیف قرار دیتے ہیں، لیکن سنن میں اس پر سکوت فرماتے ہیں، مثلاً کتاب الطہارۃ باب التیمم فی الحضر میں محمد بن ثابت عبدی سے روایت لی ہے بغیر کسی تبصرے کے، لیکن کتاب التفرّد میں فرمایا ہے: ”لم یتابع أحد محمد بن ثابت علی هذا“ پھر امام احمد بن حنبل کا قول نقل کیا ہے: ہو حدیث منکر، لیکن غالباً یہاں حافظ صاحب سے سہو ہو گیا ہے کیونکہ امام صاحب نے ابو داؤد میں اس روایت پر کلام کیا ہے (۱)۔

علامہ منذری نے کہا کہ امام ابو داؤد نے بہت سی ضعیف احادیث پر سکوت فرمایا ہے اور میں نے ان کی نشاندہی کی ہے (۲) پھر علامہ شوکانی نے فرمایا کہ ابو داؤد اور منذری نے بعض احادیث پر سکوت کیا ہے، حالانکہ وہ ضعیف ہیں اور میں نے ان پر کلام کیا ہے (۳)۔

ابن قیمؒ نے بھی بعض روایات کے متعلق کہا ہے کہ وہ ضعیف ہیں اور کسی نے ان

(۱)..... حافظ ابن حجر کی طرف سے یہ اعتذار ممکن ہے کہ ان کے پاس موجود نسخہ میں وہ عبارت نہیں تھی جس کی حافظ صاحب نفی فرما رہے ہیں تفصیل کے لیے دیکھئے ڈاکٹر ربیع بن ہادی کا حاشیہ بر ”الکتب علی کتاب ابن الصلاح“ ۴/۳۳۲۔

(۲)..... دیکھئے تعلیقات استاد عبدالفتاح ابو غندہ بر اعلیٰ السنن: ۵۳۔

(۳)..... قال الشوکانی فی نیل الأوطار: ”وما سکتنا (أی ابو داؤد وال منذری) علیہ جمیعاً فلا شک أنه صالح للاحتجاج إلا فی مواضع یسیرة قد نبهت علی بعضها فی هذا الشرح“ نیل الأوطار: ۱/۳۳۔

پر کلام نہیں کیا ہے۔ (۱) تو مطلب یہ ہوا کہ ان چار حضرات کے سکوت کے بعد وہ روایت قابل احتجاج ہو سکتی ہے، البتہ یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ ابوداؤد کی تمام ضعیف روایات کی نشاندہی کر دی گئی ہے، اور اب کسی کو ان کے متعلق تحقیق و تفتیش کا حق نہیں بلکہ ہر محقق عالم کو یہ حق حاصل ہے کہ تمام اصول و قواعد کو مد نظر رکھ کر ان کے متعلق کوئی رائے قائم کرے چنانچہ ابوداؤد کے شروع میں ایک حدیث ہے: عن الحسن بن ذکوان عن مروان الصفر قال: "رأيت ابن عمر أناخ راحلته مستقبل القبلة ثم جلس يبول إليها الخ" (۲)۔ امام ابوداؤد، شوکانی، منذری نے اس پر سکوت کیا ہے، ابن حجر نے بھی کوئی کلام نہیں کیا ہے، البتہ فتح الباری میں اس کو حسن قرار دیا ہے، ان تمام حضرات کے سکوت کے بعد حضرت مولانا ظلیل احمد سہارنپوری علیہ الرحمۃ والغفران نے اس پر زبردست کلام کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

"سکوت المحدثين عليه وقول الحافظ: إسناده حسن، عجيب، فإن حسن بن ذكوان راوى الحديث ضعفه كثير من المحدثين، فكيف يصلح للاحتجاج به، فقد قال ابن معين وأبو حاتم: ضعيف، وقال أبو حاتم والنسائي أيضاً: ليس بالقوى، قال يحيى بن معين: منكر الحديث وضعفه، وقال ابن أبي الدنيا: ليس عندى بالقوى، وقال أحمد: أحاديثه أباطيل" (۳)۔

ابن سید الناس نے روایات ابوداؤد کے متعلق آراء علماء کو رد کیا ہے ان کا کہنا ہے

(۱)..... ابن قیم کہتے ہیں: وزدت عليه (أى على مختصر سنن أبى داود للمنذرى) من الكلام على علل

سکت (أى المنذرى) عنها أولم يكملها" شرح مختصر سنن أبى داود المطبوع مع

معالم السنن: ۹/۱۱۔

(۲)..... ابوداؤد: ۲/۱، باب کراہیۃ استقبال القبلة عند قضاء الحاجة۔

(۳)..... بذل المجہود: ۲۹/۱، باب کراہیۃ استقبال القبلة عند قضاء الحاجة۔



کہ امام مسلمؒ اور امام ابوداؤدؒ کی شرائط ایک جیسی ہیں۔ امام مسلمؒ نے فرمایا تھا کہ روات کے تین طبقے ہیں؛ ایک وہ جو حفظ و عدالت کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہے، دوسرا وہ جو صرف عدالت میں پہلے طبقہ کے برابر ہے اور تیسرا ضعفاء و مجاہیل کا طبقہ ہے اور ہم صرف پہلے دو طبقے کی روایات کو لائیں گے، امام ابوداؤدؒ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ وہ صحیح یعنی طبقہ اولیٰ و ما یشہدہ او یقار بہ یعنی طبقہ ثانیہ کی روایت کو لائیں گے، اور ان کی کتاب کے مطالعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے صرف طبقہ اولیٰ اور ثانیہ کی روایات کو درج کیا ہے اور طبقہ ثالثہ کی روایات کو نظر انداز کیا ہے، البتہ اتنی بات ہے کہ امام مسلمؒ نے اپنی کتاب میں صحیح کی شرط لگائی ہے اور وہ صرف صحیح احادیث کی تخریج فرماتے ہیں، بخلاف امام ابوداؤدؒ کے کہ وہ حدیث ضعیف کو بھی لیتے ہیں اور ان کا ضعف بھی بیان فرماتے ہیں اور احادیث ضعیفہ کو جاننا بھی اپنی جگہ بہت اہم چیز ہے (۱)۔

حافظ ابن حجر نے حافظ صلاح الدین علائی کی طرف سے اس اعتراض کا جواب یہ دیا ہے، کہ امام مسلمؒ طبقہ اولیٰ کی روایات کو اصالةً اور طبقہ ثانیہ کی روایات کو متابعات میں ذکر کرتے ہیں اور امام ابوداؤدؒ دونوں کی روایات اصالةً لاتے ہیں، لہذا دونوں کتابوں کے درمیان فرق واضح ہے (۲)۔

علامہ عراقی نے اس بات کا یوں جواب دیا ہے کہ امام مسلمؒ نے صحیح احادیث کا التزام کیا ہے، لہذا اہم ان کی کتاب کی کسی حدیث پر حسن کا حکم نہیں لگا سکتے، اس لیے کہ حسن کا درجہ صحیح سے کم ہے، بخلاف امام ابوداؤدؒ کے کہ انہوں نے فرمایا ہے: ”ماسکت عنہ فہو صالح“ اور صالح میں صحیح اور حسن دونوں داخل ہیں اور احتیاطاً حسن ہی مراد لیا جاوے گا

(۱).....تدریب الراوی: ۱/۱۶۸، التکت علی کتاب ابن الصلاح: ۱/۴۳۲۔

(۲).....التکت علی کتاب ابن الصلاح: ۱/۴۳۳۔



جب تک کہ صحیح ہونے کا یقین نہ ہو (۱) بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ دراصل امام مسلمؒ نے رجال کے تین طبقے بتائے ہیں اور امام ابوداؤد نے متون حدیث کی تین قسمیں بنائی ہیں یعنی امام مسلمؒ کی تقسیم رجال سے متعلق ہے اور امام ابوداؤد کی تقسیم متن حدیث سے اور یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی حدیث متن کے اعتبار سے صحیح ہو اور وہ امام ابوداؤد کی شرط پر پوری اترتی ہو، لیکن اس کے بعض رجال ضعیف ہوں جس کی وجہ سے امام مسلمؒ اس کو رد کرتے ہیں (۲)۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ امام مسلمؒ رواۃ کے پانچ طبقات میں سے طبقہ اولیٰ اور ثانیہ کی روایت کو اصالتہ اور طبقہ ثالثہ کی روایات کو متابعات میں ذکر کرتے ہیں اور امام ابوداؤد تینوں کی روایات کو اصالتہ لاتے ہیں، لہذا دونوں میں فرق واضح ہے، بعض نے کہا کہ امام ابوداؤد کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ضعف غیر شدید کے بیان کا التزام نہیں فرماتے، لہذا ان کی کتاب کا درجہ مسلم سے کم ہے (۳)۔

سنن ابوداؤد میں کوئی حدیث ثلاثی نہیں

نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ سنن ابوداؤد میں ایک حدیث ثلاثی ہے جو اس سند و متن کے ساتھ مروی ہے: حدثنا مسلم بن إبراهيم حدثنا عبد السلام بن أبي حازم أبو طالوت قال: شهدت أبا برزة دخل على عبيد الله بن زياد فحدثني فلان

(۱).....تدريب الراوى: ۱/۱۶۹، النكت على كتاب ابن الصلاح: ۱/۴۳۲۔

(۲).....تدريب الراوى: ۱/۱۶۹۔

(۳).....دیکھئے محولہ بالا۔



(۱) سماہ مسلم وکان فی السماط فلما رآہ عبید اللہ قال: إن محمد یکم هذا الدحداح، ففهمها الشیخ فقال: ”ما کنت أحسب أنى أبقی فی قوم یعبرونی بصحبة محمد صلی اللہ علیہ وسلم“ فقال له عبید اللہ: إن صحبة محمد صلی اللہ علیہ وسلم لك زین غیر شین، ثم قال: إنما بعثت إلیک لأسئلك عن الحوض سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یذكر فیہ شیئاً قال: فقال أبو برزہ: ”نعم لامرأة ولا ثنتين ولا ثلاثاً ولا أربعاً ولا خمسة فمن كذب به فلا سقاہ اللہ منه، ثم خرج مغضباً“۔

بقول نواب صاحب کے اس حدیث میں امام ابو داؤد اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تین واسطے ہیں: ایک مسلم بن ابراہیم، دوسرا عبد السلام اور تیسرا ابو برزہ، لہذا یہ حدیث ثلاثی ہے، لیکن نواب صاحب کی یہ بات نظر سے خالی نہیں اس لیے کہ عبد السلام نے صرف یہ کہا کہ میں نے حضرت ابو برزہ کو عبید اللہ کے پاس جاتے ہوئے دیکھا، باقی ان دنوں کے درمیان جو گفتگو ہوئی اس کو ابوطالوت از خود نقل نہیں کرتے بلکہ ایک دوسرے شخص (جس کا نام امام ابو داؤد کو یاد نہیں رہا) سے نقل کرتے ہیں تو گویا واسطے چار ہو گئے نہ کہ تین۔

حضرت مولانا غلیل احمد سہارنپوری نور اللہ مرقدہ بھی اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بذل الجود میں فرماتے ہیں: (شہدت أبا برزہ دخل علی عبید اللہ بن زیاد)..... ولم أدخل معه علی عبید اللہ بن زیادہ فلم أسمع الحدیث من غیر

(۱)..... قال الحافظ: ”عبد السلام بن أبی حازم، حدثنی فلان، عن أبی ہریرۃ، ہو عمہ، ولم أقف علی اسمہ“ التقرب باب المبهمات (بترتیب من روی عنہم) ص ۷۳۵۔ وقد أخرج الإمام أحمد فی مسنده حدیث الحوض هذا بروایة عبد السلام أبی طالوت، فسماہ فیہ من حدثہ وهو العباس الحریری: انظر مسند الإمام أحمد: ۴/۲۲۳۔



واسطہ (۱)۔

علامہ شمس الحق عظیم آبادی لکھتے ہیں: ”ولم یکن عبدالسلام حاضراً مع أبی برزہ فلم یسمع من أبی برزہ نفسه ماجری بین أبی برزہ و بین عبیداللہ بن زیاد“ (۲)۔

سنن ابوداؤد کے نسخے

سنن ابوداؤد کے متعدد نسخے ملتے ہیں، حضرت مولانا شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ اس کتاب کے تین نسخے مشہور ہیں، بلاؤ مشرق میں نسخہ لؤلؤی مشہور ہے۔ یہ ابوعلی محمد بن احمد بن عمرو، بصری لؤلؤی کا نسخہ ہے، جو بیس سال تک امام صاحب کی خدمت میں سنن پڑھتے رہے ان کو وراق ابوداؤد بھی کہا جاتا ہے (۳) انہوں نے سنہ ۳۳۳ھ میں وفات پائی (۴)۔

بلاؤ مغرب میں نسخہ ابن داسہ کی شہرت ہوئی یہ نسخہ ابوبکر محمد بن بکر بن محمد بصری کا ہے ان کی وفات ۳۳۶ھ میں ہوئی ہے (۵) تیسرا نسخہ ابن الاعرابی کا ہے ان کا پورا نام ابو سعید احمد بن محمد بن زیاد بصری ہے، ان کی ولادت سنہ ۲۴۰ھ کے بعد ہے اور ۳۴۰ھ میں وفات پائی ہے (۶) ابوعلی لؤلؤی کا نسخہ اصح النسخ سمجھا جاتا ہے، کیونکہ انہوں نے ۲۷۵ھ میں

(۱)..... بذل المجہود: ۱۸/۲۸۷۔

(۲)..... عون المعبود: ۱۳/۸۳-۸۴۔

(۳)..... والوزاق فی لغة اہل البصرة: القاری للناس، سیر اعلام النبلاء: ۱۵/۳۰۷۔

(۴)..... سیر اعلام النبلاء: ۱۵/۳۰۸۔

(۵)..... سیر اعلام النبلاء: ۱۵/۵۳۸۔

(۶)..... سیر اعلام النبلاء: ۱۵/۴۱۰۔



امام ابو داؤد سے روایت کیا ہے اور یہ آخری املاء ہے جو کہ امام صاحب نے کرایا ہے (۱) ابن الاعرابی کے نسخے میں کافی کمی پائی جاتی ہے، چنانچہ اس میں کتاب الفتن کتاب الملاحم، کتاب الحروف اور کچھ حصہ کتاب اللباس کا موجود نہیں۔ (۲) علامہ ذہبی نے لؤلؤ کا قول نقل فرمایا ہے: ”والزیادات التي في رواية ابن داسة، حذفها أبو داؤد آخراً لأمر رأيه في الإسناد“ (۳) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن داسہ کے نسخہ میں بنسبت نسخہ لؤلؤ کے کچھ زیادتی موجود ہے، اگرچہ ان دونوں میں زیادہ تر اختلاف تقدیم و تاخیر کا ہے، سنن ابو داؤد کے رواۃ کی فہرست میں ان کے علاوہ ابو یطیب احمد بن ابراہیم بن اشنانی بغدادی، ابو عمرو احمد بن علی بن حسن بصری، اسحاق بن مویٰ رملی (وراق ابو داؤد)، علی بن حسن بن عبد الصاری، ابواسامہ محمد بن عبد الملک وغیرہ کے نام بھی ملتے ہیں۔ (۴)

سنن ابو داؤد اہل فن کی نظر میں

سنن ابو داؤد کی سب سے بڑی قابل فخر خوبی یہ ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے اس کی تعریف و تحسین فرمائی ہے (۵)۔

ابن سبکی اپنے طبقات میں لکھتے ہیں: ”ھی من دواوین الإسلام والفقهاء

(۱)..... سیر اعلام النبلاء: ۱۳/۲۰۶ (حاشیہ)

(۲)..... مقدمہ تحفۃ الاحوزی: ۶۲۔

(۳)..... سیر اعلام النبلاء: ۱۵/۳۰۷۔

(۴)..... تہذیب الکمال: ۱۱/۳۶۰-۳۶۱ و سیر اعلام النبلاء: ۱۳/۲۰۵-۲۰۶۔

(۵)..... تہذیب الکمال: ۱۱/۳۶۳۔



لا یتحاشون من إطلاق لفظ الصحيح عليها وعلى سنن الترمذی“ (۱)۔

حسن بن محمد بن ابراہیم کا بیان ہے کہ میں نے ایک رات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، وہ ارشاد فرما رہے تھے کہ جو شخص سنن میں سمجھ کر ان پر عمل کرنا چاہے تو سنن ابوداؤد کا مطالعہ کرے۔ تنبی بن زکریا ساجی کا قول ہے: ”أصل الإسلام كتاب الله وعماده سنن أبي داود“ ابن الاعرابی فرماتے ہیں کہ اگر کسی کو کتاب اللہ اور سنن ابوداؤد کا علم حاصل ہو جائے (تو مقدمات دین میں) اسے کم ہی اور چیز کی ضرورت نہ ہوگی۔

علامہ نووی فرماتے ہیں کہ علم فقہ میں دلچسپی لینے والوں کے لیے ضروری ہے کہ سنن ابوداؤد کے اچھی طرح سمجھ کر اس کی معرفت حاصل کریں، اس لیے کہ احادیث احکام کا ایک بہت بڑا ذخیرہ اس میں موجود ہے (۲)۔

علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ سنن ابوداؤد ایسی شاندار و جاندار کتاب ہے کہ اس کی مثال ملنا مشکل ہے، تمام لوگوں کے درمیان مشہور و مقبول اور علماء کے اختلافی مسائل میں حاکم ہے، سب اس کی طرف رجوع کر کے خوشہ چینی کرتے ہیں، اگرچہ اہل خراسان صحیحین کے گردیدہ ہیں جو ترتیب اور کثرت مسائل فقہیہ کے لحاظ سے سنن ابوداؤد پر فائق ہے (۳)۔

امام صاحب خود اپنی کتاب کے بارے میں یہ فرماتے ہیں:

”لا أعلم شيئاً بعد القرآن ألزم للناس أن يتعلموا من هذا الكتاب،

(۱)..... الخطة في ذكر صحاح السنة: ۳۴۶، كشف الظنون: ۱۰۰۴/۳۔

(۲)..... تمام اقوال کے لیے دیکھئے، الخطة في ذكر صحاح السنة: ۲۳۵-۲۳۶۔ ومقدمة تحفة الاحوذی: ۶۱،

بستان المحمدین: ۲۸۷۔

(۳)..... دیکھئے مختصر سنن ابوداؤد: ۱۰۔



ولا يضر رجلاً أن لا يكتب من العلم بعد ما يكتب هذا الكتاب شيئاً، وإذا نظر فيه وتدبره وتفهمه حنيئذ يفهم قدره۔

میرے خیال میں قرآن حکیم کے بعد سب سے زیادہ ضرورت اس کتاب کے سیکھنے کی ہے اگر کوئی آدمی حدیث کی دوسری تمام کتابیں چھوڑ کر صرف اس کتاب کے لکھنے پر اکتفا کرے تو اس کے لیے کافی ہے، اس کی قدر وہی جانے گا جو اس میں غور و خوض کرے گا۔ (۱)

حافظ محمد بن خالد دوری کا قول ہے:

”لما صنف (أبوداؤد) السنن وقرأه على الناس، صار كتابه لأهل الحديث كالصحف يتبعونه“ (۲)۔

شروح و حواشی و مختصرات

سنن ابوداؤد پر کافی شروح و تعلیقات لکھی گئی ہیں، جن سے اس کتاب کا حسن قبول واضح ہو جاتا ہے ان میں سے چند کا تعارف درج ذیل ہے۔

(۱) معالم السنن از ابوسلیمان احمد بن محمد بن ابراہیم خطابی م ۳۸۸ھ۔

(۲) عجالة العالم من المعام از ابو محمود احمد بن محمد مقدسی م ۷۶۵ھ، یہ معالم السنن کی

مختصص ہے۔

(۳) لمبجی از زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری م ۶۵۶ھ۔

(۴) زہر الربی علی لمبجی از علامہ سیوطی ۹۱۱ھ یہ علامہ منذری کی کتاب ”لمبجی“

(۱) مقدمہ بذل المجہود: ۳۶۔

(۲) تہذیب الکمال: ۱۱/۳۶۵۔



کی شرح ہے۔

(۵) شرح مختصر سنن ابوداؤد از ابن قیمؒ الجوزیہ م ۵۱ھ، یہ بھی لمبھی کی شرح

وتہذیب ہے۔

(۶) مرقاۃ الصعود از سیوطی م ۹۱۱ھ۔

(۷) درجۃ مرقاۃ الصعود از علی بن سلیمان الدمشقی م ۱۳۰۶ھ، یہ علامہ سیوطی کی

کتاب کی تلخیص ہے۔

(۸) شرح سنن ابوداؤد از علامہ نووی م ۶۷۶ھ۔

(۹) شرح ابوداؤد از قطب الدین ابوبکر بن احمد م ۷۵۲ھ۔

(۱۰) شرح سنن ابوداؤد از حافظ علاء الدین مغلطای بن قلیج م ۷۶۲ھ، ناتمام۔

(۱۱) انتهاء السنن واقتفاء السنن از شہاب الدین ابومحمد بن محمد بن ابراہیم المقدسی م

۷۶۵ھ۔

(۱۲) شرح سنن ابوداؤد از سراج الدین عمر بن علی بن الملقن شافعی م ۸۰۴ھ۔

(۱۳) شرح سنن ابوداؤد از ابوزرعہ احمد بن عبدالرحیم عراقی م ۸۲۶ھ ۷ جلدوں

پر مشتمل ہے، صرف باب بحود السہو تک ہے۔

(۱۴) شرح سنن ابوداؤد از شہاب الدین احمد بن حسن ربلی مقدسی م ۸۴۴ھ۔

(۱۵) شرح سنن ابوداؤد از علامہ بدر الدین عینی م ۸۵۵ھ۔

(۱۶) شرح سنن ابوداؤد از شہاب الدین رسلان۔

(۱۷) فتح الودود از ابوالحسن عبدالہادی سندھی م ۱۱۳۹ھ۔

(۱۸) بذل المجہود از مولانا خلیل احمد سہارنپوری م ۱۳۳۶ھ۔

(۱۹) انوار المحمود، یہ حضرت شیخ الہند اور شاہ صاحب کی تقاریر کا مجموعہ ہے۔



(۲۰) التعلیق المحمود از مولانا فخر الحسن گنگوہی (م ۱۳۱۵)۔

(۲۱) فلاح و بہبود از مولانا محمد حنیف گنگوہی۔

(۲۲) الہدی المحمود از وحید الزمان بن مسیح الزمان۔

(۲۳) غایۃ المقصود از پرنس الحق ابوطیب عظیم آبادی لکھنوی (م ۱۳۳۹ھ)۔

(۲۴) عون المعبود از شیخ محمد اشرف۔ یہ غایۃ المقصود کی تلخیص ہے البتہ اس کی

جلد پرنس الحق صاحب کا نام ہے اور اس کی آخری عبارت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے خود اپنی شرح کی تلخیص کی ہے۔

(۲۵) المنہل المورود۔





امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ (۱)

نسب و نسبت

محمد بن عیسیٰ بن سورۃ بن موسیٰ الضحاک، بعض نے نسب یوں بیان کیا ہے: ”محمد بن عیسیٰ بن یزید بن سورۃ بن السکن“ (۲) بعض اس طرح بیان کرتے ہیں: ”محمد بن عیسیٰ بن سورۃ بن شداد بن عیسیٰ (۳) ابو عیسیٰ السلجی، الترمذی، البوغی، الضریر“۔

بوغ شہر ترمذ سے چھ فرسخ کے فاصلے پر واقع ایک قریہ کا نام ہے، امام ابو عیسیٰ اسی قریہ میں رہتے تھے اس لیے اس کی طرف نسبت کر کے بوغی کہا جاتا ہے اور چونکہ بوغ شہر ترمذ کے مضافات میں ہے تو اس کی طرف نسبت کر کے ترمذی بھی کہا جاتا ہے، البتہ لفظ ترمذ کے تلفظ و کیفیت میں قدرے اختلاف ہے، ترمذ، ترمذ، ترمذ، تین طرح سے پڑھا گیا ہے (۴) علامہ سمعانی کہتے ہیں کہ میں بارہ دن اس شہر میں رہا، وہاں کے لوگ ترمذ بولتے

(۱)..... امام ترمذیؒ کے حالات کے لیے دیکھئے: سیر اعلام النبلاء: ۳/۲۷۰، وفیات الاعیان: ۳/۲۷۸،

تہذیب الکمال: ۹/۳۸۷، الانساب: ۱/۴۱۵ فی نسبہ ”البوغی“ وفی صفحہ ۳۵۹ فی نسبہ الترمذی، معجم البلدان: ۱/۵۱۰ فی بیان بوغ و مجلد: ۲/۲۶ فی بیان ترمذ۔

(۲)..... دیکھئے تہذیب الکمال: ۲۶/۲۵۰۔

(۳)..... الانساب: ۱/۴۱۵ و ۳۵۹، البدایہ والنہایہ: ۱۱/۶۶۔

(۴)..... الانساب: ۱/۴۵۹، معجم البلدان: ۲/۲۶، وفیات الاعیان: ۳/۱۹۶۔

تھے۔ (۱) یہ دو نسبتیں آپ کی مشہور ہیں باقی چونکہ آپ کا تعلق قبیلہ سلم سے ہے تو سلمی بھی کہتے ہیں، آخر عمر میں آپ نابینا ہو گئے تھے اس لیے ضریر بھی کہا جاتا ہے۔

ابو عیسیٰ کنیت رکھنا

حدیث میں ابو عیسیٰ کنیت رکھنے کی ممانعت ہے، مصنف ابن ابی شیبہ میں روایت ہے: ”عن موسیٰ بن علی عن أبيه أن رجلاً اکتني بأبي عيسى، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن عيسى لأب له“ (۲)۔

اسی طرح حضرت عمرؓ اپنے ایک صاحبزادے پر اس وجہ سے غصہ ہوئے کہ اس نے اپنی کنیت ابو عیسیٰ رکھی تھی، حدیث میں اس ممانعت کی وجہ اور حکمت کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی باپ نہیں تھا، لہذا اگر کوئی ابو عیسیٰ کنیت رکھتا ہے اس سے فساد عقیدہ کا شبہ پیدا ہوتا ہے (۳) اب سوال یہ ہے کہ جب حدیث میں ممانعت موجود ہے تو امام ترمذی نے اپنی کنیت ابو عیسیٰ کیوں رکھی، بعض نے کہا کہ شاید یہ روایت امام ترمذی تک نہ پہنچی ہو یا یہ کہ آپ نے خود یہ کنیت اختیار نہ کی ہو بلکہ ان کے باپ، دادا نے یہ کنیت رکھی ہو (۴)۔

دوسرے حضرات نے کہا کہ امام صاحب نے اس روایت کو خلاف اولیٰ پر حمل فرمایا ہو گا نہ کہ حرمت پر، لیکن یہ باتیں اس جہل علم و تقویٰ کی شان کے خلاف ہیں، حضرت

(۱)..... الانساب ۱/۳۵۹۔

(۲)..... دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ باب ما یکرہ للرجل أن یکنی بأبی عیسیٰ۔

(۳)..... دیکھئے بذل المجہود: ۲۰/۱۹۸۔

(۴)..... حوالہ بالا۔



مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے فرمایا کہ امام ترمذیؒ کی طرف سے ایک ہی اعتذار پیش کیا جاسکتا ہے جو حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے بیان فرمایا کہ سنن ابوداؤد میں حضرت شعبہ کی روایت سے ابو عیسیٰ کنیت رکھنے کا جواز ثابت ہوتا ہے (۱) روایت یہ ہے:

”عن زید بن أسلم عن أبيه أن عمر بن الخطاب ضرب ابنه تكتي أباعيسى، وإن المغيرة بن شعبه تكتي بأبي عيسى، فقال له عمر: أما يكفيك أن تكتي بأبي عبد الله؟ فقال له: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كنانى، فقال: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قد غفر له ما تقدم من ذنبه وما تأخر، وإننا فى جلعحتنا، فلم يزل يكتي بأبي عبد الله حتى هلك“۔ (۲) حضرت عمرؓ نے اپنے لڑکے کو مارا جنہوں نے اپنی کنیت ابو عیسیٰ رکھی تھی، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی کنیت ابو عیسیٰ رکھی تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا آپ کو ابو عبد اللہ کی کنیت کافی نہیں؟ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس کنیت کے ساتھ پکارا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام بھول چوک اللہ نے معاف فرمادی تھیں اور ہم تو ایک امر مضطرب میں مبتلا ہیں، پھر انہوں نے مرتے دم تک اپنی کنیت ابو عبد اللہ ہی رکھی۔

تو گویا امام ترمذیؒ مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت کو ابتداءً اسلام پر محمول کرتے ہیں جبکہ فساد عقیدہ کا شبہ تھا اور حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بعد کی ہے اور اس سے جواز معلوم ہوتا ہے، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ اس جواب سے بھی مطمئن نہیں ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت مغیرہ کے قول ”کناننى رسول الله صلى الله عليه وسلم“ کے معنی یہ نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کنیت ابو عیسیٰ رکھی بلکہ معنی یہ ہیں کہ مجھے اس کنیت

(۱)..... العرف الشذی المطبوع مع جامع الترمذی: ۲/۱، معارف السنن: ۱۳/۱۔

(۲)..... دیکھئے سنن ابی داؤد، کتاب الأدب، باب فیمن یتکتی بأبی عیسی: ۳۲۲/۲۔



سے پکارا، اور پھر حضرت عمرؓ کا جواب بھی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کوئی غیر اولیٰ فعل کرتے تھے، بیان جواز کے لیے اور قاعدہ یہ ہے کہ رسول اگر کوئی غیر اولیٰ فعل کرے بیان جواز کے لیے، وہ فعل ان کے لیے مکروہ نہیں ہوگا بلکہ اس پر ثواب ملے گا، بخلاف عام لوگوں کے کہ ان کے حق میں کراہت ختم نہیں ہوتی، خلاصہ یہ ہوا کہ ابو عیسیٰ کی کنیت رکھنے کی کراہت اب بھی موجود ہے، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ختم نہیں ہوئی (۱)۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے فرمایا کہ ہو سکتا ہے امام ترمذی کو یہ کنیت اس لیے پسند ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کو اس کے ساتھ پکارا ہے تو اس سنت پر عمل کرنے کے لیے انہوں نے اس کراہت کا ارتکاب کیا ہو (۲)۔

بعض حضرات نے کہا کہ احادیث میں مرفوع متصل نہیں، ابن ابی شیبہ والی روایت مرسل ہے اور حضرت عمرؓ کا اثر کہ انہوں نے اپنے لڑکے کو مارا وہ بھی مرفوع کے حکم میں نہیں، لہذا بظاہر جواز ہی معلوم ہوتا ہے اور اگر حدیث کو مرفوع مان بھی لیا جائے تو اس میں ابو عیسیٰ کنیت رکھنے سے منع تو نہیں، بلکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزاحاً ایک امر واقع کا بیان فرمایا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی باپ نہیں ہے تو تم کہاں سے ابو عیسیٰ بن گئے! اس طرح کے مزاح احادیث میں وارد ہیں (۳) بہر حال شامی میں ہے: ”لا ینبغی أن یسمی بهذا“ (۴)۔

(۱)..... بستان الحدیث: ۲۹۴۔

(۲)..... بذل المجہود: ۲۰/۱۹۸-۱۹۹۔

(۳)..... مقدمہ تحفۃ الاحوذی: ۱۷۰۔

(۴)..... رد المحتار کتاب الخطر والاباحۃ: ۶/۴۱۸ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔

ولادت، وفات

آپ کی ولادت ۲۰۹ھ میں ہوئی (۱) تاریخ وفات میں اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ بروز دوشنبہ تیرہ رجب ۲۷۹ھ میں انتقال ہوا اور ترمذی میں مدفون ہوئے۔ (۲) سمعانی نے لکھا ہے کہ ۲۷۵ھ میں قریہ بوغ میں انتقال ہوا۔ (۳) حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے تیرہ رجب کے بجائے سترہ رجب فرمایا ہے (۴) مشہور قول پہلا ہے اور اس کے مطابق کل عمر ستر سال بنتی ہے، کسی نے آپ کی عمر اور تاریخ وفات کو اس شعر میں ظاہر کیا ہے:

الترمذی محمد ذوزین

عطر وفاة عمره فی عین

عطر سے تاریخ وفات اور عین سے کل عمر کی طرف اشارہ ہے۔

کیا امام ترمذیؒ پیدائشی نابینا تھے؟

بعض حضرات نے کہا ہے کہ امام ترمذی پیدائشی نابینا تھے (۶) لیکن یہ بات غلط ہے بلکہ امام صاحب آخر عمر میں نابینا ہوئے تھے، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ لکھتے ہیں: ”زہد

(۱)..... علامہ ذہبی فرماتے ہیں: ”ولد فی حدود سنة عشر ومئتين“ دیکھئے سیر اعلام النبلاء ۱۳/۲۷۱۔

(۲)..... سیر اعلام النبلاء ۱۳/۲۷۷، البدایہ والنہایہ: ۱۱/۶۷، وفیات الاعیان ۳/۲۷۸، تذکرۃ الحفاظ: ۲/۶۳۵۔

(۳)..... الانساب: ۱/۴۱۵، اس کے بعد صفحہ نمبر ۴۶۰ میں لکھتے ہیں: ”توفی بقریہ بوغ سنة نیف و سبعین ومائتین احد قری ترمذ“۔

(۴)..... بستان المحدثین: ۲۹۳۔

(۵)..... العرف الشذی مطبوع مع جامع الترمذی: ۲/۱، معارف السنن: ۱/۱۳۔

(۶)..... سیر اعلام النبلاء: ۱۳/۲۷۷۔

و خوف بحدے داشت کہ فوق آن متصور نیست، بخوف الہی بسیار گریہ وزاری کرد، و نابینا شد۔ (۱) امام ترمذی کی خدا ترسی تصور انسانی سے بالاتر تھی، اللہ کے خوف سے روتے روتے نابینا ہو گئے، اسی طرح عمر بن علق کا بیان ہے: ”بکی حتی عمی و بقی ضریر العینین“ (۲)۔

تحصیل علم

امام ترمذیؒ نے تحصیل علم کے لیے خراسان، عراق، حجاز کی طرف سفر کیا اور وہاں کے علماء سے کسب فیض کیا، البتہ مصر اور شام تشریف نہیں لے گئے (۳)۔

حیرت انگیز حافظہ

اللہ تعالیٰ نے امام ترمذیؒ کو حیران کن قوت حافظہ عطا فرمائی تھی، علامہ ذہبی لکھتے ہیں: ”قال أبو سعید الإدريسي: كان أبو عيسى يضرب به المثل في الحفظ“ (۴) امام ترمذیؒ قوت حافظہ میں ضرب المثل تھے، اس کا اندازہ اس واقعہ سے بھی

(۱).....بتان الحمد شين: ۲۹۰۔

(۲).....سير اعلام النبلاء: ۲۷۳/۱۳، تذكرة الحفاظ: ۶۳۴/۲، تهذيب التهذيب: ۳۷۹/۹ میں راوی کا نام عمران بن علان آیا ہے، ابن کثیر لکھتے ہیں: ”والذي يظهر من حال الترمذی أنه إنما طرأ عليه العمى بعد أن رحل وسمع وكتب وذاكر وناظر وصنف“ البدایة والنہایة: ۶۷/۱۱، علامہ ذہبی فرماتے ہیں: ”والصحيح أنه أضر في كبره بعد رحلته وكتابه العلم“ سير اعلام النبلاء: ۲۷۰/۱۳۔

(۳).....سير اعلام النبلاء: ۲۷۱/۱۳، تهذيب الكمال: ۲۵۱/۲۶۔

(۴).....سير اعلام النبلاء: ۲۷۳/۱۳، تذكرة الحفاظ: ۶۳۴/۲۔

ہو سکتا ہے کہ امام ترمذیؒ نے ایک شیخ کی روایات کے دو جزء نقل کئے تھے، مکہ کے راستہ میں اسی شیخ سے ملاقات ہوئی، امام صاحب نے سوچا کہ کیوں نہ براہ راست شیخ سے سماعت کروں، درخواست لے کر شیخ کے پاس گئے، انہوں نے منظور کر کے کہا میں پڑھتا جاؤنگا اور آپ اپنے نسخہ میں مقابلہ کرتے جاؤ، اتفاق سے وہ دو جزء امام صاحب کے سامان سفر میں نہ ملے تو وہ سادہ کاغذ لے کر بیٹھ گئے، شیخ کی نظر پڑ گئی، بہت سخت ناراض ہوئے، امام صاحب نے واقعہ سنایا اور کہا کہ وہ دو جزء مجھے از بر یاد ہیں اور پھر شیخ کے کہنے پر سنانا شروع کیا، شیخ نے کہا کہ آپ پہلے سے یاد کر کے آئے ہو، امام ترمذیؒ نے کہا امتحان کر لیجئے، انہوں نے چالیس غریب حدیثیں امام ترمذیؒ کے سامنے پڑھیں، پھر اسی وقت امام صاحب نے بغیر کسی غلطی کے ان کو وہ سب حدیثیں سنا دیں! (۱)۔

جلالتِ قدر

حضرت امام بخاریؒ کو اپنے اس شاگرد رشید پر ناز تھا، وہ فرماتے ہیں: ”ما انتفعت بك أكثر مما انتفعت بي“، (۲)۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ یہ بات بظاہر بعید نظر آتی ہے اس لیے کہ امام ترمذیؒ اگرچہ فن حدیث میں علم کے پہاڑ ہیں، لیکن امام بخاریؒ علم حدیث کی دنیا کا چمکتا ہوا سورج ہیں جو اپنی روشنی میں کسی کے محتاج نہیں تو اس قول کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے تلامذہ کی بنسبت آپ نے مجھ سے زیادہ علم حاصل کیا اور ظاہر ہے کہ شاگرد جتنا علم حاصل کرے

(۱)..... دیکھئے تذکرۃ الحفاظ: ۲/۶۳۵، سیر اعلام النبلاء: ۱۲/۲۷۳، تہذیب الہندیہ: ۹/۳۸۸،

الانساب: ۱/۳۱۵، بغیر لیسرو اللہ علم۔

(۲)..... تہذیب الہندیہ: ۹/۳۸۹۔



استاد کا فائدہ ہوتا ہے، چونکہ جس طرح شاگرد استفادہ کا محتاج ہے استاد بھی افادہ اور اپنے علم کی اشاعت کا ذمہ دار ہے، اگر شاگرد کی ہو تو اشاعتِ علم کا بہترین ذریعہ ہونے کے ساتھ دورانِ درس بھی ایسے سوالات کرتا ہے جو استاد کے لیے فائدہ سے خالی نہیں ہوتے (۱) علامہ ابن حجرؒ نے ادریسی کا قول نقل کیا ہے: ”کان الترمذی أحد الائمة الذین یقتدی بہم فی علم الحدیث“ (۲) امام ترمذی کے لیے ایک قابلِ فخر بات یہ بھی ہے کہ حضرت امام بخاریؒ نے ان سے دو حدیثیں سنی ہیں (۳)۔

ایک ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت:

”أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لعلی: لا یحل لأحد یحنب فی هذا المسجد غیری و غیرک (۴) قال الترمذی: سمع منی محمد بن إسماعیل“، دوسری حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سورہ ”حشر“ کی تفسیر میں (۵)۔

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ کا اپنے شاگرد سے حدیث سننا کوئی تعجب کی بات نہیں، وہ خود فرمایا کرتے تھے: ”لا یكون المحدث محدثا كاملا حتی یكتب عمن هو فوقه، وعمن هو دونہ وعمن هو مثله“ (۶)۔

عمران بن علان کہتے ہیں:

امام بخاریؒ وفات پا گئے اور خراسان کی زمین میں اپنا ایک ہی جانشین چھوڑ گئے

(۱)..... العرف الشذی المطبوع مع جامع الترمذی: ۲/۱، معارف السنن: ۱۵/۱۔

(۲)..... تہذیب التہذیب: ۳۸۸/۹۔

(۳)..... تہذیب التہذیب: ۳۸۷/۹۔

(۴)..... اخرجہ الترمذی فی مناقب علی بن ابی طالب: ۲/۲۱۳۔

(۵)..... اخرجہ الترمذی فی تفسیر سورۃ الحشر: ۲/۱۶۶۔

(۶)..... عمدة القاری: ۸/۱۔



ہیں جو علم و پرہیزگاری میں اپنی مثال آپ ہیں اور وہ امام ترمذیؒ ہیں (۱)۔

امام ترمذیؒ ابن حزم کی نظر میں

ابن حزم نے اپنی کتاب ”الایصال“ میں امام ترمذیؒ کے بارے میں لکھا ہے: ”هو مجهول“ اور اپنی دوسری تصنیف میں لکھا ہے: ”ومن محمد بن عيسى بن سورة؟“ (۲) ابن حزم کی اس تجہیل کو علماء نے بہت سخت رد کیا ہے (ابن حزم کا نام علی بن احمد بن سعید بن حزم اور کنیت ابو محمد ہے، ۳۸۴ھ میں شہر قرطبہ میں ان کی ولادت ہوئی اور ۴۵۶ھ میں وفات پائی) (۳)۔

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

”كان واسع الحفظ جداً، إلا أنه لثقله بحافظته كان يهجم على القول في التعديل والتجريح وتبيين اسماء الرواة، فيقع له من ذلك أو هام شنيعة“ (۴)۔
تاج الدین سبکی لکھتے ہیں:

ابن حزم ایک زبان دراز اور جرح و تعدیل میں بغیر کسی تحقیق کے اپنے گمان پر اعتماد کرتے ہوئے فیصلہ کرنے والے ہیں، اپنے الفاظ میں ائمہ اسلام کو ہدف تنقید بناتے ہیں اور ان کی کتاب ”المملل والنخل“ تو شر الکتب ہے، اس کتاب میں انہوں نے امام

(۱)..... تہذیب التہذیب: ۳۸۹/۹۔

(۲)..... البدایہ والنہایہ: ۹۷/۱۱، تہذیب التہذیب: ۳۸۸/۹، مقدمہ اعلاء السنن مع تعلیقات الشیخ عبد الفتاح: ۱/۱۶۵ مقدمہ تحفۃ الاحوذی۔

(۳)..... سیر اعلام النبلاء: ۸۴/۱۸، وفیات الاعیان: ۳۳۵/۳، تذکرۃ الحفاظ: ۱۱۳۶/۳، البدایہ والنہایہ: ۹۱/۱۲۔

(۴)..... لسان المیزان: ۱۹۸/۴۔



ابوالحسن اشعری پر سخت تنقید کرتے ہوئے ان کو کفر کے کنارے تک پہنچا دیا اور ان کے بدعتی ہونے کا فیصلہ کیا، محققین نے اس کتاب کے مطالعہ سے منع کیا ہے (۱)۔

امام ترمذیؒ کا دفاع کرتے ہوئے علامہ ذہبی فرماتے ہیں:

”الحافظ العالم أبو عيسى الترمذی صاحب ”الجامع“ ثقة مجتمعة عليه، ولا التفات إلى قول أبي محمد بن حزم فيه في الفرائض من كتاب ”الإيصال“: أنه مجهول، فإنه ما عرفه ولا درى بوجود ”الجامع“ ولا ”العلل“ اللذين له“ (۲)۔

حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

”ابن حزمؒ نے امام ترمذیؒ کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کر کے اپنے مرتبہ و مقام کو اہل علم کے نزدیک پست کیا ہے، نہ کہ امام صاحب کے مقام و منزلت کو“ (۳)۔

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

”کوئی یہ نہ سمجھے کہ ابن حزم امام ترمذیؒ کو جانتے نہیں تھے اور ان کی تصانیف و قوت حفظ کی اطلاع ان تک نہیں پہنچی تھی، بلکہ یہ اس آدمی کی عادت ہے جیسا کہ انہوں نے بہت سارے ثقہ حفاظ کے بارے میں اس جیسے جملے استعمال کئے ہیں، حالانکہ حافظ ابن فرضی (جو ابن حزم کے شہر کے ہیں) کی کتاب ”المؤتلف والمختلف“ میں امام ترمذیؒ کی تعریف و توثیق موجود ہے تو کیا ابن حزم نے اپنے شہر کے محقق و مصنف کی کتاب کا مطالعہ نہیں کیا؟“ (۴)۔

(۱)..... طبقات الشافعية الكبرى: ۱/۳۳۔

(۲)..... میزان الاعتدال: ۳/۶۷۸ ترجمہ محمد بن عیسیٰ۔

(۳)..... البدایہ والنہایہ: ۱۱/۶۷۔

(۴)..... تہذیب التہذیب: ۹/۳۸۸۔

شیوخ وتلامذہ

امام ترمذیؒ نے اپنے زمانے کے ہر خرمین علم سے خوشہ چینی کی، امام بخاری اور امام مسلمؒ جیسے ائمہ فن سے استفادہ کے ساتھ ساتھ ان کے بعض شیوخ میں بھی ان کے ساتھ شریک ہیں، جیسے قتیبہ بن سعید، علی بن حجر، محمد بن بشار، اسحاق بن راہویہ، ان کے تلامذہ میں ایک محمد بن احمد (۱) جو جامع کے رواۃ میں سے ہیں اور یثیم بن کلیب (۲) جو شمائل کے رواۃ میں سے ہیں وغیرہ مشہور ہیں۔

تصانيف

جامع ترمذی کے علاوہ بہت سی کتابیں یادگار چھوڑ گئے ہیں، جیسے ”علل صغریٰ“ جو جامع ترمذی کے ساتھ مطبوع ہے، ”علل کبریٰ“ یہ نایاب ہے، ”شماک النبی صلی اللہ علیہ وسلم“، یہ اپنے موضوع کی بہترین کتاب ہے اور اس کے پڑھنے میں بہت برکت ہے، شیخ عبدالحق اشعۃ اللمعات میں لکھتے ہیں:

”خواندن آن برای مهمات محرب اکابر است“ یعنی مشکلات میں اس کا پڑھنا بزرگوں کا مجرب ہے۔

(۱)..... یہ ابو العباس محمد بن احمد بن محبوب الحنبلہ المروزی ہیں، ۲۶۵ھ میں امام ترمذی سے استفادہ کرنے آئے جبکہ آپ کی عمر ۱۶ برس کی تھی، ۳۲۶ھ میں ان کا انتقال ہوا، دیکھئے سیر اعلام النبلاء ۱۵/۵۳۷، شذرات الذہب: ۲/۳۷۳۔

(۲)..... یہ ابوسعید الحشم بن کلب الشاشی الترمذی اور المسند الکبیر کے مصنف ہیں، ۳۳۵ھ میں سرقد میں انتقال ہوا، دیکھئے سیر اعلام النبلاء ۱۵/۳۵۹، تذکرۃ الحفاظ ۳/۸۲۸۔



”التاریخ، الزهد، الأسماء والكنی، الجرح والتعديل“ (۱) بھی ان کی

تصنیفات ہیں۔

مسلك

علامہ انور شاہ کشمیریؒ (۲) مولانا محمد یوسف بنوریؒ (۳) سید صدیق حسن خان (۴) نے امام ترمذیؒ کو شافعی کہا ہے، شیخ ابراہیم سندھی نے کہا کہ امام ترمذیؒ امام شافعی کے مقلد نہیں تھے بلکہ خود مجتہد تھے، اگرچہ اکثر مواقع میں ان کی تخریج امام شافعی کے مذہب سے ملتی جلتی ہے (۵) امام ابن تیمیہ نے ان کو اہل حدیث قرار دیا ہے (۶) اور حضرت شاہ ولی اللہ کی رائے میں یہ مجتہد منتسب الی احمد و اسحاق ہیں (۷)۔

کتاب کا نام

جامع ترمذی میں اصناف ثمانیہ (سیر، آداب، تفسیر، عقائد، فتن، احکام، اشراط،

(۱).....الأعلام: ۳۲۲/۶، البدایہ والنہایہ: ۶۶/۱۱-۶۷۔

(۲).....فیض الباری: ۵۸/۱، العرف الشذی: ۳۔

(۳).....مقدمہ معارف السنن: ۲۲۔ قال صاحب ”التحفة“ معترضاً علی الشیخ أنور شاہ: ”أن الترمذی لم یکن مقلداً للشافعی ولا لغيره، ولهذا اعترض علی تأویل الشافعی فی ”حدیث الإبراد“ فانه لیس من شأن المقلد الاعتراض علی إمامه“ . انتهى . قال الشیخ محمد یوسف: ”یالیت لو كان یعلم طبقات المقلدین ودرجاتهم والفرق بینهم، ویالیت لو كان یعلم الفرق بین تقلید اکابر المحدثین من السلف، وبین تقلید المتأخرین“ معارف السنن: ۵۶، ۵۵/۳۔

(۴).....ماتمس الیہ الحاجہ: ۲۵۔

(۵).....ماتمس الیہ الحاجہ: ۲۵-۲۶۔

(۶).....توجیہ النظر الی اصول الاثر: ۱۸۵۔

(۷).....ماتمس الیہ الحاجہ: ۲۶۔



مناقب) موجود ہیں لہذا اس پر ”جامع“ کا اطلاق کیا جاتا ہے، صاحب کشف الظنون نے کہا کہ عموماً اس کی نسبت مؤلف کی طرف کی جاتی ہے اور ”جامع الترمذی“ کہا جاتا ہے (۱) (جس طرح صحاح ستہ کی دوسری کتابوں میں ہوتا ہے) اسی طرح یہ کتاب ابواب فقہیہ کی ترتیب پر ہے، لہذا اسے ”السنن“ بھی کہا جاتا ہے، حاکم اور خطیب نے جامع ترمذی پر صحیح کا اطلاق کیا ہے لیکن ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ یہ اطلاق تغلیبی ہے، وگرنہ اس میں احادیث ضعیفہ بھی موجود ہیں، لہذا اس پر تعلیماً ”الجامع الصحیح“ کا اطلاق بھی کیا جاسکتا ہے، لیکن پہلا نام زیادہ مشہور ہے۔

عادات امام ترمذی رحمہ اللہ

(۱) اکثر ابواب خصوصاً ابواب متعلقہ بالا حکام میں ایک ہی روایت لاتے ہیں اور اس باب کے تحت آنے والی باقی روایات کی طرف ”وفی الباب عن فلان وفلان“ سے اشارہ کرتے ہیں۔

(۲) جتنے صحابہ کی روایت پیش نظر ہوتی ہیں ”وفی الباب“ میں ان کی طرف اشارہ کرتے ہیں (۲) علامہ عراقی فرماتے ہیں کہ ”وفی الباب“، سے صرف اوپر والی حدیث کی طرف اشارہ نہیں بلکہ وہ تمام روایات پیش نظر ہیں جو باب میں آ سکتی ہیں۔ (۳) بعد کے علماء و مصنفین نے ”وفی الباب“ کی روایات کی تخریج و تشریح پر کام کیا ہے، حافظ ابن حجر کی کتاب ”اللباب فیما یقولہ الترمذی وفی الباب“ اور علامہ عراقی کی ایک کتاب کا تذکرہ

(۱)..... کشف الظنون: ۱/۵۵۹۔ مقدمہ تحفۃ الأحموزی: ۱۸۱۔

(۲)..... نفع قوت المغتذی المطبوع مع جامع الترمذی: ۲/۱، الکوکب الدرر: ۱/۳۳، مقدمہ تحفۃ الاحوزی: ۱۹۰۔

(۳)..... تحفۃ الاحوزی ج ۱ ص ۹۔



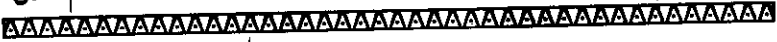
ماتا ہے، حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے بھی اس سلسلہ میں اہم کام شروع فرمایا تھا اور اس کا نام لب الباب تجویز فرمایا تھا، معارف السنن میں فرماتے ہیں:

”قد بدأت والحمد لله في تأليف كتاب في تخریج احادیث ما فی الباب بنمط بدیع وأسلوب جيد، ولو تم الكتاب لوقع في جذر قلوب أولى الألباب“ (۱)۔

(۳) کبھی مشہور حدیث کو ترجمہ کے تحت نہیں لاتے بلکہ دوسری غیر مشہور حدیث لاتے ہیں، پھر ”وفی الباب“ میں اس مشہور حدیث کی طرف اشارہ کرتے ہیں، اس طریق کار میں غیر مشہور حدیث سے واقف کرانا اور اس کی علتِ خفیہ یا متن کی کمی زیادتی پر متنبہ کرنا مقصود ہے (۲)۔

(۴) بالعموم امام ترمذیؒ کی عادت ہے کہ ”وفی الباب“ میں صحابہؓ کے اسماء مبارکہ کو ذکر کرتے ہیں، لیکن کبھی ”عن فلان عن ایہ“ کہتے ہیں، یہاں مقصود بالذکر باپ ہی ہوتا ہے لیکن بیٹے کا نام اس وجہ سے ذکر کرتے ہیں کہ اس صحابی سے سوائے ان کے بیٹے کے کوئی اور روایت کرنے والا نہیں ہے، مثلاً ”باب ماجاء لاتقبل صلاة بغیر طهور“ میں ”وفی الباب عن أبی الملیح عن ایہ“ کہا، یا ”باب ماجاء فی الزکاة من التشدید“ میں ”وفی الباب عن قبیصة بن هلب عن ایہ“ کہا، تو تنبیہ اس بات پر (۱)..... معارف السنن: ۳۶/۱، مزید فرماتے ہیں: ”وأکبر عون علی تخریج ما فی الباب بعد الصحاح“ مسند أحمد بن حنبل“ و”زوائد الهیثمی“، وکتب التخریجات، ومن أنفعها وأوسعها” نصب الراية“ للمحافظ جمال الدین الزیلعی ثم ”تلخیص الحبیر“ للمحافظ ابن حجر۔ انتہی۔

(۲)..... نفع قوت المعتدی المطبوع مع جامع الترمذی: ۲/۱، مقدمہ تحفۃ الاحوذی: علامہ محمد یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں: ”هذا غیر مطرد فی الأبواب، نعم تارة يكون الأمر هكذا“ معارف السنن: ۳۵/۱۔



کرتے ہیں کہ اسامہ بن عمیر ہذلی بصریؓ (۱) ان کے بیٹے ابوالخیر کے علاوہ اور حلب طائی (۲) سے ان کے بیٹے قبیصہ کے علاوہ اور کوئی روایت نہیں کرتا، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ صحابی کے نام میں اختلاف ہوتا ہے تو التباس دور کرنے کے لیے بیٹے کا نام ذکر کرتے ہیں۔

(۵) عام طور پر جس صحابی کی روایت ذکر کرتے ہیں پھر دوبارہ ”وفی الباب“ میں ان کا ذکر نہیں ہوتا، لیکن بعض مقامات پر اس کے خلاف بھی موجود ہے، مثلاً ”باب حرمة خاتم الذهب“ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر کی ہے۔ ”قال: نهاني رسول الله صلى الله عليه وسلم عن التختيم بالذهب وعن لباس القسي“ (۳)۔ پھر عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے پھر ”وفی الباب عن علیؓ فرمایا، علامہ عراقی فرماتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت کے علاوہ کسی دوسری روایت کی طرف اشارہ ہے، یعنی وہ روایت جسے امام احمد، ابوداؤد اور نسائی نے نقل کیا ہے: ”إن النبي صلى الله عليه وسلم أخذ حبراً فجعله في يمينه، وأخذ ذهباً فجعله في شماله، ثم قال: إن هذين حرام علي ذكوري أمتي“ (۴)۔

(۶) امام ترمذیؒ جب کسی حدیث پر ”حسن وغریب“ کا حکم لگاتے ہیں تو عموماً

(۱)..... ابن حجر تقریب التہذیب میں لکھتے ہیں: ”أسامة بن عمير بن عامر بن الأقيشر الهذلي،

البصري، والد أبي المليح، صحابي، تفرد ولده عنه“ دیکھئے تقریب التہذیب: ۹۸۔

(۲)..... حلب، بضم أوله وسكون اللام ثم موحدة، الطائي صحابي، قيل: اسمه يزيد وهلب

لقب، وفد على النبي صلى الله عليه وسلم وهو أقرع، فمسح رأسه فنبت شعره،

سكن الكوفة، وروى عن النبي صلى الله عليه وسلم وعنه ابنه قبيصة، دیکھئے تقریب

التہذیب: ۵۷۷، تہذیب التہذیب: ۶۶/۱۱۔

(۳)..... دیکھئے جامع ترمذی، ابواب اللباس، باب کراہیۃ خاتم الذهب: ۳۰۴/۱۔

(۴)..... مقدمہ تحفۃ الاحوذی: ۱۹۱ والحدیث أخرجا ابوداؤد فی کتاب اللباس باب فی الحریر للنساء: ۲۰۵/۲۔



”حسن“ کو مقدم کر کے ”حسن غریب“ کہتے ہیں لیکن بعض مقامات پر اس کا عکس بھی کیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ امام ترمذی ”اجتماع وصفین کے وقت وصف غالب کو مقدم کرتے ہیں، اگر غرابت غالب ہو تو غریب کو مقدم کرتے ہیں اور اگر وصف حسن غالب ہو تو حسن کو مقدم لاتے ہیں (۱)۔

(۷) رواۃ کی جرح و تعدیل ذکر کرتے ہیں۔

(۸) راوی کے نام اور کنیت کی وضاحت کرتے ہیں۔

(۹) سلف کا تعامل بیان کرتے ہیں۔

(۱۰) ائمہ کے مذاہب پر تقریباً ہر باب میں تنبیہ کرتے ہیں۔

(۱۱) ترتیب عمدہ ہے مگر ابھی نہیں۔

(۱۲) امام ترمذی کی تمام روایات معمول بہا ہیں، امام صاحب کتاب العلل میں فرماتے ہیں: ”اس کتاب میں دو حدیثوں کے علاوہ کوئی حدیث ایسی نہیں جس پر امت میں کسی نہ کسی کا عمل نہ ہو، ایک حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ہے ”جمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین الظهر والعصر بالمدينة“ اور دوسری حدیث: ”من شرب الخمر فاجلدوه، فان عاد فی الرابعة فاقتلوه“ (۲) یہ امام ترمذی کا اپنا خیال ہے ورنہ حنفیہ کے یہاں یہ دونوں حدیث معمول بہا ہیں، بایں طور کہ پہلی حدیث جمع صوری پر معمول ہے اور دوسری سیاست و تہذیر پر، تو گویا جامع ترمذی کی تمام روایات معمول بہا ہیں (۳)۔

(۱).....العرف الثمذی المطبوع مع جامع الترمذی: ۱/۷، معارف السنن: ۱/۸۶۔

(۲).....العلل الصغری للترمذی المطبوع فی آخر جامع الترمذی: ۲/۲۳۳۔

(۳).....تفصیل کے لیے دیکھئے معارف السنن: ۲/۱۶۷، باب اجاء فی الجمع بین الصلاتین، العرف الثمذی المطبوع مع جامع الترمذی: ۲۳۳۔



(۱۳) امام ترمذیؒ احادیث کی اقسام بھی بیان فرماتے ہیں جیسے حسن، صحیح،

ضعیف۔

تنبیہ

امام ترمذیؒ حدیث کی نوعیت تو بیان کرتے ہیں لیکن یہ بات ذہن نشین ہونی چاہیے کہ امام ترمذیؒ تصحیح و تحمین میں متساہل ہیں (۱) اور بہت سی ضعیف روایات کو انہوں نے حسن قرار دیا ہے، ان میں سے چند درج ذیل ہیں۔

۱۔ حدیث کثیر بن عبد اللہ عن أبيه عن جده: "أن النبي صلى الله عليه وسلم كبر في العيدين في الأولى سبعا قبل القراءة وفي الآخرة خمسا قبل القراءة" اس حدیث کے متعلق امام ترمذیؒ فرماتے ہیں "حدیث جد کثیر حدیث حسن، وهو أحسن شيء روى في هذا الباب" (۲) اور اپنی کتاب "العلل الکبریٰ" میں لکھتے ہیں: "سالت محمدا عن هذا الحديث..... فقال: ليس شيء في هذا الباب أصح منه، وبه أقول" (۳) امام ترمذیؒ نے اس حدیث کی تحمین کی ہے، حالانکہ

(۱)..... مقدمة العلماء السن: ۱/۱۱۶، مقدمة الكوكب الدر: ۱/۱۷۱ مقدمة تحفة الاحوذی: ۱۷۱۔

(۲)..... جامع الترمذی ابواب العیدین باب فی التکبیر فی العید: ۱/۱۹ حضرت مولانا نور شاہ کشمیری لکھتے ہیں: "قال المحافظ أبو الخطاب بن دحية المغربي: إن أقبح الأحاديث التي أخرجها الترمذی وحسنها رواية كثير بن عبد الله في تكبيرات العيدين وأما ابن دحية فمتكلم فيه، فقيل: إنه وضاع، ولكن لا أسلمه، نعم إنه رجل غير مبالي" انتہی۔ دیکھئے العرف الشذی المطبوع مع جامع الترمذی: ۱/۱۱۷۔

(۳)..... الكاشف وتعليقاته: ج ۲/۲۵ رقم ۳۷۶۔



اس کی سند میں کثیر بن عبد اللہ ہیں جن کی اکثر محدثین نے تضعیف کی ہے۔

قال ابن معین: "لیس بشیء، وقال الشافعی وأبو داود: رکن من أركان

الکذب وضرب أحمد علی حدیثه، قال الدارقطنی وغیره: متروک" (۱)۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: "أنکر جماعة تحسینہ علی الترمذی" (۲)۔

۲۔ اسی کثیر بن عبد اللہ کی ایک اور روایت جامع ترمذی میں ہے۔

"إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين

إلا صلحا حرم حلالا أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم إلا شرطا حرم

حلالا أو أحل حراما" (۳) امام ترمذی اس کی تحسین کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "هذا

حدیث حسن صحیح" (۴)۔

حضرت مولانا انور شاہ کشمیری نے فرمایا: "قال أحمد: إنه لا يساوى

درهما" (۵)۔

صاحب میزان الاعتدال لکھتے ہیں: "وأما الترمذی فروى عن كثير بن

عبد الله "الصلح جائز بين المسلمين" وصححه؛ فلهذا لا يعتمد العلماء على

تصحیح الترمذی" (۶) البتہ یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ امام ترمذی کے تساہل کے باوجود

(۱)..... میزان الاعتدال للذہبی: ۳/۳۰۶۔

(۲)..... تلخیص الحیر کتاب الصلاة: ۲/۸۴۔

(۳)..... دیکھئے جامع ترمذی، أبواب الأحکام، باب ما ذکر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی

الصلح بین الناس: ۱/۲۵۱۔

(۴)..... مجملہ بالا۔

(۵)..... العرف الخدی المطبوع مع جامع الترمذی: ۱/۲۵۰۔

(۶)..... میزان الاعتدال للذہبی: ۳/۴۷۔



ان کی کتاب میں کوئی موضوع حدیث موجود نہیں۔

بعض اصطلاحات کی تشریح

ہذا حدیث صحیح

صحیح کی دو قسمیں ہیں

۱۔ صحیح لذاتہ: ”مارواه العدل تام الضبط باتصال السند من غیر شنو ذوالاعلہ“۔

۲۔ صحیح لغیرہ جس کے تصور ضبط کی تعدد طرق سے تلافی ہو گئی ہو۔

ہذا حدیث حسن

حسن کی بھی دو قسمیں ہیں

۱۔ حسن لذاتہ: وہ حدیث ہے جس میں کوئی ایک راوی ضعیف الضبط ہو لیکن صحیح

کی دوسری شرائط بدستور اس میں موجود ہوں۔

۲۔ حسن لغیرہ: وہ ضعیف حدیث جو طرق متعددہ سے مروی ہو اور اس کا کوئی

متابع موجود ہو (۱) امام ابن تیمیہؒ نے کہا ہے کہ ”حدیث حسن“، امام ترمذی کی ایجاد ہے، ان سے پہلے جو محدثین تھے حدیث کی دو قسمیں بتاتے تھے، صحیح اور ضعیف (و اول ماعرف انه

قسم الحدیث ثلاثة اقسام: صحيح وحسن وضعيف هو ابو عيسى الترمذی فی

جامعہ) (۲)۔

(۱)..... تعریفات کے لیے دیکھیے: مقدمہ اعلاء السنن: ۲۴۔

(۲)..... قاعدة جلیلیہ فی التوسل والوسیلۃ: ۸۲، و مجموع الفتاوی: ۲۵۱/۱۔

امام ابن تیمیہؒ کی یہ بات نظر سے خالی نہیں، اس لیے کہ امام ترمذیؒ کے استاذ حضرت امام بخاریؒ اور دوسرے محدثین جو امام ترمذی سے پہلے کے ہیں، نے بعض احادیث پر حسن کا حکم لگایا ہے، امام ترمذیؒ اپنی کتاب میں حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کرتے ہیں:

”إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من زرع في أرض قوم بغير إذنهم، فليس له من الزرع شيء، وله نفقته“ (۱) اس کے بعد فرماتے ہیں: ”سالت محمد بن إسماعيل عن هذا الحديث، فقال: هو حديث حسن“ اور بھی احادیث اس طرح کی ہیں۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام علی بن المدینی عموماً احادیث پر صحیح یا حسن کا حکم لگاتے ہیں بظاہر وہ حدیث حسن کے موجود ہیں، ان سے یہ اصطلاح امام بخاری نے اور امام بخاری سے امام ترمذی نے اخذ کی (۲) البتہ امام ترمذی یہ اصطلاح بہت استعمال کرتے ہیں، اس لیے ابن صلاح نے فرمایا: ”كتاب أبي عيسى الترمذی أصل في معرفة الحديث الحسن“ (۳)۔

هذا حديث حسن صحيح

امام ترمذی نے یہاں حسن اور صحیح کو جمع کر دیا ہے یہ جمع قابل اعتراض ہے اس

(۱)..... دیکھئے جامع ترمذی ابواب الاحکام، باب ما جاء من زرع في أرض قوم بغير إذنهم: ۲۵۳/۱۔

(۲)..... دیکھئے الکت علی کتاب ابن الصلاح: ۳۲۶/۱ ثم اعلم أن الحافظ قد ذكر بحثا مشبعا

فارجعه إن شئت. النكت المجلد الأول من الصفحة ۴۲۴ إلى ۴۲۹۔

(۳)..... مقدمہ ابن الصلاح: ۱۵-۱۶ (مکتبہ فاروقی) ملتان۔



لیے کہ صحیح اور حسن میں تضاد ہے، صحیح میں حافظہ اعلیٰ درجے کا ہونا چاہیے اور حسن میں حافظہ کے اندر قصور ہوتا ہے، لہذا صحیح و حسن جمع نہیں ہو سکتے۔

۱۔ یہاں صحیح اور حسن کے اصطلاحی معنی مراد نہیں جو اعتراض کیا جائے بلکہ لغوی معنی مراد ہیں، یعنی ”ماتمیل إلیہ النفس وتستحسنہ“ (۱) لیکن یہ جواب غلط ہے، اول تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر حدیث ایسی ہوتی ہے جس کو نفس پسند کرتا ہے، پھر امام ترمذی کا ”ہذا حدیث حسن صحیح“ کہنے کا کیا فائدہ؟

دوم یہ کہ اگر معنی لغوی مراد لیا جائے تو یہ بات موضوع اور ضعیف حدیثوں پر بھی صادق آئیگی (۲) کیونکہ جو آدمی موضوع یا ضعیف حدیث بناتا ہے تو وہ اس کا مضمون اچھا ہی بناتا ہے اور امام ترمذی موضوع اور ضعیف کے لیے یہ عنوان استعمال نہیں کرتے۔

سوم یہ کہ کتاب حدیث کی ہے اور باقی تمام اصطلاحات محدثین کی استعمال کر رہے ہیں پھر ”حسن صحیح“ میں اصطلاح قوم سے اعراض، اصول کے خلاف ہے (۳)۔

۲۔ علامہ ابن دقیق العید فرماتے ہیں کہ صحیح کو بشرط اثنیٰ کے درجے میں لیا جائے یعنی اس میں کمال ضبط و اتقان و عدالت وغیرہ کی رعایت رکھی جائے اور حسن کو لا بشرط اثنیٰ

(۱)..... دیکھئے اللکوب الدرر: ۳۱/۱، اسی طرح ابن الصلاح لکھتے ہیں: ”إن المراد بالحسن فقط

معناه اللغوی (دون الصحيح)“ مقدمہ ابن الصلاح: ۱۹۔

(۲)..... حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ”هذا الإلزام عجیب لأن ابن الصلاح إنما فرض المسألة

حيث يقول القائل حسن صحيح، فحكمه عليه بالصحة يمنع معه أن يكون موضوعاً،

قلت: هذا إذا كان الحسن فقط بالمعنى اللغوی، وأما إذا كان المراد بالصحيح أيضاً

معناه اللغوی (كما ذكره الشيخ الجنجوهی) فالإيراد وارد“۔

(۳)..... تینوں اعتراضات کا ذکر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے فرمایا ہے، دیکھئے: اللکوب

الدرر: ۳۱/۱۔



کے درجے میں لیا جائے، یعنی نہ قصور حافظہ کی قید ہو نہ کمال حافظہ کی تو اب ہر صحیح حسن ہو گی، لیکن ہر حسن صحیح نہیں ہوگی عموم خصوص مطلق کی نسبت ہوگی، لہذا دونوں جمع ہو جائینگے (۱) حافظ ابن حجرؒ نے بھی اس جواب کو پسند فرمایا (۲) لیکن یہ جواب بھی اس لیے مشکوک ہے کہ محدثین کی اصطلاح کے خلاف ہے، ان کی اصطلاح میں حسن میں قصور ضبط شرط ہے۔

۳۔ حافظ ابن کثیر نے فرمایا کہ حسن اور صحیح کے درمیان ایک متوسط درجہ ہے جسے حسن صحیح کہا جاتا ہے یعنی وہ روایت جس کے راوی میں ضبط کا نقصان اتنا نہ ہو جتنا حسن کے راوی میں ہوتا ہے اور اتنا کمال بھی نہ ہو جتنا صحیح کے راوی میں ہوتا ہے، یعنی بین بین ہو (۳) جیسے حلو میٹھا، حامض کھٹا اور حلو حامض کٹھا میٹھا، یہ جواب محل نظر ہے، کیونکہ یہ بھی اصطلاح محدثین کے خلاف ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ امام ترمذی نے حسن صحیح کا اطلاق کئی جگہ ان حدیثوں پر کیا ہے جو بالکل صحیح ہوتی ہیں تو اگر یہ جواب صحیح تسلیم کیا جائے تو وہ تمام حدیثیں جو عند المحدثین صحیح ہیں، امام ترمذی کے ہاں صحیح کے درجے سے گری ہوئی ہوں گی حالانکہ ایسا نہیں، یہ اعتراض علامہ زرکشی اور ابن حجرؒ نے ابن کثیر پر کیا ہے (۴)۔

۴۔ علامہ زرکشی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہوتی ہے اور حسن کا لفظ بطور تاکید

(۱)..... دیکھئے تدریب الراوی للسیوطی: ۱/۱۶۳۔

(۲)..... حافظ قمر ماتے ہیں: ”فی الجملة أقوى الأجوبة ما أحاب به ابن دقيق العيد“ دیکھئے التلک علی کتاب ابن الصلاح: ۱/۴۷۸، مولانا محمد یوسف بنوری لکھتے ہیں: ”هذا الجواب هو الصواب عن شيخنا (الشيخ أنور شاه کشمیری) وهو من أحسن ما أجيب به“ دیکھئے معارف السنن: ۱/۴۴۔

(۳)..... اختصار علوم الحديث مع شرح الباعث الحثيث: ۳۶۔

(۴)..... دیکھئے التلک علی کتاب ابن الصلاح: ۱/۴۷۷۔

کے بڑھادیے ہیں، اس پر یہ اعتراض ہے کہ تاکید بعد میں آیا کرتی ہے اور امامؒ ترمذی حسنؒ پہلے کہتے ہیں (۱)۔

۵۔ علامہ زرکشی نے دوسرا جواب یہ دیا کہ محدث جب تک ضبط و عدالت کے اعلیٰ مقام تک نہیں پہنچتا اس کی حدیث حسن ہوتی ہے اور جب اس بلند مقام تک پہنچتا ہے اس کی حدیث صحیح کے درجے میں آجاتی ہے تو ”حسن صحیح“ کہنا دو مختلف زمانوں کے اعتبار سے ٹھیک ہے (۲)۔

۶۔ انہوں نے تیسرا جواب یہ دیا کہ وہ حدیث امام ترمذیؒ کی نظر میں حسن اور دوسرے محدثین کے نزدیک صحیح ہوتی ہے یا اس کا عکس ہوتا ہے، اس لیے امام ترمذیؒ دونوں کو ذکر کرتے ہیں (۳)۔

۷۔ حافظ ابن حجرؒ نے یہ جواب دیا ہے اگر حدیث ایک ہی سند سے مروی ہو تو راوی کے بارے میں مصنف کو تردد پیش آیا ہے کہ اس کو کامل الضبط قرار دیا جائے یا نہیں، اس صورت میں عبارت کے اندر ”او“ مقدر ہوگا حسن او صحیح۔

۸۔ اگر وہ حدیث کئی سندوں سے مروی ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ ایک سند کے اعتبار سے حسن اور دوسری سند کے اعتبار سے صحیح ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی: حسن بسند

(۱)..... حافظ ابن حجرؒ یہ اعتراض کر کے لکھتے ہیں: ”التأسيس أولى عن التأكيد“ الکت علی کتاب ابن الصلاح ج: ۱/ ۳۷۸۔

(۲)..... مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۲۰۰۔

(۳)..... محولہ بالا۔

اس عبارت کا یہ مطلب نہیں کہ اس باب کی تمام حدیثیں صحیح ہیں اور یہ حدیث ان میں زیادہ صحیح ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس باب میں تمام روایت شدہ احادیث میں سے یہ روایت ارجح ہے، چاہے تمام حدیثیں صحیح ہوں یا ضعیف (۲)۔

..... (١) "قال الحافظ: وإني لأميل إليه (أى إلى هذا الجواب) وأرضيه، قال المحشى: كيف يميل إليه الحافظ مع أنه يرد عليه ما ذكره الحافظ (أنه لو أراد لآتى بالوالاى للجمع أو آتى بأوالى هى للتخيير أو التردد ويتوقف ايضا على اعتبار الأحاديث التى جمع الترمذى فيها بين الوصفين، فإن كان فى بعضها مالا اختلاف فيه عند جميعهم فى صحته، فيقدح فى الجواب" النكت: ٤٧٧/١-٤٧٨، ثم اعلم أن الشيخ محمد يوسف البنورى قال بعد نقل هذا الاعتراض: إن الحافظ أيضاً اختار هذا الجواب فى "شرح النخبة" وارضاه وقوى جواب ابن دقيق العيد فى "نكته" فلعل ما أحاب به الحافظ فى شرح النخبة غير مرضى عنده أيضاً، وارى والله أعلم أن "نكته" آخر تأليفاً عن "شرح النخبة" انتهى معارف السنن: ٤٣/١-٤٤ الحافظ ذكر الجوابين فى "نكته" فيمكن أن يكون كلاهما مرضيين عنده، لأنه قال: "جواب ابن دقيق العيد أقوى، ولا يلزم من هذا أن لا يكون الجواب الثانى قوياً" وإن شئت تفصيل هذا البحث كله فانظر: النكت المجلد الأول من ص ٤٧٥ إلى ٤٧٨، وتدريب الراوى ١/ ١٦١ الى ١٦٤ ومقدمة فتح الملهم: ٣١/١ ومعارف السنن: ٤٣/١-٤٤ ومقدمة تحفة الأحوذى: ٢٠٠-.

(۲)..... تدریب الراوی: ۱/ ۸۷-۸۸، فتح الملہم: ۱/ ۳۱ شیخ عبدالفتاح البغدادی تعلیقات اعلاء السنن میں لکھتے ہیں: ”و کثیراً ما یطلق اهل الحديث هذه العبارة على أرجح الحديثين الضعيفين، وهو كثير في كلام المتقدمين، ولو لم يكن اصطلاحاً لهم لم تدل اللغة على إطلاق الصحة عليه، فإنك تقول لأحد الحديثين هذا أصح من هذا، ولا يدل على أنه صحيح مطلقاً“ مقدمه اعلاء السنن: ۱/ ۵۶۔



هو مقارب الحديث

اگر لفظ مقارب کو بکسر راء (اسم فاعل) پڑھا جائے تو معنی یہ ہوگا ”حدیثہ یقارب حدیث غیرہ“ اور اسم مفعول ہونے کی صورت میں معنی یہ ہوگا ”حدیثہ یقاربہ حدیث غیرہ“ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں: ”اُی یقارب حدیثہ القبول أو الذهن“ (۱) دونوں معنی قریب قریب ہیں، اور جمہور محدثین کے یہ الفاظ تعدیل میں سے ہے، علامہ سیوطی نے ابن سید کا قول نقل کیا ہے کہ اسم فاعل کی صورت میں یہ الفاظ تعدیل سے ہے اور اسم مفعول کی صورت میں الفاظ تخریج میں سے ہے۔ (۲) اس کے الفاظ تعدیل میں سے ہونے کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ امام ترمذیؒ کئی جگہ ”ثقة مقارب الحديث“ فرماتے ہیں (۳) مولانا محمد یوسفؒ فرماتے ہیں: ”و غاية ما يعبر عنه بأنه متوسط الحديث“ (درمیانہ حدیث والا) ”باللغة الأردنية“ (۴)۔

هذا حديث مضطرب وهذا حديث فيه اضطراب

۱۔ فی المتن فی السند۔

۲۔ اضطراب کی دو قسمیں ہیں۔

(۱).....الکوکب الدرر: ۱/۳۵۔

(۲).....تذریب الراوی: ۱/۳۳۹۔

(۳).....معارف السنن: ۱/۷۵۔

(۴).....معارف السنن: ۱/۷۶: قال صاحب المعجم الوسيط فی مادة قرب: ”قارب فلان فی

أموره: اقتصد وترك المبالغة“ المعجم الوسيط: ۲/۷۲۳ وفی مصباح اللغات قارب فی الأمر: غلوكوچوژ دینا اور میانہ روی اختیار کرنا۔



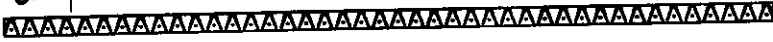
اضطراب فی السند یہ ہوتا ہے کہ حدیث کے راوی سند میں کمی بیشی کریں، کوئی تین اور کوئی چار واسطے بتائے یا ایک ہی راوی کے نام و نسب میں تبدیلی کرتے رہیں۔
اضطراب فی المتن یہ ہوتا ہے کہ متن حدیث میں تبدیلی یا کمی بیشی آ جائے۔
اضطراب کے تحقق کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس حدیث کے طرق مختلفہ میں سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح حاصل نہ ہو، اگر ایک طریق کو دوسرے پر ترجیح حاصل ہے پھر راجح اور مرجوح میں سے کوئی مضطرب نہیں، بلکہ طریق مرجوح کے راوی اگر ثقہ ہیں اسے شاذ اور اگر ضعیف ہیں اسے منکر کہا جائے گا، اضطراب فی السند کے بارے میں تفتیش کرنا محدث کا کام ہے، جبکہ فی المتن کی تحقیق مجتہد کرتا ہے اور اضطراب کا حکم یہ ہے کہ مورث ضعیف ہوتا ہے (۱)۔

هذا حدیث غیر محفوظ

غیر محفوظ سے حدیث شاذ مراد ہے، یعنی وہ حدیث جس میں ثقہ راوی نے ثقات کی مخالفت کی ہو تو دوسرے ثقات کی روایت جو راجح ہیں اسے محفوظ اور متفرد ثقہ راوی کی روایت کو غیر محفوظ یعنی شاذ کہا جائے گا (۲) شاذ روایت غیر مقبول مردود ہے، البتہ شاذ کا اطلاق اس روایت پر بھی ہوتا ہے جس میں ثقہ راوی متفرد ہو لیکن وہ دوسرے ثقات کی مخالفت نہ کرے، اس لحاظ سے شاذ روایت مقبول ہے، شاذ غیر مقبول کی مثال وہ روایت ہے، جسے امام ترمذی نے اضطجاع بعد رکعتی الفجر میں نقل کیا ہے۔

(۱)..... تفصیل کے لیے دیکھئے مقدمہ ابن الصلاح: ۴۴ ونجۃ الفکر مع شرحہ نزہۃ النظر: ۸۱، تدریب الراوی: ۲۶۲/۱، فتح الملہم: ۱۵۹/۱، معارف السنن: ۷۹/۱۔

(۲)..... تفصیل کے لیے دیکھئے: نجۃ الفکر مع شرحہ نزہۃ النظر: ۴۹، تدریب الراوی: ۲۳۲/۱، مقدمہ ابن الصلاح: ۳۶۔



”حدثنا بشر بن معاذ العقدی ناعبد الواحد بن زیاد ناالأعمش عن أبی صالح عن أبی هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا صلى أحدكم ركعتی الفجر فليضطجع على يمينه“ (۱)۔

اس روایت میں عبد الواحد نے اعمش سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نقل کیا ہے، حالانکہ اعمش کے دوسرے تلامذہ سب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل بیان کرتے ہیں (۲)۔

حافظ ابن حجر عبد الواحد کے بارے میں لکھتے ہیں:

”فی حدیثه من الأعمش وحده مقال“ (۳) اگر ضعیف راوی ثقہ کی مخالفت کرے تو اس کی روایت کو منکر اور ثقہ کی روایت کو معروف کہا جاتا ہے۔

هذا حديث حسن غريب

امام ترمذی علل صغریٰ میں حدیث حسن کی اس طرح تعریف کرتے ہیں:

”كل حديث يروى لا يكون في إسناده من يتهم بالكذب، ولا يكون الحديث شاذًا، ويروى من غير وجه نحو ذلك“ (۴) اس تعریف کے پیش نظر امام ترمذی کی رائے میں حدیث حسن میں تعدد طرق ضروری ہے اور حدیث غریب میں تعدد نہیں۔

(۱)..... دیکھئے جامع ترمذی: ابواب الصلوة باب ماجاء فی الاضطجاع بعد ركعتی الفجر: ۱/۹۶۔

(۲)..... تدریب الراوی: ۱/۲۳۵۔

(۳)..... تقریب التہذیب: ۳۶۷۔

(۴)..... کتاب العلل الصغریٰ لمطبوع مع جامع الترمذی: ۲/۲۳۸۔



ہوتا بلکہ تفرّد ہوتا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ حدیث حسن اور غریب میں منافات ہے تو امام ترمذیؒ کس طرح ایک ہی حدیث پر حسن اور غریب کا حکم لگاتے ہیں؟

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ امام ترمذیؒ نے حسن کی جو تعریف کی ہے وہ حسن مطلق کی تعریف ہے، یعنی جبکہ اس کے ساتھ دوسرے اوصاف نہ ہوں اگر دوسرے اوصاف ساتھ ہیں پھر ان کے یہاں حسن میں تعدد طرق ضروری نہیں ہوتا (۱) مولانا انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ امام ترمذیؒ نے علل صغریٰ میں غریب کی تین تعریفیں کی ہیں۔

۱۔ هو الذی لا یروی إلا من طریق واحد کما هو عند الجمهور۔

۲۔ ما یستغرب لزیادة تكون فی الحدیث، ولا تكون هی فی المشهور۔

۳۔ ما یستغرب لحال الإسنادو إن کان یروی من أوجه كثيرة (۲)

دوسری اور تیسری تعریف کے لحاظ سے حسن اور غریب جمع ہو سکتے ہیں ان میں کوئی منافات نہیں، منافات پہلی تعریف کے لحاظ سے ہے (۳)۔

مولانا بنوریؒ فرماتے ہیں کہ علامہ زرکشی نے بھی تقریباً ایسا ہی جواب دیا ہے اگرچہ انہوں نے امام ترمذیؒ کے کلام کا حوالہ نہیں دیا اور ابن حجر کی رسائی اس جواب تک نہ ہو سکی اور تفصیلات میں جانے لگے، حالانکہ حضرت شاہ صاحب کی بات بہت دلنشین ہے (۴)۔

هذا حدیث جید

علامہ ابن الصلاح کی رائے ہے کہ ”جید“ اور ”صحیح“ دونوں ایک ہی درجے کے

(۱)..... دیکھئے نخبۃ الفکر: ۴۴۔

(۲)..... کتاب العلل الصغریٰ المطبوع مع جامع الترمذی: ۲/۲۳۸۔

(۳)..... العرف الشذی المطبوع مع جامع الترمذی: ۱/۷۔

(۴)..... تفصیل کے لیے دیکھئے معارف السنن: ۱/۸۶۔



دونا نام ہیں، جامع ترمذی کتاب الطب میں ”ہذا حدیث جید حسن“ وارد ہوا ہے، عام محمد شین کے نزدیک جید اور صحیح میں کوئی فرق نہیں لیکن ماہرین کا کہنا ہے کہ اس میں ایک باریک نکتہ ہے یعنی جو حدیث ”حسن لذاتہ“ کے درجے سے اعلیٰ اور صحیح سے ادنیٰ ہوا سے ”جید“ کہتے ہیں (۱)۔

اسنادہ لیس بذاک

یعنی اس کی سند قوی نہیں۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں ”ذاک“ کا مشارالہ علم حدیث سے تعلق رکھنے اور سند قوی کو معتبر سمجھنے والے کے ذہن میں موجود ہے۔ (۲)۔

ہذا اسناد مشرقی

اسناد مشرقی کا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث کی سند میں مذکور تمام رواۃ مشرق (بصرہ، کوفہ اور ان کے قرب و جوار) کے رہنے والے تھے، ان میں اہل مدینہ میں سے کوئی نہیں ہے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ جرح میں سے نہیں، صرف یہ بتانا ہے کہ اس کے تمام رواۃ مشرقی تھے، حضرت شیخ الحدیث صاحب نے فرمایا کہ امام شافعی سے منقول ہے: ”کل حدیث لا یوجدلہ أصل فی حدیث الحجازین واو“ اسی طرح علامہ حازی نے بھی کہا کہ اگر دو متعارض حدیثوں میں سے ایک کی سند مشرقی اور دوسری کی حجازی ہو تو حجازی کو مشرقی پر ترجیح ہوگی ”وللمخالف فیہ مجال وسیع للکلام“ (۳)۔

(۱)..... مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۱۹۷۔

(۲)..... حوالہ بالا ص ۱۹۶۔

(۳)..... اللکوکب الدری: ۱/۸۵-۸۶، معارف السنن: ۱/۲۱۳۔



ہذا حدیث مفسر

کلام کے سیاق و سباق کے اعتبار سے اس میں تین معنی مراد ہو سکتے ہیں۔
ایک یہ کہ مفسر کو اسم فاعل (بکسر عین) پڑھا جائے، یعنی یہ حدیث کسی آیت یا
دوسری حدیث کی تفسیر ہے، یا اسم مفعول (فتح سین) پڑھا جائے یعنی کسی راوی یا کسی اور
حدیث سے اس کی تفسیر کی گئی ہے، یا اس سے اصطلاح اصول والا مفسر مراد ہو جو نص کے
مقابلہ میں ہوتا ہے، اس صورت میں بھی بفتح سین پڑھا جائے گا (۱)۔

قد ذهب بعض اہل الکوفہ

امام ترمذیؒ ہر باب میں بیان مذاہب کا التزام فرماتے ہیں اور اس میں یہ جملہ
”بعض اہل الکوفہ“ بھی استعمال کرتے ہیں نیز امام ترمذیؒ نے اپنی کتاب جامع میں کسی جگہ
امام اعظم ابو حنیفہؒ کا نام نہیں لیا، البتہ کتاب العلل کی ایک روایت میں امام ابو حنیفہؒ کا نام
ملتا ہے لیکن وہ روایت بعض نسخوں میں نہیں ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ کتاب العلل خود
مستقل ایک کتاب ہے، لہذا یہ جو کہا جاتا ہے کہ جامع ترمذیؒ میں امام ابو حنیفہؒ کا نام نہیں
ہے، اپنی جگہ صحیح ہے۔

شیخ سراج احمد سرہندی اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ جامع ترمذیؒ
میں جہاں بھی اہل کوفہ کا لفظ آتا ہے اس سے امام ابو حنیفہؒ اور ان کے پیروکار مراد ہیں (۲)
ان حضرات کا یہ حکم عام، لاکثر حکم الکل کے اعتبار سے ہے ورنہ بعض ایسے مقامات ہیں
جہاں اہل کوفہ سے حنفیہ کے علاوہ دوسرے حضرات مراد ہیں۔

(۱)..... اللکوب الدرر: ۱۲۹/۱، معارف السنن: ۳۳۳/۱۔

(۲)..... مقدمۃ تختۃ الاحوزی ص ۲۰۸۔

باقی رہا یہ سوال کہ امام ترمذیؒ حضرت امام اعظمؒ کے نام گرامی کو کیوں ذکر نہیں کرتے؟ بعض حضرات نے کہا کہ غایتِ تعصب کے بنا پر یہ طریقہ اختیار کیا ہے لیکن بہتر توجیہ جو امام ترمذی کے شایانِ شان بھی ہے، یہ ہے کہ حنفیہ کا مذہب امام ترمذیؒ تک کسی قابلِ اعتماد سند سے نہیں پہنچا تھا اس لیے انہوں نے تصریح نہیں فرمائی (۱)۔

بعض اہل الرائے

بعض نام نہاد علماء نے کہا ہے کہ اہل الرائے سے امام ابو حنیفہؒ اور ان کے متبعین مراد ہیں اور ان کو اہل الرائے اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ وہ رائے اور قیاس کو حدیث پر مقدم کرتے ہیں، یعنی بالفاظِ دیگر یہ لفظ تنقیص کے لیے استعمال ہوتا ہے، ان حضرات کی دونوں باتیں غلط ہیں، اہل الرائے صرف حنفیہ ہی کو نہیں بلکہ دوسرے ائمہ فقہاء کو بھی کہا جاتا ہے۔

امام ربیعہ بن عبد الرحمن کا لقب کثرتِ اجتہاد ہی کی وجہ سے ”الرائی“ پڑ گیا تھا علامہ ذہبی لکھتے ہیں: ”وكان إماماً حافظ فقيها مجتهداً بصيراً بالرأى، ولذلك يقال له ربعة الرأى“ (۲) ابن قتیبہؒ نے اپنی کتاب المعارف میں مستقل ایک فہرست اہل الرائی کی بنائی ہے، جس میں یہ نام لکھے ہیں ”ابن أبی لیلی، أبو حنیفہ، ربیعۃ الرأى، زفر، أوزاعی، سفیان ثوری، مالک بن أنس، أبو یوسف، محمد بن الحسن“ (۳)۔

(۱)..... حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ ”شرح بخاری کے مقدمہ میں لکھتے ہیں: ”ثم إن الترمذی لیس عنده إسناده مذهب الإمام أبی حنیفہ، فلذا لا يذكر اسمه صراحة بخلاف مذاهب الأئمة الآخرين، فلها عنده أسانید سردها فی کتاب العلل ویظن من لیس عنده علم أنه لا يذكر اسمه لعدم رضائه منه“ مقدمة فیض الباری: ۱/۵۸۔

(۲)..... دیکھئے تذکرۃ الحفاظ: ۱/۱۳۸۔

(۳)..... دیکھئے سیرۃ العثمان از شبلی نعمانی: ۱۸۸۔

دوسری بات یہ ہے کہ اہل الرائے ہونا ایک صفت محمود اور باعث فضیلت ہے نہ کہ مذموم اور موجب تنقیص، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

”وَالرَّأْيُ هُوَ نَظَرُ الْقَلْبِ يَقَالُ: رَأْيٌ رَأْيًا بَدَلٌ دَيْدٌ وَرَأْيٌ رَأْيًا بِغَيْرِ تَنْوِينٍ
بِخَوَابٍ دَيْدٍ وَرَأْيٌ رَأْيٌ بِمَشْمُودٍ“ (۱) ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو قلب بینا عطا فرمائیں یہ
کوئی کم فضیلت کی بات نہیں، اب دیکھنا یہ ہے کہ فقہاء کرام کو اصحاب رائے کیوں کہا جاتا ہے۔
ابن اثیر جزری متوفی ۶۰۶ھ کہتے ہیں:

”وَالْمُحَدِّثُونَ يَسْمَوْنَ أَصْحَابَ الْقِيَاسِ أَصْحَابَ الرَّأْيِ، يَعْنُونَ أَنَّهُمْ
يَأْخُذُونَ بِرَأْيِهِمْ فِيمَا يَشْكُلُ مِنَ الْحَدِيثِ، أَوْ مَالِمَ يَأْتِ فِيهِ حَدِيثٌ وَلَا أَثَرٌ“ (۲)۔
صاحب قاموس لکھتے ہیں:

”أَصْحَابُ الرَّأْيِ أَصْحَابُ الْقِيَاسِ لِأَنَّهُمْ يَقُولُونَ بِرَأْيِهِمْ فِيمَا لَمْ
يَجِدُوا فِيهِ حَدِيثًا أَوْ أَثَرًا“ (۳)۔

ملا علی قاری، علامہ طیبی پر رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”إِنَّمَا سَمَوْا بِذَلِكَ لِدَقَّةِ رَأْيِهِمْ وَحَذَاقَةِ عَقْلِهِمْ“ (۴)۔

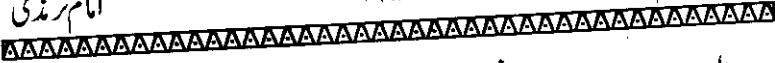
ان تصریحات سے بخوابی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حنفیہ اور دوسرے فقہاء کرام کو
ان کی باریک بینی اور استنباط مسائل کی وجہ سے اہل الرائے کہا جاتا ہے نہ اس لیے کہ وہ قیاس
کو حدیث پر مقدم کرتے ہیں محدثین اور فقہاء دوا لگ الگ اصطلاحیں ہیں لیکن درحقیقت
ان میں کوئی تضاد و تافی نہیں ہے، بات صرف اتنی ہے کہ جن حضرات نے حدیث کو من

(۱).....مقدمۃ فتح الملہم: ۷۳۔

(۲).....دیکھئے النہایہ: ۱۱۷/۲۔

(۳).....الکوکب الدری: ۱۳۲/۲۔

(۴).....مرقاۃ: ۷۸/۲۔



حيث الرواية اپنا مشغلہ بنایا ہے انہیں محدث اور جن حضرات نے صرف حدیث کے ظاہری الفاظ اور عبارت النص پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ اشارہ، دلالت، اور اقتضاء النص سے بھی احکام استنباط کر کے ان مستنبط احکام کی نشر و اشاعت کی ہے، انہیں فقیہ اور مجتہد کہا جاتا ہے۔

ابن خلدون اور حضرت شاہ ولی اللہ نے انہی دو فرقوں کا تذکرہ فرمایا ہے (۱) یہ بات بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ حدیث بغیر رائے کے سمجھ میں نہیں آتی، مولانا شبیر احمد عثمانی نے امام محمد کا قول نقل کیا ہے کہ حدیث بغیر رائے کے اور رائے بغیر حدیث کے ناقابل فہم ہے (۲)۔ ابن حجر کی لکھتے ہیں:

”وقد قال المحققون لا يستقيم العمل بالحدیث بدون استعمال الرأى فيه، اذ هو المدرك لمعانيه التي هي مناط الاحكام۔

ومن ثمّة لما لم يكن لبعض المحدثين تأمل لدرك التحريم في الرضاع، قال بان المرتضعين بلبن الشاه تثبت بينهما المحرمية ولا العمل بالرأى المحض، ومن ثمّة لم يفرط الصائم بنحو الأكل ناسياً“ (۳) یہ بات کہ امام ابوحنیفہ اپنی رائے کو حدیث پر مقدم کرتے ہیں بالکل بے جا اور بے دلیل ہے تاریخ بغداد میں امام صاحب کا اپنا بیان موجود ہے فرماتے ہیں: ”میں پہلے کتاب کو لیتا ہوں، اگر اس میں حکم نہیں ملتا تو سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو لیتا ہوں، اگر اس میں بھی نہ ہو تو صحابہ کے اقوال میں سے کسی کا قول لیتا ہوں اور دوسروں کا قول چھوڑ دیتا ہوں، لیکن ان کے اقوال سے ہٹ کر کوئی فیصلہ نہیں کرتا اور جب معاملہ ابراہیم، شععی، ابن سیرین تک پہنچتا ہے

۱۔ دیکھئے مقدمہ ابن خلدون: ۴۴۶، جزء اللہ البالغۃ: ۱/۱۶۱۔

۲۔ مقدمہ فتح البہم: ۷۲۔

۳۔ الخیرات الحسان، الفصل الأربعون: فی رد ما قبل إنه خالف الأحادیث الصحیحة: ۱۷۲۔



تو جیسے انہوں نے اجتہاد کیا، میں بھی کرتا ہوں“ (۱) امام ذہبی نے بھی یحییٰ بن معین کے طریق سے امام صاحب کا یہ قول نقل کیا ہے۔

علامہ شعرانیؒ باوجود شافعی ہونے کے ان لوگوں کے متعلق جو امام صاحب کے بارے میں ایسے خیال خام رکھتے ہیں، فرماتے ہیں: ”اعلم أن هذا الكلام صدر من متعصب على الإمام، متهور في دينه، غير متورع في مقاله، غافلا عن قوله تعالى: ”ان السمع والبصر والفؤاد كل أولئك كان عنه مسئولا“ (۲)۔

پھر علامہ شعرانی نے سند متصل کے ساتھ نقل کیا ہے:

”عن الإمام أبي حنيفة أنه كان يقول: كذب والله، واقتري علينا من يقول عنا أنا نقدم القياس على النص، وهل يحتاج بعد النص إلى القياس“ (۳)۔

نواب صدیق حسن خان نے کہا کہ ابن حزم ظاہری نے اجماع نقل کیا ہے کہ امام صاحب کے نزدیک حدیث ضعیف رائے و قیاس سے بہتر اور اس پر مقدم ہے (۴)۔

قیاس کی حیثیت

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا: ﴿فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ﴾۔

اس سے قیاس و رائے کی حجیت ثابت ہوتی ہے، صاحب نور الانوار لکھتے

(۱)..... تاریخ بغداد: ۱۳/۳۶۸۔

(۲)..... میزان کبریٰ: ۱/۵۶۔

(۳)..... مجلہ بالا: ۶۱۔

(۴)..... دیکھئے الحلقہ: ۶۰۔



ہیں: ”الاعتبار ردّ الشیء إلى نظیره، فكأنه قال: قيسوا الشیء إلى نظیره“ (۱)۔

اسی طرح قول ﴿وَشَاوَرَهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ اور ﴿وَأَمَرَهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ﴾ اور ان جیسی آیات سے بھی استدلال ہوتا ہے، صحیحین میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: ”أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إذا حكم الحاكم فاجتهد فأصاب، فله أجران، وإذا حكم وأخطأ، فله أجر“ (۲)۔

حضرت معاویہ کی حدیث بہت مشہور ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے پوچھا: ”کہ جب کوئی حکم کتاب اللہ اور سنت رسول میں نہ ملے تو کیا کرو گے؟“ انہوں نے کہا اجتہد برائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی مسرور ہو کر فرمایا: ”الحمد لله الذي وفق رسول الله لما يرضى به رسول الله“ (۳)، طبقات ابن سعد میں حضرت ابوبکرؓ کا یہ معمول منقول ہے۔

”إن أبا بكر نزلت به قضية لم نجد لها في كتاب الله أصلاً، ولا في السنة أثراً، فقال: اجتهد رأيي، فان يكن صواباً، فمن الله وإن يكن خطأ، فمني وأستغفر الله“ (۴)۔

حضرت عمرؓ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں دوسرے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا: ”إني رأيت في الحدّ رأياً، فان رأيتم أن تتبعوه، فقال عثمان: إن تتبع رأيك“

(۱)..... نور الانوار: ۲۲۳۔

(۲)..... أخرجه البخاری فی کتاب الاعتصام باب أجر الحاكم إذا اجتهد فأصاب أو أخطأ،

ومسلم فی الأفضیة فی نفس الباب۔

(۳)..... دیکھئے مسند امام احمد بن حنبل: ۵/۲۳۶، ۲۳۷۔

(۴)..... طبقات ابن سعد ۳/۱۷۸۔



فہو رشد، وإن تتبع رأى الشيخ قبلك؛ فنعم ذو الرأى كان۔“ (۱) ان واضح اور بے غبار احادیث و آثار سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ غیر منصوص مسائل میں رائے اور اجتہاد جائز ہی نہیں بلکہ ضروری بھی ہے۔

جن حضرات نے رائے اور قیاس کی مذمت میں احادیث و آثار نقل کئے ہیں، ان سب کا ”بصورت تسلیم سند“ ایک ہی جواب کافی ہے کہ وہاں رائے سے وہ رائے مراد ہے جو دین کے کسی اصل کی طرف مستند نہ ہو۔

امام بخاری نے بھی ایک باب قائم کیا ہے ”باب ما يذكر من ذم الرأى وتكف الناس“ یہاں بھی شرح یہی جواب دیتے ہیں کہ یہ اس رائے کی مذمت ہے جو مستند الی اصل شرعی نہ ہو۔ محترم و حیدر الزمان صاحب کی بھی یہی تحقیق ہے وہ حضرات آیت ”اليوم أكملت لكم دينكم“ اور ”تبيننا لكل شئ“ اور اس جیسی آیات سے استدلال کرتے ہیں، اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ قیاس مظہر للحکم ہے مثبت للحکم نہیں ہے والتفصيل فی المطولات۔

شرح و مختصرات

جامع ترمذی کی چند شرح درج ذیل ہیں۔

- ۱۔ عارضۃ الاحوذی از قاضی ابوبکر بن عربی مالکی (متوفی ۵۴۶ھ) علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ ہمارے علم کے مطابق یہ ایک ہی شرح ہے ترمذی کی، جو مکمل ہے۔
- ۲۔ شرح ترمذی از حافظ ابوالفتح محمد بن سید الناس (متوفی ۷۳۳ھ) یہ نامکمل ہے۔
- ۳۔ شرح ترمذی از حافظ زین الدین عراقی (متوفی ۸۰۶ھ) یہ ابن سید الناس



کی شرح کا مکمل ہے۔

۴۔ شرح زوائد الترمذی علی الصحیحین از سراج الدین محمد بن علی ابی الملقن (متوفی ۸۰۳ھ)۔

۵۔ شرح ترمذی از ابوالفرج زین الدین عبدالرحمان بن شہاب الدین احمد بن رجب (متوفی ۷۹۵ھ)۔

۶۔ شرح ترمذی از شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی بن محمد العسقلانی المعروف بابن حجر (متوفی ۸۵۲ھ) اس کا تذکرہ انہوں نے فتح الباری میں کیا ہے (۱)۔
۷۔ العرف الشذی علی جامع الترمذی از محمد بن رسلان بلقینی شافعی (متوفی ۸۰۵ھ) یہ نامکمل ہے۔

۸۔ قوت المغتدی علی جامع الترمذی از جلال الدین عبدالرحمان بن الکرکمال السیوطی (متوفی ۹۱۱ھ)۔

۹۔ شرح ترمذی از علامہ محمد طاہر صاحب مجمع البحار (متوفی ۶۸۶ھ)۔

۱۰۔ شرح ترمذی فارسی از شیخ سراج احمد سرہندی (متوفی ۱۲۳۰ھ)۔

۱۱۔ شرح ترمذی از ابوطیب سندھی۔

۱۲۔ شرح ترمذی از عبدالہادی سندھی (متوفی ۱۱۳۸ھ)۔

۱۳۔ الکوکب الدرری از افادات مولانا رشید احمد گنگوہی (متوفی ۱۳۲۳ھ)۔

۱۴۔ العرف الشذی از مولانا نور شاہ کشمیری (متوفی ۱۳۵۲ھ)۔

۱۵۔ معارف السنن از مولانا محمد یوسف بنوری (متوفی ۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷م)۔

(۱)..... قال الحافظ فی فتح الباری: ،،ولم یثبت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی النہی عنہ (أی عن البول قائماً) شیء کما بینتہ فی أوائل شرح الترمذی،، فتح الباری ۳۳۰/۱ باب البول عند سبائہ۔ تو م۔



- ۱۶۔ تحفۃ الاحوذی از عبدالرحمان مبارکپوری (متوفی ۱۳۵۲ھ)۔
- ۱۷۔ جائزۃ الشعوذی از بدیع الزمان بن مسیح الزمان لکھنوی (متوفی ۱۳۰۴ھ)۔
- ۱۸۔ المسک الزکی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (متوفی ۱۳۲۳ھ) کی تقریر ہے۔
- ۱۹۔ شرح ترمذی از شیخ فضل احمد انصاری۔
- ۲۰۔ شرح ترمذی از مفتی صبغت اللہ بن محمد غوث شافعی (متوفی ۱۲۸۰ھ)
- ۲۱۔ افادات درسیہ حضرت شیخ الہند (متوفی ۱۳۳۹ھ) (۱)۔





امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ

ولادت ۲۰۹ھ وفات ۲۴۳ھ کل عمر ۶۴

نسب

”ابو عبد اللہ محمد بن یزید الربعی القزوينی“ (۱)، اسماء الرجال کی عام کتابوں میں آپ کے دادا کا نام نہیں ملتا، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے دادا کا نام عبد اللہ لکھا ہے، صدیق حسن خان نے بھی الخط میں اسی کا تذکرہ کیا ہے (۲)۔

نسبت

حافظ صاحب فرماتے ہیں: ”محمد بن یزید الربعی مولاہم“ (۳) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قبیلہ ربیعہ کے ساتھ رشتہ موالات رکھنے کی وجہ سے آپ ربعی کہلاتے ہیں، ابن خلکان کہتے ہیں کہ ربیعہ متعدد قبائل کا نام ہے، اب یہ معلوم نہیں کہ ان کی نسبت کس کی طرف ہے (۴)۔

(۱)..... تفصیلی حالات کے لیے دیکھئے: سیر اعلام النبلاء ۱۳/۲۷۷، تہذیب التہذیب: ۵۳۰/۹، وفیات الاعیان: ۲۷۹/۴ تذکرہ الحفاظ: ۶۳۶/۲، البدایہ والنہایہ: ۵۲/۱۱، بستان المحدثین: ۲۹۸، الاعلام: ۱۴۴/۷، تقریب التہذیب: ۵۱۴، الکاشف: ۲۳۲/۲۔

(۲)..... بستان المحدثین: ۲۹۸، الخط: ۲۹۴۔

(۳)..... تہذیب التہذیب: ۵۳۰/۹۔

(۴)..... وفیات الاعیان: ۲۷۹/۴۔



علامہ سمعانی لکھتے ہیں:

”هذه النسبة إلى ربيعة بن نزار، وقلمما يستعمل ذلك لأنه ربيعة بن نزار
شعب واسع، فيه قبائل عظام وبطون وأفخاذ استغنى بالنسب إليها عن النسب
إلى ربيعة“ (۱)۔

تحقیق ابن ماجہ

ماجہ (بالتحقیف وسكون الباء) (۲) کے بارے میں اقوال مختلف ہیں، بعض
حضرات کا خیال ہے کہ ماجہ آپ کی والدہ کا نام ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ بستان
المحدثین میں اسی کو راجح قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں: صحیح یہ ہے کہ ماجہ آپ کی والدہ تھیں
لہذا ابن کے ساتھ الف لکھنا چاہئے تاکہ معلوم ہو کہ ابن ماجہ محمد کی صفت ہے نہ کہ عبداللہ کی
(۳) صدیق حسن خان نے بھی ”الخطۃ“ اور ”اتحاف النبلاء“ میں اسی کو صحیح کہا ہے (۴)۔

علامہ سید مرتضیٰ زبیدیؒ نے ”تاج العروس“ میں لکھا ہے:

”وهناك قول آخر صححوه وهو أن ماجه اسم أمه“ (۵)۔

پھر حضرت شاہ عبدالعزیزؒ ”عجالة نافعه“ میں فرماتے ہیں کہ ماجہ ابو عبداللہ کے
باپ یزید کا لقب ہے، نہ دادا کا نام ہے، نہ والدہ کا (۶) حالانکہ بستان میں والد کا نام

(۱)..... الانساب: ۳/۴۳۔

(۲)..... سنن ابن ماجہ تحقیق محمد ذوالعبدالباقی میں لکھا ہے کہ صحیح ابن ماجہ (بالباء) یا ابن ماجہ (بالتاء المربوطة) ہے۔

(۳)..... بستان المحدثین: ۲۹۸، ۲۹۹۔

(۴)..... الخطۃ: ۲۹۵، اتحاف النبلاء: ۳۸ طبع ہند۔

(۵)..... دیکھئے: تاج العروس المجلد الثانی آخر فصل المیم من باب الحمیم: ۱۰۳۔

(۶)..... عجالة نافعه: ۲۳، (مکتبہ نور محمد، آرام باغ، کراچی)۔



ہونے کی آپ نے تصحیح فرمائی ہے، صاحب قاموس لکھتے ہیں: ”ماجة والد محمد بن یزید لاجده“ (۱) ابن کثیر نے خلیلی کا قول نقل فرمایا ہے: ”ويعرف یزید بماجة“ (۲) مؤرخ قزوین علامہ رافعی کہتے ہیں: ”إن ماجة لقب یزید وإنه بالتخفيف، اسم فارسی“ پھر کہتے ہیں: ”وقد يقال: ”محمد بن یزید بن ماجة والاول اثبت“ (۳)۔

شہر قزوین

”قزوین“ قاف کے زبر زاء کے سکون اور واو کی زیر کے ساتھ، اصفہان کے مشہور شہروں میں اس کا شمار ہوتا ہے، کہا جاتا ہے کہ ”باب الجنۃ“ وہی ہے، صدیوں تک یہ ہر علم و فن کے علماء و فضلاء کا مستقر و منبع رہا ہے..... اسی شہر میں امام ابن ماجہؒ کی ولادت ہوئی (۴)۔

ولادت

علامہ ابن حجرؒ نے ابن طاہر مقدسی کا قول نقل فرمایا ہے:

”ورأيت له تاريخا وفي آخره بخط صاحبه جعفر بن إدریس: مات أبو عبد الله لثمان بقين من رمضان سنة ثلاث وسبعين، وسمعته يقول ولدت سنة تسع“ (۵) (أى ومائتين) میں نے ابن ماجہ کی کتاب ”التاریخ“ دیکھی ہے اس کے

(۱)..... دیکھیے، تاج العروس، آخر فصل الحیم من باب الحیم: ۱۰۳/۲۔

(۲)..... البدایہ والنہایہ: ۵۲/۱۱۔

(۳)..... تأسیس الیہ الحاجۃ: ۳۳، البدایہ والنہایہ: ۵۲/۱۱۔

(۴)..... الأئساب: ۴۹۳/۴۔

(۵)..... تہذیب التہذیب: ۵۳۱/۹، ذکرہ المزی ایضاً فی تہذیب الکمال: ۴۰/۲۷۔



آخر میں آپ کے ایک تلمیذ جعفر بن ادریس نے بقلم خود لکھا ہے کہ ابن ماجہ کا انتقال ۲۲ رمضان ۲۴۳ھ میں ہوا اور میں نے آپ کو کہتے ہوئے سنا تھا کہ میری ولادت ۲۰۹ھ میں ہوئی ہے۔

ابتدائی تعلیم اور علمی اسفار

اس زمانہ میں شہر قزوین علوم و فنون اسلامیہ کا خاص مرکز تھا، بڑے بڑے علماء کی موجودگی میں کسی اور جگہ جانے کی ضرورت نہ تھی، چنانچہ آپ نے قزوین ہی میں اپنی تعلیم شروع فرمائی، اس کے بعد علمی پیاس بجھانے کے لیے ترک وطن فرما کر خراسان، عراق، حجاز، مصر، شام، ری، بصرہ، کوفہ، بغداد، مکہ اور دمشق تشریف لے گئے (۱) بعض حضرات نے کہا کہ آپ نے ۲۳۰ھ کے بعد سفر کیا یعنی تقریباً ۳۲ سال کی عمر میں راہ سفر اختیار کیا۔

شیوخ

ان کے اساتذہ میں امام ذہلی، محمد بن بشار اور محمد بن شعیب سرفہرست ہیں، یہ دونوں مؤخر الذکر حضرات صحاح ستہ کے تمام مصنفین کے استاد ہیں۔

علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ علی بن محمد طنّاسی (۲) سے بھی کافی استفادہ کیا۔

صاحب معجم البلدان کہتے ہیں:

دمشق میں ہشام بن عمار وغیرہ، مصر میں یونس بن عبد الاعلیٰ وغیرہ، حمص میں محمد

(۱)..... ذکرہ الذہبی من کلام ابی یعلیٰ الخلیلی انظر سیر اعلام النبلاء: ۱۳/۲۷۹، تہذیب الکمال: ۲۷/۲۰ و فیات

الاعیان: ۲۷۹/۴۔

(۲)..... سیر اعلام النبلاء: ۱۳/۲۷۷۔

بن مصنفی وغیرہ، عراق میں ابوبکر بن ابی شیبہ وغیرہ سے استفادہ کیا (۱)۔

تلامذہ اور راویان سنن

علی بن ابراہیم، سلیمان بن یزید، محمد بن عیسیٰ، ابوبکر حامد ابہری، سعدون اور ابراہیم بن ونیار، یہ چھ حضرات سنن ابن ماجہ کے راوی بھی ہیں۔

وفات

بروز دوشنبہ ۲۱ رمضان المبارک ۲۷۳ھ کو انتقال فرما گئے اور ۲۲ رمضان بروز سہ شنبہ سپرد خاک کئے گئے، نماز جنازہ ان کے بڑے بھائی ابوبکر بن یزید نے پڑھائی اور وفات کے لیے ان کے دونوں بھائی ابوبکر اور ابوعبداللہ اور ان کا بیٹا عبداللہ قبر میں اترے۔

امام ابن ماجہ ائمہ فن کی نظر میں

تمام علماء و ائمہ فن، امام ابن ماجہ کے کمالات اور علوجات کے معترف اور ان کو محبت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، چنانچہ ابویعلیٰ حنبلی کا بیان ہے:

”ابن ماجہ ثقہ کبیر، متفق علیہ محتج بہ، لہ معرفہ و حفظ قال:

وکان عارفا بهذا الشأن“ (۲)۔

(۱)..... ذکر الشیخ عبدالرشید النعمانی فی کتابہ ”الإمام ابن ماجہ وعلم الحديث“ (بالأردية) البلاد التي سمع بها ابن ماجہ مع ذکر أساتذته بمالا مزید علیہ، فراجعہ ان شئت، وصنف الإمام الحافظ ابن عساكر المتوفى ۵۷۱ معجماً يشتمل على ذكر أسماء شيوخ الأئمة المستة وهو عن محفوظات دار الكتب الظاهرية بدمشق۔

(۲)..... تذکرہ الحفاظ: ۶۳۶/۲، سیر اعلام النبلاء: ۲۷۹/۱۳، تہذیب التہذیب: ۵۳۱/۹۔



علامہ ذہبی سیر اعلام النبلاء میں ان الفاظ سے آپ کو خراج عقیدت پیش کرتے

ہیں:

”قد کان ابن ماجہ حافظاً ناقداً صادقاً واسع العلم“ (۱)۔

ابن ناصر الدین کہتے ہیں:

ابن ماجہ بڑے درجے کے حافظ حدیث اور ثقہ ہیں، نامورائمہ میں سے ایک اور ان کی کتاب السنن دنیائے اسلام کی مایہ ناز کتابوں میں سے ہے (۲)۔

ابن اثیر کا قول ہے:

”کان عاقلاً إماماً عالماً“ (۳)۔

ابن خلکان لکھتے ہیں:

”کان اماماً فی الحدیث عارفاً بعلومہ و جمیع ما یتعلق بہ“ (۴)۔

امام ابن ماجہ بحیثیت مفسر و مؤرخ

امام ابن ماجہؒ امام فی الحدیث ہونے کے ساتھ علم تفسیر و تاریخ میں بھی ایک مسلم شخصیت ہیں اور علم حدیث کی طرح تفسیر و تاریخ میں بھی آپ نے یادگار تصانیف چھوڑی ہیں، جن کا تذکرہ کتابوں میں ملتا ہے، ابن کثیر فرماتے ہیں: ”ولا بن ماجہ تفسیر حافل و تاریخ کامل من لدن الصحابة إلى عصره“ (۵) اسی طرح ابویعلیٰ خلیلی کا قول نقل

(۱)..... سیر اعلام النبلاء ۱۳/۲۷۸۔

(۲)..... تلمس الیہ الحاجۃ: ۳۳، شذرات الذهب: ۱۶۴/۲۔

(۳)..... تاریخ ابن اثیر: ۶/۶۲۔

(۴)..... وفيات الاعیان: ۳/۲۷۹۔

(۵)..... دیکھئے، البدایہ والنہایہ: ۱۱/۵۲۔



کرتے ہیں کہ ابن ماجہ نے تفسیر و تاریخ میں بھی کتابیں لکھی ہیں (۱) ابن خلکان لکھتے ہیں: ”ولہ تفسیر القرآن الکریم، و تاریخ ملیح“ (۲) کچھ پہلے ابن طاہر کا قول گذرا ہے کہ انہوں نے ابن ماجہ کی کتاب تاریخ دیکھی ہے جس کے آخر میں امام صاحب کے تلمیذ نے ان کی تاریخ ولادت و وفات ضبط کی ہے (۳)۔

علامہ ذہبی آپ کا ترجمہ ان الفاظ سے شروع کرتے ہیں:

”الحافظ الکبیر، الحجة، المفسر، أبو عبد الله ابن ماجه القزوينی، مصنف السنن و التاريخ و التفسیر“ (۴)۔ اسی طرح ہدیۃ العارفین فی اسماء المؤلفین و اشار المصنفین میں ہے:

”من تصانیفہ تاریخ قزوین، تفسیر القرآن، سنن فی الحدیث من الکتاب الستہ“ (۵) اس سلسلہ میں ایک واضح ثبوت یہ بھی ہے کہ علامہ سیوطی نے الاقان فی علوم القرآن میں طبقات مفسرین کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ کے اسم گرامی کو بھی ذکر کیا ہے (۶)۔

(۱)..... محمولہ بالا۔

(۲)..... وفیات الاعیان: ۲/۹۷۔

(۳)..... تہذیب التہذیب: ۹/۵۳۰۔

(۴)..... سیر اعلام النبلاء: ۱۳/۲۷۷۔

(۵)..... ہدیۃ العارفین: ۲/۱۸۔

(۶)..... قال السیوطی: ”ثم بعد هذه الطبقة ألفت تفاسیر تجمع أقوال الصحابة والتابعین کتفسیر سفیان بن عیینة و..... وبعدهم ابن جریر الطبری، و کتابہ اجل التفاسیر وأعظمها، ثم ابن أبی حاتم وابن ماجه و..... وکلها مسندة إلى الصحابة والتابعین وأتباعهم، وليس فيها غیر ذلك إلا ابن جریر فإنه يتعرض لتوجيه الأقوال وترجيح بعضها على بعض والإعراب والاستنباط، فهو يفوقها بذلك“ دیکھئے الاقان فی علوم القرآن: ۲/۱۹۰ (لاہور، پاکستان)۔



مسلك

ابن ماجہؒ کے بارے میں علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ ان کا مذہب بالتحقیق معلوم نہیں (۱) اور العرف الشذی میں فرمایا ہے: ”وَأَمَّا ابْنُ مَاجَةَ فَلَعَلَّهُ شَافِعِيٌّ“ (۲) شاید کہ امام ابن ماجہ شافعی ہیں، شاہ ولی اللہؒ کی رائے میں یہ مجتہد منتسب (۱) الی احمد و اسحق ہیں۔ (۳)

علامہ طاہر جزائریؒ کی رائے میں بھی وہ مجتہد منتسب الی الشافعی و احمد و اسحاق و ابی عبیدہ ہیں (۴) ابن تیمیہؒ کا خیال ہے کہ وہ علماء اہل حدیث میں سے ہیں، نہ مجتہد مطلق ہیں، نہ مقلد محض (۵)۔

تعداد ابواب و احادیث

ابن کثیرؒ سنن ابن ماجہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

”يشتمل على اثنين وثلاثين كتاباً، ألف وخمسة باب، وعلى أربعة آلاف حديث كلها جياذ سوى اليسيرة“ (۶) کہ سنن ابن ماجہ میں ۳۲ کتابیں، پندرہ سو ابواب اور چار ہزار حدیثیں ہیں، جس میں بہت کم روایات کے علاوہ سب عمدہ احادیث ہیں۔

(۱)..... فیض الباری: ۱/۵۸۔

(۲)..... العرف الشذی المطبوع مع جامع الترمذی: ۲۔

(۳)..... تائمس الیہ الحاجۃ: ۲۶۔

(۴)..... توجیہ النظر: ۱۸۵۔

(۵)..... توجیہ النظر: ۱۸۵۔

(۶)..... البدایہ والنہایہ: ۱۱/۵۲۔



خصوصیات اور اقوال علماء

بعض خوبیوں کے اعتبار سے ابن ماجہ حدیث کی دوسری کتابوں سے ممتاز ہے، چنانچہ اس میں ترتیب بہت عمدہ اور بہترین ہے اور تکرار بھی، شاہ عبدالعزیزؒ اس بارے میں لکھتے ہیں:

”و فی الواقع از حسن ترتیب و سرد احادیث بے تکرار و اختصار آنچہ این کتاب دارد
 هیچ یک از کتب ندارد“ (۱)۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں:

”وهو كتاب قوى التبويب فى الفقه“ (٢)۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: ”وکتاہ فی السنن جامع جید“ (۳)۔

دوسری نمایاں خوبی یہ ہے کہ اس میں کافی احادیث ایسی ہیں جو صحاح ستہ کی دوسری کتابوں میں نہیں پائی جاتی، اس میں کثرت فائدہ کے ساتھ ساتھ کمال احتیاط بھی ہے، امام ابن ماجہؒ نے باب النہی عن الخلاء علی قارعة الطريق میں البوسعید حمیری کا قول نقل فرمایا ہے:

”كان معاذ بن جبل يتحدث بمالم يسمع أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ويسكت عما سمعوا“ (۴) علامہ عبدالغنی دہلویؒ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے اس طرز عمل کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”لأن التبليغ قد حصل من جهة غيره، واحتمال الزيادة والنقصان لا يأمن عليه أحد والمعتمد به سبب

- (۱).....إستان المحمد شين: ۲۹۸-
- (۲).....الباعث الحثيث: ۲۳۱، النوع المونی العین-
- (۳).....تهذيب التهذيب: ۵۳۱/۹-
- (۴).....سنن ابن ماجه: ۲۸-



التبوء فی النار كما مرفالترك كان أصلح لحاله“ (۱)۔

اور علامہ سندھی یہ وجہ بتاتے ہیں: ”لنكثير الفائدة“۔

پھر لکھتے ہیں: ”وكان المصنف تبع معاذاً في ذلك حيث أخرج من المتون في كثير من الأبواب ما ليس في الكتب الخمسة المشهورة وإن كانت ضعيفة، وفي الباب أحاديث صحيحة أخرجتها أصحاب تلك الكتب في كتبهم“ (۲)۔

اسی طرح سنن ابن ماجہ میں ایسی احادیث بھی کافی ہیں جو صحت کے اعتبار سے صحیح بخاری کی حدیثوں سے بھی اصح ہیں مثلاً: باب ماجاء إذا أقيمت الصلاة فلا صلوة إلا المكتوبة میں حضرت عبداللہ بن مالک (جو اپنی ماں کی نسبت سے ابن نحسینہ کہلاتے ہیں) کی روایت اس سند سے منقول ہے۔

حدثنا أبو مروان محمد بن عثمان العثماني ثنا إبراهيم بن سعد عن أبيه عن حفص بن عاصم عن عبد الله بن مالك ابن بحنة قال: مرّ النبي صلى الله عليه وسلم برجل وقد أقيمت صلاة الصبح وهو يصلي فكلّمه بشئ لا أدرى ما هو فلما انصرف أحطنا به نقول: ماذا قال لك رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: قال لي: ”يوشك أحدكم أن يصلي الفجر أربعاً“۔ (۳)

صحیح بخاری میں اسی باب کے اندر شعبہ کی روایت اس سند سے مروی ہے:

(۱)..... حاشیہ سنن ابن ماجہ لمسی بانجام الحاج: ۲۸۔

(۲)..... دیکھئے حاشیہ: علامہ سندھی برائین ماجہ باب النهی عن الخلاء علی قارعة الطريق ج ۱ ص ۲۰۸ مطبوع دار المعرفۃ بیروت۔

(۳)..... الحديث أخرجه ابن ماجه في سننه تحت أبواب الجمعة، باب ماجاء اذا أقيمت الصلاة فلا صلوة إلا المكتوبة: ۸۰۔

حدثني عبدالرحمان قال حدثنا بهذ بن أسد قال حدثنا شعبة قال أخبرني سعد بن إبراهيم قال سمعت حفص بن عاصم قال سمعت رجلا من الأزد يقال له مالك بن بحينة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم الخ۔ (۱)

چنانچہ بخاری کی اس سند میں دو غلطیاں ہیں: ایک یہ کہ نحیۃ عبد اللہ کی والدہ کا نام ہے نہ کہ مالک کی والدہ کا، دوسری یہ کہ روایت حضرت عبد اللہ بن مالک سے مروی ہے جو مشہور صحابی ہیں ان کے باپ مالک سے نہیں، جس طرح اس سند میں ہے کیوں کہ وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے (۲)۔

علامہ یعنی اسی ضعف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وحکم الحفاظ یحییٰ بن معین وأحمد ومسلم والنسائی والإسماعیلی والدارقطنی وأبو مسعود وآخرون علیہم بالوهم فی موضعین أحدهما: أن بحینة والدۃ عبد اللہ لا والدۃ مالک، والآخر: أن الصحبة والروایة لعبد اللہ لالمالک۔ (۳)

حافظ صاحب عبد اللہ بن مالک کے بارے میں لکھتے ہیں:

”هو عبد اللہ بن مالک ابن القشب بکسر القاف وسکون المعجمة بعدها موحدة وهو لقب، واسمه جندب بن نضلة بن عبد اللہ، قال ابن سعد: قدم مالک بن القشب مكة یعنی فی الجاهلیة فحالف بنی المطلب بن عبد مناف وتزوج بحینة بنت الحارث بن المطلب، واسمها عبدة وبحینة لقب، وأدرکت بحینة الإسلام فأسلمت وصحبت وأسلم ابنها عبد اللہ قديما ولم

(۱)..... أخرجه الإمام البخاری فی کتاب الأذان باب إذا أقيمت الصلاة فلا صلاة إلا المكتوبة: ۹۱/۱۔

(۲)..... تفصیل کے لیے دیکھیے: ابن ماجہ اور علم حدیث از مولانا عبدالرشید نعمانی۔

(۳)..... عمدة القاری: ۵/۲۸۳۔

یذکر أحد مالكا في الصحابة إلا بعض ممن تلقاه من هذا الإسناد ممن لا تميز له“ (۱)۔

دوسرا نکتہ اس میں یہ ہے کہ ابن ماجہ کی سند خماسی ہے اور بخاری کی سند سداسی ہے تو اس لحاظ سے بھی اسے فوقیت حاصل ہے۔
اسی طرح اور بھی احادیث ہیں۔

امام صاحب غریب احادیث اور مختلف بلاد کی مخصوص روایات کی نشاندہی کرتے ہیں، مثلاً کئی جگہ فرماتے ہیں: ”قال ابن ماجه: هذا حديث الرملين ليس إلا عندهم“ (۲) ”قال ابن ماجه: هذا حديث المصريين“ (۳) ”هذا حديث الرقيين“ (۴) شاید انہی خصوصیات کے پیش نظر جب امام ابن ماجہ نے اپنی کتاب امام ابو زرہ کے سامنے پیش کی تو وہ کہنے لگے: ”أظن إن وقع هذا في أيدي الناس تعطلت هذه الجوامع أو أكثرها“ (۵) اور ایسا ہی ہوا، چنانچہ حدیث کی بیشتر کتابوں میں سے صرف سنن ابن ماجہ ہی کو صحاح ستہ کی صف میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

ثلاثیات ابن ماجہ

سنن ابن ماجہ میں پانچ حدیثیں ثلاثی ہیں:

- (۱)..... فتح الباری ۲/۱۳۹، ۱۵۰۔
- (۲)..... قاله بعد حديث انس بن مالك في ابواب الديات، باب العفو عن القاتل: ۱۹۳ و ۱۵۰۔
- (۳)..... قاله بعد حديث ابن مسعود في أبواب الاشربة، باب كل مسكر حرام: ۲۳۲۔
- (۴)..... قاله بعد حديث معاوية في أبواب الاشربة، باب كل مسكر حرام: ۲۴۲۔ والرقعة بالفتح وتشديد القاف بلد على الفرات واسطة ديار ربيعة، واخرى عربي بغداد وقرية أسفل منها بفرسخ وبلد بقوهستان وموضعان آخران كذا في القاموس، انجاح الحاجة: ۲۳۲۔
- (۵)..... تذكرة الحفاظ للذهبي: ۲۳۶۔



(١) حدثنا جبارة بن المغلس ثنا كثير بن سليم سمعت أنس بن مالك يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من أحب أن يكثر الله خير بيته فليتوضأ إذا حضر غداؤه وإذا رفع" (١) -

(٢) حدثنا جبارة بن المغلس ثنا كثير بن سليم عن أنس بن مالك قال: "مارفع من بين يدي رسول الله صلى الله عليه وسلم فضل شواء قط ولا حملت معه طنفسة" (٢) -

(٣) حدثنا جبارة بن المغلس ثنا كثير بن سليم عن أنس بن مالك قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الخير أسرع إلى البيت الذي يغشى من الشفرة إلى سنام البعير" (٣) -

(٤) حدثنا جبارة بن المغلس ثنا كثير بن سليم سمعت أنس بن مالك يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ما مررت بليلة أسرى بي بملاء إلا قالوا: يا محمد مرأمتك بالحجامة" (٤) -

(٥) حدثنا جبارة بن المغلس ثنا كثير بن سليم عن أنس بن مالك قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إن هذه الأمة مرحومة عذابها بأيديها، فإذا كان يوم القيامة دفع إلى كل رجل من المسلمين رجل من المشركين فيقال: هذا فداؤك من النار" (٥) -

(١)..... الحديث أخرجه ابن ماجه في سننه، أبواب الأطعمة، باب الوضوء عند الطعام: ٢٣٣-٢٣٥ -

(٢)..... الحديث أخرجه ابن ماجه في سننه، أبواب الأطعمة، باب الشواء: ٢٣٧ -

(٣)..... الحديث أخرجه ابن ماجه في سننه، أبواب الأطعمة، باب الضيافة: ٢٤٠ -

(٤)..... أخرجه الامام ابن ماجه في أبواب الطب، باب الحجامة: ٢٤٨ -

(٥)..... أخرجه الإمام ابن ماجه في أبواب الزهد، باب صفة أمة محمد صلى الله عليه



صحاح ستہ میں بخاری شریف کے بعد سب سے زیادہ ثلاثی روایات ابن ماجہ میں ہیں اور یہ باعث افتخار بھی ہے، لیکن افسوس یہ ہے کہ یہ پانچوں حدیثیں سنداً ضعیف ہیں، اس لیے کہ ان میں کثیر بن سلیم ہے جس کی اکثر حفاظ نے تضعیف کی ہے، حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

”ضعفه ابن المدینی وأبو حاتم، قال النسائی: متروك، قال أبو زرعه: واه، قال البخاری: منكر الحديث“ (۱)۔

حافظ جمال الدین مزی لکھتے ہیں: ”قال عباس الدوری عن يحيى بن معين: كثير بن سليم ضعيف، قال عبد الله بن علي بن المديني عن أبيه: كثير صاحب انس ضعيف، كان يحدث عن أنس أحاديث يسيرة خمسة أو نحوها، فصارت مئة حديث“ (۲)۔

باقی جبارہ بن المغلس کی توثیق بھی موجود ہے، تضعیف بھی، قال ابن نمير: ”صدوق ما هو ممن يكذب، قال البخاری: حديثه مضطرب، قال أبو حاتم: هو عندی عدل، قال ابن معين: كذاب“ (۳)۔

البتہ ناقدین کے تمام اقوال کو سامنے رکھ کر تتبع کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ جبارہ صدوق و امین ہیں لیکن بعد میں سوء حفظ عارض ہونے کی وجہ سے ان کی روایات میں غلطی آنے لگی اور دوسرے لوگ ان کی کتابوں میں اضافہ کرتے رہے لیکن یہ تمیز نہ کر سکے، چنانچہ حافظ مزی نے ابواحمد بن عدی کا قول نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

(۱)..... دیکھئے میزان الاعتدال للذہبی: ۳/۴۰۵۔

(۲)..... تہذیب الکمال: ۲۴۰/۱۱۹۔

(۳)..... میزان الاعتدال: ۱/۳۸۷۔

”لہ احادیث عن قوم ثقات، وفي بعض حديثه ما لا يتابعه أحد عليه،

غير أنه كان لا يعتمد الكذب، إنما كانت غفلة فيه، وحديثه مضطرب“ (۱)۔

محشی لکھتے ہیں:

قال نصر بن أحمد البغدادي: ”جبارة في الأصل صدوق إلا أن ابن

الحماني أفسد عليه كتبه“ (۲)۔

تفردات ابن ماجہ

اس میں کوئی شک نہیں کہ ضعیف روایات سنن ابن ماجہ میں بکثرت ہیں، چنانچہ بعض حضرات نے اس سلسلے میں ایک عام قانون بھی بیان کیا ہے، چنانچہ حافظ مزی لکھتے ہیں: ”کل من تفرد به ابن ماجه فهو ضعيف“ (۳)۔

حافظ ابن حجرؒ نے اس قول سے اختلاف کیا ہے، فرماتے ہیں: ”وليس الأمر في ذلك على إطلاقه باستقرائي وفي الجملة ففيه أحاديث كثيرة منكورة“ (۴)۔

حافظ صاحب کے خیال میں اگر اس حکم عام کو رجال پر محمول کیا جائے تو صحیح ہو سکتا ہے، لیکن احادیث کے بارے میں صحیح نہیں ہو سکتا، لکھتے ہیں: ”لكن حمله على الرجال أولى، وأما حمله على أحاديث فلا يصح كما قدمت ذكره من وجود الأحاديث الصحيحة والحسان مما انفرد به عن الخمسة“ (۵) یعنی جن رجال

(۱)..... تہذیب الکمال: ۳/۴۲۹۔

(۲)..... دیکھئے محولہ بالا از تعلیقات ڈاکٹر بشار عواد۔

(۳)..... تہذیب التہذیب: ۵۳۱/۹۔

(۴)..... محولہ بالا۔

(۵)..... تہذیب التہذیب: ۵۳۱/۹۔



سے صرف امام ابن ماجہ نے روایت کی ہے، صحاح ستہ کے دوسرے مصنفین نے نہیں کی وہ ضعیف ہیں، جہاں تک نفس احادیث کا تعلق ہے تو اس میں ایسی روایات صحیح اور حسن ہیں جن سے دوسری کتابیں خالی ہیں۔

شرح

اگرچہ صحت کے اعتبار سے سنن ابن ماجہ کا درجہ سنن نسائی سے کم ہے اور یہ صحاح ستہ کی آخری کتاب بھی سمجھی جاتی ہے، لیکن حفاظ اور ائمہ حدیث کی طرف سے جو تلقی بالقبول اس کو حاصل ہو وہ سنن نسائی کو حاصل نہیں ہو سکا، چنانچہ بڑے بڑے اہل فن نے سنن ابن ماجہ پر شرح و تعلیقات لکھی ہیں، مثلاً:

(۱) شرح ابن ماجہ از حافظ علاؤ الدین بن قلیج حنفی (متوفی ۷۶۲ھ) یہ سب سے پہلی شرح ہے لیکن نامکمل ہے، علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ: ”وَلَمْ يَكْمَلْ وَقَدْ شَرَعْتَ فِي إِتْمَامِهِ“۔

(۲) شرح ابن ماجہ از حافظ رجب الحسنبلی (متوفی ۷۹۵ھ) اس کا تذکرہ علامہ سندھی نے فرمایا ہے، چنانچہ وہ حدیث ”مَنْ تَرَكَ الْكَذْبَ وَهُوَ بَاطِلٌ“ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”يَحْتَمِلُ أَنَّهُ عَلَى ظَاهِرِهِ، وَجَلْمَةُ وَهُوَ بَاطِلٌ حَالٍ مِنَ الْكَذْبِ، وَهُوَ الَّذِي ذَكَرَهُ ابْنُ رَجَبٍ فِي شَرْحِ الْكِتَابِ“ (۱) علامہ سیوطی نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے: ”مَنْ الشَّارِحِينَ زَيْنُ الدِّينِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَحْمَدَ بْنِ رَجَبٍ الْحَنْبَلِيِّ“ (۲) لیکن مولانا عبد الرشید نعمانیؒ نے اپنی استدراک میں ایک اور بات کہی ہے،

(۱)..... مائیس إلیہ الحاجۃ: ۳۹۔

(۲)..... ذیل تذکرۃ الحفاظ للسیوطی: ۳۶۹۔



وہ یہ کہ شارح ابن رجب حنبلی نہیں بلکہ محمد بن رجب زبیری شافعی ہیں۔

(۳) ماتمس إليه الحاجة علی سنن ابن ماجہ از شیخ سراج الدین عمر بن علی بن الملقن (متوفی ۸۰۴ھ) صرف ایک سال کے قلیل عرصہ میں آٹھ جلدوں میں انہوں نے زوائد ابن ماجہ کی شرح لکھی ہے، ذوالقعدہ ۸۰۰ھ میں تصنیف شروع فرمائی اور شوال ۸۰۱ھ میں اس سے فارغ ہوئے۔

(۴) شرح ابن ماجہ از شیخ کمال الدین محمد موسیٰ الدمیری (متوفی ۸۰۸ھ) نامکمل ہے۔

(۵) الدیلمی علی سنن ابن ماجہ از حافظ احمد بن ابی بکر شہاب بوسیری (متوفی ۸۴۰ھ) اس شرح کا تذکرہ علامہ سندھی نے فرمایا ہے۔

علامہ سیوطی لکھتے ہیں: ”والف تصانیف حسنة منها: زوائد سنن ابن ماجة علی الكتب الخمسة“ (۱)۔

(۶) شرح ابن ماجہ از حافظ برہان الدین ابراہیم بن محمد معروف بسط بن العجی (متوفی ۸۴۱ھ)۔

(۷) مصباح الزجاجة از علامہ سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) یہ حافظ علاء الدین کی شرح کا مکملہ ہے۔

(۸) نور مصباح الزجاجة از شیخ علی بن سلیمان مالکی دنی متوفی (۱۳۰۶ھ)، انہوں نے سیوطی کے حاشیہ کا اختصار کیا ہے۔

(۹) شرح سنن ابن ماجہ مسمی کافیۃ الحاجۃ از شیخ ابوالحسن محمد بن عبدالبہادی سندھی حنفی (متوفی ۱۱۳۸ھ)۔



- (۱۰) انجاح الحاجة شرح سنن ابن ماجه از شيخ عبدالغنى مجددي (متوفى ۱۱۹۵ھ)۔
- (۱۱) حاشیہ بر سنن ابن ماجه از مولانا فخر الحسن گنگوہی (المتوفى ۱۳۱۵ھ)۔
- (۱۲) مفتاح الحاجة بر ابن ماجه شيخ محمد علوى (المتوفى ۱۳۶۶ھ) کا حاشیہ ہے۔
- (۱۳) ماتمس اليه الحاجة لمن يطالع سنن ابن ماجه از شيخ عبدالرشيد نعماني۔
- (۱۴) رفع العجاجة عن سنن ابن ماجه از وحيد الزمان بن مسیح الزمان لکھنوی (المتوفى ۱۳۳۸ھ (۱)۔



(۱)..... دیکھئے تفصیل کے لیے، کشف الظنون: ۱۰۰۴/۳، وماتمس إليه الحاجة للشيخ عبدالرشيد النعماني: ۳۵ سے ۵۵ تک۔



امام مالک رحمۃ اللہ علیہ

نسب و نسبت

هو فقيه الامة امام دار الهجرة ابو عبدالله مالك بن انس بن مالك بن ابي عامر بن عمرو بن الحارث بن غيمان بن جثليل بن عمرو بن ذى اصبح الحارث الاصبحى المدني (۱)

حضرت شیخ الحدیثؒ نے اس نسب کو اسی تفصیل اور کچھ اختلاف کے ساتھ مقدمہٴ اوجز المسالک میں نقل فرمایا ہے (۲) آپ کا تعلق چونکہ قبیلہ ”اصبح“ سے تھا جس کا یمن کے معزز قبائل میں شمار ہوتا تھا، اس لیے آپ کو اصبحی کہا جاتا ہے، آپ کے خاندان میں سب سے پہلے آپ کے جد اعلیٰ ابو عامر مسلمان ہوئے امام صاحب کے دادا مالک بن ابی عامر کبار تابعین میں سے ہیں، ان کے تین صاحبزادے تھے، ابوسہیل، ربیع اور انس، ہم ان سب کے حالات مختصر بیان کریں گے۔

ابو عامر

اتنی بات یقینی ہے کہ وہ خضر مین میں سے ہیں یعنی جاہلیت اور اسلام کا زمانہ

(۱)..... تفصیلی حالات کے لیے دیکھیے: الکامل لابن الاثیر: ۶/۱۴۷، تہذیب الاسماء واللغات للنووی:

۲/۷۵-۷۹ وفیات الاعیان: ۳/۱۳۵۔ تہذیب الکمال: ۶۷/۹۱، رقم: ۱۲۹۷ تذکرۃ الحفاظ: ۱/۲۰۷

البدایہ والنہایہ: ۱۰/۷۳ تہذیب التہذیب: ۱۰/۵، سیر اعلام النبلاء: ۸/۳۸۔

(۲)..... مقدمہٴ اوجز المسالک: ۲۵۔



انہوں نے پایا ہے، لیکن ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے، امام ذہبی نے لکھا ہے: ”لم أراحدا ذكره في الصحابة“، (۱) حافظ ابن حجرؒ نے بھی الاصابہ کی قسم ثالث میں ان کا تذکرہ لا کر امام ذہبی کے قول پر اکتفاء کیا ہے (۲) اور الاصابہ کی تیسری قسم ان حضرات کے بارے میں ہے، جن کی ملاقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی طرح ثابت نہ ہو (۳) لیکن ان کے برخلاف قاضی عیاض نے ابو بکر بن العلاء کا قول نقل کیا ہے کہ: ”هو صحابی جلیل شہد المغازی کلھا خلا بدران“ (۴) علامہ سیوطی نے بھی تنویر میں اسی کو لیا ہے (۵)

امام صاحب کے دادا مالک بن ابی عامر (۶)

ان کی کنیت ابوانس ہے اور کبار تابعین میں سے ہیں، ان کی روایت حضرت عمر، عثمان، ابو ہریرہؓ اور ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے، صحاح ستہ میں ان کی روایات ملتی ہیں، ۸۴ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

(۱)..... قالہ شیخ الحدیث نقلًا عن تجرید الصحابہ للذہبی ۱/۱۸۔

(۲)..... الاصابۃ فی تیز الصحابۃ: ۱۳۴/۳۔

(۳)..... ابن حجرؒ الاصابہ کے خطبہ میں لکھتے ہیں: القسم الثالث فیمن ذکر فی الکتاب المذكورة من المخضرمین الذین أدرکوا الجاہلیۃ والإسلام، ولم یرد فی خبر قط أنهم اجتمعوا بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم ولارآوہ، سواء أسلموا فی حیاتہ أم لا، وہو لاء لیسوا أصحابا باتفاق من أهل العلم بالحديث۔ الاصابۃ: ۶/۱۔

(۴)..... مقدمہ أوجز السالک: ۱/۱۸۔

(۵)..... تنویر الجواہر للسیوطی: ۳، الفائدة الاولى۔

(۸)..... دیکھئے تہذیب الکمال: ۲/۱۳۸-۱۵۰۔ تہذیب الجذب: ۱۰/۲۵۔



امام صاحب کے چچا ربیع بن مالک

ان کا تذکرہ علامہ سمعانیؒ نے الانساب میں کیا ہے (۱)۔

امام صاحب کے دوسرے چچا نافع بن مالک (۲)

ان کی کنیت ابوسہیل ہے، حضرت انس بن مالک، عبد اللہ بن عمر، سعید بن المسیب، عمر بن عبد العزیز وغیرہ سے روایت کرتے ہیں، امام احمد، ابو حاتم اور نسائی رحمہم اللہ نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے، اصحاب اصول ستہ نے ان کی روایتیں لی ہیں۔

امام صاحب کے تیسرے چچا اولیس بن مالک

علامہ ابن حجرؒ اور سمعانیؒ نے ان کا تذکرہ نقل کیا ہے۔

علامہ سمعانیؒ لکھتے ہیں: امام مالک کے والد محترم انس بن مالک سب سے بڑے بھائی، ان کے بعد اولیس، ان کے بعد نافع اور سب سے چھوٹے ربیع بن مالک تھے (۳)۔

امام صاحب کی والدہ

عالیۃ بنت شریک بن عبد الرحمن الازدیہ ہیں (۴)

(۱)..... الانساب: ۱/۱۴۷۔

(۲)..... تہذیب الکمال: ۲۹۰/۲۹۱، تقریب التہذیب: رقم الترمذیہ: ۷۱۰۷۔

(۳)..... تہذیب التہذیب: ۱/۳۸۵-۳۸۶، الانساب: ۱/۱۸۴۔

(۴)..... سیر اعلام النبلاء: ۸/۳۹۔



ولادت

اس پر اتفاق ہے کہ امام صاحب رحمہ مادر میں معمول سے زیادہ رہے، البتہ اختلاف مدت میں ہے لیکن اکثر مؤرخین نے تین سال اور بعض حضرات نے دو سال بتائی ہے (۱) پھر سن ولادت میں بھی اختلاف ہے ۹۰ھ، ۹۴ھ، ۹۵ھ لیکن علامہ ذہبی نے امام صاحب کے مشہور تلمیذ یحییٰ بن بکیر کا قول نقل کیا ہے کہ: سمعته يقول: ”ولدت سنة ثلاث وتسعين“، لہٰذا ۹۳ھ ہی کو راجح کہا جائے گا (۲)

وفات

امام صاحب ۲۲ دن تک صاحب فراش رہنے کے بعد ۷۹ھ میں دارفانی کو الوداع کہہ کر خالق حقیقی سے جا ملے، تاریخ میں اختلاف ہے۔ ۱۰، ۱۱، ۱۲ ربیع الاول، بعض نے کہا صفر میں انتقال ہوا اور بیع میں مدفون ہوئے، کہا گیا ہے کہ حالت اختصار میں لا الہ الا اللہ پڑھ کر پھر اللہ الامر من قبل من بعد پڑھتے رہے، یہاں تک کہ روح مبارک پرواز کر گئی، رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ، نہلانے میں ان کے صاحبزادے یحییٰ اور ان کے کاتب حبیب اور ابن ابی زہرہ اور ابن کنانہ شریک رہے، عبد اللہ بن محمد نے جو اپنے باپ کی جگہ نائب والی مدینہ تھے نماز جنازہ پڑھائی، دفنانے میں بہت سے لوگ شریک تھے (۳) پسماندگان میں تین صاحبزادے یحییٰ، محمد، حماد اور ایک صاحبزادی فاطمہ شامل ہیں (۴)۔

(۱)..... سیر اعلام النبلاء: ۸/۴۹۔

(۲)..... تذکرۃ الحفاظ: ۱/۲۱۲۔

(۳)..... سیر اعلام النبلاء: ۸/۱۳۰۔

(۴)..... وفات کے متعلق اختلاف اقوال کے لیے دیکھئے: سیر اعلام النبلاء: ۸/۱۳۰-۱۳۱۔



حلیہ و لباس

امام صاحب بہت ہی خوش پوش انسان تھے، عام طور سے روزانہ نئے کپڑے زیب تن فرماتے، بہت ہی تومند اور قد معتدل مالک بہ درازی تھا، رنگ سفید مالک بزرگوں اور سروریش کے انتہائی سفید بال چہرہ کی رونق و نورانیت کو دو بالا کرتے تھے (۱)

تحصیل علم

امام صاحب نے اس زمانہ میں آنکھ کھولی جب مدینہ منورہ میں علم و عرفان کے بے حد و حساب چشمے جاری تھے، ان کا گھرانہ خود علوم کا مرجع تھا، امام صاحب نے دس سال کی عمر میں تحصیل علم کی ابتداء فرمائی اور امام القراء نافع بن (۲) عبد الرحمن م ۱۶۹ھ سے علم قراءت حاصل کر کے اس کے بعد بقول علامہ زرقانی نو سو سے زائد اہل علم و فضل سے کسب فیض فرمایا، بارہ برس تک حضرت ابن عمرؓ کے خصوصی شاگرد حضرت نافعؓ کے درس میں شریک رہے (۳) اور اس دوران وہ تکالیف و مشقیں برداشت کیں جو ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہو سکتا، یہاں تک کہ گھر کی چھت توڑ کر کڑیاں تک فروخت کرنے کی نوبت آئی۔

درس و تدریس

علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ امام مالکؒ نے اکیس سال کی عمر میں تدریس شروع فرمائی (۴) بعض حضرات نے سترہ سال کا قول نقل کیا ہے۔

(۱)..... سیر اعلام النبلاء: ۸/۶۹، ۷۰۔

(۲)..... تفصیلی حالات کے لیے دیکھئے غایۃ التہایۃ فی طبقات القراء: ۲/۲۳۰-۲۳۳۔

(۳)..... مقدمہ او جز المسالک: ۳۴۔

(۴)..... سیر اعلام النبلاء: ۸/۵۵۔

امام صاحب نے اپنے دست مبارک سے تقریباً ایک لاکھ احادیث لکھیں، ان کے دورانے پر شائقین علوم و سائنس مسائل کا ایسا ازدحام رہتا کہ دیکھنے والا کسی بڑے بادشاہ وقت کا دربار سمجھ بیٹھتا (۱) اور جب حاضرین زیادہ ہو جاتے تو امام صاحب پہلے اپنے خاص تلامذہ و رفقاء کو بلواتے ان سے فارغ ہو کر پھر عوام کو اجازت ملتی، اس پر کسی نے شکوہ کیا تو فرمایا: أصحابی حیران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (۲)

وقار مجلس درس

امام صاحب کا درس حدیث کے لیے اہتمام بھی ایک حیران کن حقیقت ہے چنانچہ مطرف کا کہنا ہے کہ جب لوگ امام صاحب کے دروازے پر پہنچتے تو ان کی ایک خادمہ ان سے پوچھتی کہ فقہ پوچھنے آئے ہو یا حدیث؟ اگر کہتے کہ فقہی مسائل پوچھنے ہیں تو اطلاع ملنے پر امام صاحب گھر سے نکل کر ان کے مسائل کا جواب دیتے، لیکن اگر حدیث کی بات ہوتی تو پہلے غسل فرماتے، نئے کپڑے پہن کر خوشبو استعمال فرماتے، عمامہ باندھ کر پھر باہر آ جاتے (۳) اور درس حدیث کی مجلس میں برابر عود و لوبان کی دھونی ہوتی رہتی اور یہ اہتمام (۱)..... تذکرۃ الحفاظ: ۱/۲۰۸ وفیہ قال عبدالرحمن بن واقد: "رأیت باب مالک کأنه باب الأمير۔"

(۲)..... مقدمہ اوجیز المسالك: ۳۹۔

(۳)..... دیکھئے محولہ بالا، علامہ ذہبی لکھتے ہیں: "وكان مجلسه مجلس وفارو حلم، قال: كان رجلا مهيبا نبیلا، ليس في مجلسه شی من المراء واللغظ ولا رفع صوت، وكان له كاتب قد نسخ كتبه ويقال له: حبيب يقرأ للجماعة، ولا ينظر أحد في كتابه ولا يستفهم هيبه لئلا يجلاله، وكان حبيب إذا قرأ فاختطأ، فنج عليه مالک وكان ذلك قليلا". سیر اعلام النبلاء ۸/۶۵، امام صاحب کے کاتب حبیب بن ابی حبیب کے بارے میں امام احمد فرماتے ہیں: "ليس بثقة" ابن معین کہتے ہیں: "كان حبيب يقرأ على مالک وكان يسرع بالناس يصفح ورقين ثلاثا" امام نسائی کہتے ہیں: "أحاديثه كلها موضوعة عن مالک وغيره" سیر اعلام النبلاء ۸/۶۵، حاشیہ۔



صرف زمانہ تدريس میں نہ تھا بلکہ طالب علمی کے زمانہ سے ہی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیر و تعظیم دل میں موجزن تھی، علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ امام صاحب سے پوچھا گیا کہ آپ نے عمرو بن دینار کی حدیث کو کیوں نہیں لیا، تو جواباً فرمایا: ”اُنتیہ، فوجدته یا خذون عنه قیاماً، فاجللت حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أن آخذ قائماً“ (۱)۔

یعنی میں ان کی خدمت میں پہنچا تو دیکھا کہ تلامذہ کھڑے ہو کر ان سے پڑھتے ہیں، میں نے حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے بالاتر سمجھا کہ کھڑے ہو کر پڑھی جائے اور یہ تعظیم کیوں نہ ہو کہ امام صاحب کے دل میں عشق رسول علیہ الف تحیات کوٹ کوٹ کر بھر دیا گیا تھا، یہاں تک کہ امام صاحب مدینۃ الرسول علی صاحبہا الف تحیات سے اتنی محبت فرماتے تھے کہ زندگی بھر صرف ایک حج کیا اور وقت کے بڑے بڑے سلاطین کی دعوت سفر کو مسترد کر دیا (۲) کیونکہ ان کو فراق مدینہ قابل برداشت نہیں تھا اور خواہش یہ تھی کہ مدینہ میں انتقال ہو۔ مصعب بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ امام صاحب کے سامنے جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام گرامی آتا تو ان کا رنگ متغیر ہو جاتا اور کمر جھک جاتی، اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: ”لورایتہ مارأیت لہما أنکرتہ“ (۳)

(۱)..... دیکھئے سیر اعلام النبلاء: ۸/۶۷۔

(۲)..... اس بارے میں علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ خلیفہ مہدی نے دو ہزار اور بعض روایات کے مطابق تین ہزار دینار پیش کئے اس کے بعد ربیع نے حضرت امام کے پاس آ کر کہا امیر المؤمنین کی خواہش ہے کہ آپ ان کے ساتھ مکہ چلے جائیں، آپ نے فرمایا: قال النبی علیہ الصلاۃ والسلام: ”المدينة خیر لہم لو کانوا یعلمون“ اور اگر امیر کو اپنے تحفہ پر ناز ہے تو وہ اسی طرح میرے پاس

محفوظ ہے۔ سیر اعلام النبلاء: ۸/۶۲-۶۳۔

(۳)..... دیکھئے مقدمہ تعلق المجد ص ۱۳۔

ابن خلکان لکھتے ہیں: امام صاحب انتہائی کمزوری کے باوجود گھوڑے پر سوار نہیں ہوتے تھے اور پیدل ہی چلتے تھے اور فرماتے: ”لأراك في مدينة فيها جثة رسول الله (ﷺ) مدفونة“ یہاں تک کہ آخر کار مدینہ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم علی صاحبہا الف الف تحیات میں مرنے کی تمنا پوری ہوگئی، اسی عشق و محبت کا نتیجہ تھا کہ امام صاحب ہر رات کو خواب میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات سے مشرف ہوتے تھے، چنانچہ شعی بن سعید کہتے ہیں: ”سمعت مالکا يقول: ”مايت ليلة إلا رأيت فيها رسول الله صلى الله عليه وسلم“ (۱) کوئی شب ایسی نہیں گزری کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں نہ دیکھا ہو۔

ایک مرتبہ درس حدیث کے دوران ایک بچھونے سولہ مرتبہ امام صاحب کو ڈنک مارا، جس کی وجہ سے آپ کا چہرہ متغیر ہوتا رہا لیکن درس حدیث کو بدستور جاری رکھا، حضرت عبداللہ بن مبارک نے جو آپ کے خصوصی شاگرد ہیں اس بارے میں دریافت کیا تو فرمایا حدیث رسول کی تعظیم کی وجہ سے میں نے برداشت کیا (۲)

مسائل بتانے میں کمال احتیاط

امام صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے اس وقت فتویٰ دینا شروع کیا جب ستر جید علماء نے میری اہلیت کی گواہی دی اور مسئلہ بتانے میں اس قدر محتاط تھے کہ جب تک مسئلہ میں کامل شرح صدر نہ ہوتا جواب دینے سے انکار فرماتے، چنانچہ امام مالک سے ۴۸ مسائل کے بارے میں سوال کیا گیا، تو ۳۲ مسائل میں فرمایا (لا أدري) خالد بن خدّاش کہتے ہیں

(۱)..... مقدمہ او جز المسالك: ۳۲۔

(۲)..... دیکھئے مقدمہ او جز المسالك ص ۲۳۔

کہ میں نے ۳۰ مسائل کے بارے میں امام سے سوال کیا، تو انہوں نے صرف ۵ مسائل کا جواب دیا باقی کے بارے میں فرمایا (لا أدري) (۱)۔

امام صاحب دوسرے اہل علم کی نظر میں

حدیث شریف میں ہے: ”ليضرين الناس أكباد الابل في طلب العلم فلا يجدون عالماً أعلم من عالم المدينة“ (۲)۔

سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں: یہ حدیث امام مالک کے بارے میں ہے (۳) امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا ہے: میں نے امام مالک سے زیادہ جلد صحیح جواب دینے والا نہیں دیکھا، امام شافعیؒ فرماتے ہیں: امام مالک آسمان علم کا وہ تابناک و درخشاں ستارہ ہیں جس کی مثال ملنا مشکل ہے (۴)۔

ابن مہدی کا کہنا ہے کہ سفیان ثوریؒ حدیث کے امام ہیں اور اوزاعیؒ سنت کے امام ہیں اور مالک دونوں کے امام ہیں (۵) کسی نے امام شافعیؒ سے پوچھا کہ جن علماء سے آپ کی ملاقات ہوئی ہے کیا ان میں کوئی امام مالک جیسا بھی ہے؟ تو فرمایا: جو حضرات علم و عمر میں ہم سے مقدم ہیں ان سے سنا ہے کہ ہم نے امام مالک جیسا عالم نہیں دیکھا تو میں امام مالک جیسا آدمی کہاں سے دیکھ سکتا؟! (۶)۔

(۱)..... سیر اعلام النبلاء: ۸/۷۷۷ عن مالک: ”جنة العالم“ ”لا أدري“ فإذا أغفلها أصيبت مقاتله۔
نفس المرجع۔

(۲)..... أخرجه الترمذی فی الصحیح کتاب العلم باب ما جاء فی عالم المدینة رقم الحدیث: ۲۶۸۰۔

(۳)..... سیر اعلام النبلاء: ۸/۵۶۔

(۴)..... سیر اعلام النبلاء: ۸/۵۷۔

(۵)..... دیکھئے اوجز المسالك: ۲۹-۴۷۔

(۶)..... التعلیق المجد: ۱۳۔

امام مالک اور امام اعظم کے تعلقات

ابن دراوردی کا قول ہے کہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک نے ایک مرتبہ نماز عشاء کے بعد سے مذاکرہ شروع کیا تو صبح کی نماز تک اسی میں مشغول رہے، جب کسی مسئلہ میں کوئی دوسرے سے مطمئن ہو جاتا تو بے تامل اسے اختیار کر لیتا تھا (۳) امام مالکؒ بہت سارے مسائل میں امام ابوحنیفہؒ کے قول کو معتبر سمجھتے تھے۔

(١) ...المصدر السابق

(۲)..... المناقب للکروی: ۱/۳۹۔

(۳)..... اقوم المسالك للكوثری: ۹۷، ۹۸ نقلًا عن ”أخبار أئمة حنیفة وأصحابہ“ للصری۔



دور امتلاء

امام صاحبؒ گردشِ زمان اور سلاطینِ وقت کے شر و فساد کی وجہ سے اس قدر دل برداشتہ ہو گئے کہ اختلاط مع الانام کو یکسر چھوڑ کر گھر میں یکسوئی اختیار فرمائی حتیٰ کہ نماز، جنازہ اور عیادت کے لیے بھی باہر جانا پسند نہ فرماتے، کسی نے اس بارے میں پوچھا تو فرمایا: آدمی اپنا ہر عذر بیان نہیں کر سکتا۔

ابو مصعب کہتے ہیں کہ امام صاحبؒ پچیس سال تک اس طرح عزالت و یکسوئی میں رہے کہ نماز کے لیے بھی مسجد میں نہیں آتے تھے، جب پوچھا گیا تو فرمایا اس خوف سے کہ کوئی منکر نظر آئے اور اس کو روکنے کی ضرورت پڑے (۱) (حالانکہ اس زمانہ جور میں یہ مشکل کام ہے) حضرت شیخ الحدیثؒ غالباً اسی وجہ کو دوسرے الفاظ میں یوں بیان فرماتے ہیں: میرے نزدیک اصل وجہ یہ ہے کہ امام مالکؒ صلاۃ خلف الفاسق کو باطل سمجھتے تھے (۲) (اور اس زمانے کے امراء جو امام بھی ہوا کرتے تھے اکثر فسق و فجور میں مبتلا تھے اور ان کو منصب امامت سے ہٹانا امام صاحبؒ کے بس کی بات نہیں تھی) ابو العباس (۳) سفاح کے بعد جب ابو جعفر منصور خلیفہ بنا تو اس کی عدم موجودگی میں محمد بن عبد اللہ بن حسن معروف بہ "نفس زکیہ" نے اس کے خلاف اعلان خلافت کر کے لوگوں سے بیعت لینی شروع کی، ابن کثیر نے بحوالہ ابن جریر کہا کہ امام مالکؒ نے محمد بن عبد اللہ کے ہاتھ بیعت کرنے اور منصور

(۱)..... ان تمام اقوال کے لیے دیکھیے: سیر اعلام النبلاء ۸/۲۳ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ: کان تحلفه عن المسجد لأنه سلس بوله، فقال عند ذلك: "لا يجوز أن أحلّس في مسجد رسول (ﷺ) وأنا على غير طهارة، فيكون ذلك استخفافاً"۔

(۲)..... مقدمہ اوجز المسالك: ۳۲۔

(۳)..... ابو العباس اور ابو جعفر کی خلافت کی تفصیل کے لیے دیکھیے: تاریخ اسلام از شیخ حسن ابراہیم: ۲/۲۳۔



کی بیعت سے دست بردار ہونے کا فتویٰ دیا، لوگوں نے کہا کہ ہم پہلے منصور سے بیعت کر چکے ہیں، تو فرمایا کہ تم سے جبراً بیعت لی گئی ہے ولیس لمکرہ بیعة (۱) اور یہ مسئلہ اس بنا پر ہے کہ طلاق مکہ امام مالک کے نزدیک صحیح نہیں، بعد میں جب ”نفس زکیہ“ مارا گیا تو منصور کے اشارے پر والی مدینہ جعفر بن سلیمان نے امام صاحب کو بلوا کر کوڑے لگوائے اور دونوں ہاتھ کھینچ کر مونڈھے اتر وادیے گئے، جس کے بعد امام صاحب ہاتھوں کو نہیں اٹھا سکتے تھے، لیکن کوڑے لگتے وقت امام صاحب یہی کہتے رہے: ”اللھم اغفر لھم فانھم لا یعلمون“ اس واقعہ سے امام صاحب کا عوام میں ذکر خیر متاثر نہ ہوا بلکہ ان کی مزید عزت افزائی ہوئی (۲) اس تفصیل سے ان تمام اقوال میں تطبیق ہو جائے گی جس میں کوڑے لگنے کی وجہ بعض لوگوں نے ترک جماعت اور بعض نے قول بطلاق مکہ بتائی ہے اور بعض نے کہا کہ کسی نے جعفر بن سلیمان کو یہ شکایت لگائی تھی کہ امام مالک آپ کی بیعت کو صحیح نہیں سمجھتے۔

اساتذہ

امام صاحب کے اساتذہ کی فہرست کافی طویل ہے، زر قافی کہتے ہیں کہ انہوں نے تقریباً نو سو مشائخ وقت سے استفادہ کیا (۳) خود امام صاحب نے جن اساتذہ کا نام لیا ہے وہ ۹۵ ہیں، جن کو علامہ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں ذکر کیا ہے (۴) ان میں سے بعض درج ذیل ہیں: حضرت عبداللہ بن عمر کے خصوصی شاگرد نافع، ایوب سختیانی، حمید،

(۱).....البدایہ والنہایہ: ۸۴/۱۰ ذکرہ فی ماحدث سنة خمس وأربعین ومائة من الحوادث۔

(۲).....سیر اعلام النبلاء: ۸/۷۹۔

(۳).....مقدمہ اوجز المسالك: ۳۳۔

(۴).....سیر اعلام النبلاء: ۸/۵۱۳۹۔

ربیعۃ الراعی، مسلمہ بن دینار، عبد اللہ بن دینار، عطاء خراسانی، زہری وغیرہم۔

تلاذہ

علامہ ذہبی نے لکھا ہے، امام مالکؒ ابھی نوجوان تھے کہ حدیث بیان کرنی شروع کر دیا (۱) امام مالک کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ ان کے اساتذہ میں سے بعض نے ان سے روایت لی ہے، علامہ ذہبی نے سات اساتذہ کا نام لیا ہے جو امام صاحب سے روایت کرتے ہیں (۲) اور آخر میں وغیرہم لکھا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اور بھی ایسے اساتذہ ہیں لیکن قید قلم میں نہیں آئے، البتہ حضرت شیخ الحدیثؒ نے بعض کا تذکرہ کیا ہے (۳) وہ اساتذہ درج ذیل ہیں، امام صاحب کے چچا ابوسہیل، یحییٰ بن ابی کثیر، زہری، یحییٰ بن سعید، یزید بن الہاد (متوفی ۱۳۹ھ) زید بن ابی انیسہ (متوفی ۱۲۴ھ یا ۱۲۵ھ) عمر بن محمد بن زید۔ ان کے ہم عصر ساتھیوں میں سے معمر، اوزاعی، شعبہ، ثوری، سفیان بن عیینہ، عبد اللہ بن مبارک کا ان کے تلاذہ میں نام لیا جاتا ہے، علامہ ذہبی نے اس فہرست میں امام ابو حنیفہ کو بھی ذکر کیا ہے (۴) لیکن صحیح یہ ہے کہ امام صاحب کی روایت امام مالک سے ثابت نہیں ہے، ابونصور بغدادی نے کہا تھا کہ: أصح الأسانید الشافعی عن مالک عن نافع عن ابن عمر ہے، اس پر حافظ مغلطای نے اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ابو حنیفہ اجل اور افضل ہے شافعی سے لہذا، أصح الأسانید أبو حنیفہ عن مالک عن نافع عن ابن

(۱).....سیر اعلام النبلاء: ۵۵/۸۔

(۲).....سیر اعلام النبلاء: ۵۲/۸۔

(۳).....دیکھئے مقدمہ اوجز المسالك: ۳۸۔

(۴).....سیر اعلام النبلاء: ۵۲/۸۔



عمر ہونی چاہیے، علامہ ابن حجرؒ اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

أما اعتراضه بأبي حنيفة فلا يحسن؛ لأن أبا حنيفة لم يثبت روايته عن مالك وإنما أوردتها الدارقطني ثم الخطيب لروايتين وقعتا لهما عنه بإسنادين فيهما مقال، وأيضاً فإن رواية أبي حنيفة عن مالك إنما هي في مذكوره في المذاكرة ولم يقصد الرواية عنه كالشافعي الذي لازمه مدة طويلة، وقرأ عليه الموطأ بنفسه (۱)

اس بے غبار عبارت سے علامہ ذہبی کے قول کا جواب ملتا ہے علامہ کوثریؒ نے بھی اس کا پر زور رد کیا ہے (۲)

تالیفات

امام مالکؒ کی موطأ کے علاوہ اور بھی کافی تالیفات ہیں جن میں سے بعض کو علامہ ذہبی اور حضرت شیخ الحدیث نے ذکر کیا ہے، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

رسالة في الأقضية، رسالة الأدب والمواعظ، رسالة في أجماع أهل المدينة، ديوان العلم، كتاب في النجوم ومنازل القمر، كتاب المناسك، كتاب المجالسات وغيره (۳)۔

موطأ کی تاریخ، وجہ تصنیف اور وجہ تسمیہ

خلیفہ منصور جب امام صاحب کے ساتھ بدسلوکی پر شرمندہ ہوا، تو امام صاحب سے درخواست کی کہ آپ ایسی کتاب لکھیں جس میں ابن عباس کے جواز، ابن عمر کے تشدد

(۱)..... دیکھئے النکت علی کتاب ابن الصلاح ج: ۱/ ۶۱۔

(۲)..... اقوم المسالك للكوثری ص: ۹۹، ۱۰۴۔

(۳)..... سیر اعلام النبلاء ۸/ ۸۸، مقدمہ اوجز المسالك: ۳۸۔



اور ابن مسعود کے شواذ نہ ہو، اس میں میانہ روی کو اپنائیں اور وہی مسائل لکھیں جن پر صحابہ اور ائمہ کا اجماع ہو (۱) امام صاحب نے کام شروع کیا، لیکن یہ کام منصور کی زندگی میں ختم نہ ہو سکا اور اس کے بیٹے مہدی کی خلافت کے ابتدائی ایام میں اختتام پذیر ہوا، منصور نے ۶ ذی الحجہ ۱۵۸ھ میں وفات پائی، اس کے علاوہ منفل بن محمد کا بیان ہے کہ مؤطا کے طرز پر سب سے پہلے عبدالعزیز بن عبداللہ بن ابی سلمہ مابشون نے کتاب تصنیف کی جس میں صرف مسائل تھے حدیث اور آثار نہیں تھے، جب امام صاحب نے اس کا مطالعہ کیا تو فرمایا: کام تو اچھا کیا ہے لیکن اگر میں ہوتا تو شروع میں آثار لاتا، پھر اس کے بعد مسائل ذکر کرتا، اس کے بعد امام صاحب کے دل میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ ایسی کتاب لکھ دی جائے، چنانچہ انہوں نے مؤطا کی تصنیف کی۔

امام صاحب سے جب پوچھا گیا کہ آپ نے مؤطانام کیوں رکھا ہے؟ تو فرمایا: لکھنے کے بعد میں نے مدینہ کے ستر فقہاء کے سامنے اسے پیش کیا، سب نے میری موافقت کی تو میں نے مؤطانام رکھا، ابو حاتم رازی کہتے ہیں کہ چونکہ امام صاحب نے عوام کی سہولت کے لیے اس کی تصنیف کی تھی، اسی لیے اس کو ”مؤطامالک“ کہا جانے لگا، جس طرح جامع سفیان وغیرہ کہا جاتا ہے، مؤطا کے لغوی معنی ہیں، محمد اور مستحل کے، ابن فہر کا کہنا ہے کہ اس سے پہلے کسی نے اس نام کی کوئی کتاب تصنیف نہیں کی (۲)

تعداد اور روایات

امام مالکؒ تقریباً ایک لاکھ احادیث روایت کرتے تھے، پھر ان میں سے دس ہزار احادیث کو منتخب کر کے مؤطا کی شکل میں جمع کیا، اور ہر سال اس میں کمی بیشی ہوتی رہی یہاں

(۱)..... مقدمہ اوجز المسالک ۲۳۔

(۲)..... تفصیل کے لیے دیکھئے مقدمہ التعلیق الحجۃ ۱۳۔

تک کہ موجودہ مجموعہ باقی رہا، حضرت شاہ ولی اللہ نے مصنفی میں اسی کو اختیار کیا ہے، بقول ابو بکر ابہری کے جس کو حضرت شیخ الحدیثؒ نے ذکر کیا ہے (۱) موطا میں ایک ہزار سات سو بیس احادیث ہیں، جن میں سے مسند و مرفوع چھ سو، مرسل دو سو، موقوف چھ سو تیرہ، تابعین کے اقوال و فتاویٰ دو سو پچاسی ہیں (۲)۔

رواۃ مؤطا اور نسخوں کی تعداد

امام مالکؒ سے ایک ہزار آدمی روایت حدیث کرتے تھے، لیکن جو حضرات احادیث موطا کی روایت کرتے تھے وہ بھی کچھ کم نہیں تھے، قاضی عیاضؒ نے ایسے ۳۹ رواۃ کی ایک فہرست تیار کی ہے جنہوں نے امام صاحب سے موطا کی روایت کی ہے (۳) لیکن بظاہر رواۃ موطا کی تعداد اس سے زیادہ ہوگی، ہارون رشیدؒ نے بھی اپنے بیٹوں کے ساتھ امام صاحب سے موطا پڑھی ہے، خلیفہ مہدی اور ہادی نے بھی امام صاحب سے پڑھ کر روایت کی ہے۔ حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے التعلیق المحمدیہ میں قاضی عیاض کا قول نقل کیا ہے کہ موطا کے بیس نسخے مشہور ہوئے، بعض حضرات نے بیس نسخوں کا ذکر کیا ہے، جن میں سے چار مستعمل ہیں، حضرت شاہ ولی اللہؒ نے سولہ نسخوں کا تذکرہ پیش کیا ہے جن کو حضرت شیخ الحدیثؒ نے مقدمہ اوجز المسالک میں درج فرمایا ہے، ہم ان کا مختصر سا تذکرہ پیش کرتے ہیں۔

(۱) نسخۃ ابو عبد اللہ عبد الرحمن بن القاسم المصری ۱۳۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۱ھ

(۱).....مقدمہ اوجز المسالک: ۴۲۔

(۲).....مقدمہ اوجز المسالک: ۴۴۔

(۳).....التعلیق المحمدیہ: ۱۶۔



میں انتقال ہوا، انہوں نے سب سے پہلے المدونۃ الکبریٰ میں فقہ مالک کے مسائل کو مرتب و مدون کیا (۱)۔

(۲) نسخہ ابویحییٰ معن بن عیسیٰ: ۱۳۰ھ کے بعد پیدا ہوئے اور ۱۹۸ھ میں انتقال ہوا، ان کو عصائے مالک کہا جاتا تھا کیونکہ امام صاحب ضعف و کمزوری کے زمانے میں ان کا سہارا لے کر چلتے تھے (۲)۔

(۳) ابو عبد الرحمن عبد اللہ بن مسلمہ بن قعب: ۱۳۰ھ کے بعد پیدا ہوئے اور ۲۲۱ھ میں انتقال ہوا، موطا کا نصف حصہ امام صاحب سے سن کر دوسرا حصہ امام صاحب کو پڑھ کر سنایا (۳)۔

(۴) نسخہ ابو محمد عبد اللہ بن یوسف: یحییٰ بن معین کہتے ہیں: ”أثبت الناس في الموطأ عبد الله بن يوسف“ امام بخاری کہتے ہیں: ”كان من أثبت الشاميين“ ۲۱۸ھ میں وفات پائی (۴)۔

(۵) نسخہ سعید بن عفیر: یہ اپنے دادا کی طرف منسوب ہیں، ان کے والد کا نام کثیر ہے، سعید بن کثیر بن عفیر ۱۴۶ھ میں پیدا ہوئے، ان کو علم تاریخ و انساب میں مہارت تامہ حاصل تھی، ابو حاتم نے ان کو صدوق کہا ہے (۵)۔

(۶) نسخہ ابو عبد اللہ مصعب بن عبد اللہ: ۱۵۶ھ میں پیدا ہوئے، مسئلہ خلق قرآن

(۱)..... التعلیق لمحمد: ۱۷۔

(۲)..... سیر اعلام النبلاء: ۳۰۴/۹، تہذیب الکمال: ۳۳۶/۲۸۔

(۳)..... سیر اعلام النبلاء: ۲۵۷/۹، تہذیب الکمال: ۱۳۶/۱۶۔

(۴)..... سیر اعلام النبلاء: ۳۵۷/۱۰، تہذیب الکمال: ۳۳۳/۱۶۔

(۵)..... سیر اعلام النبلاء: ۵۸۳/۱۰، تہذیب الکمال: ۳۶/۱۱۔



میں اہل توقف کے ساتھ تھے اور علم انساب کے ماہر تھے، ۲۳۶ھ میں انتقال ہوا (۱)۔

(۷) نسخہ ابو عبد اللہ محمد بن المبارک الصوری: ۱۵۳ھ میں پیدا ہوئے اور دمشق کے مفتی رہے، یحییٰ بن معین کہتے ہیں: ”محمد بن المبارک شیخ الشام بعد جابی مسہر“ وہیں انتقال کر گئے، نماز جنازہ ابو مسہر نے پڑھائی (۲)

(۸) نسخہ سلیمان بن برد: ان کے حالات غالباً پردہ خفا میں ہیں، حضرت شیخ الحدیثؒ اور مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے بھی ان کے حالات بیان نہیں کئے ہیں۔

(۹) نسخہ ابو حذافۃ احمد بن اسماعیل بن محمد: ان کو اکثر حضرات نے ضعیف قرار دیا ہے، فضل بن سہل کہتے ہیں کہ جو بھی بات کہی جائے تو فوراً کہتا ہے: ”حدثنی مالک عن نافع بن عمر“ یہ آخری راوی ہیں جو امام صاحب سے موطا کی روایت کرتے ہیں (۳)۔

(۱۰) نسخہ ابو محمد سدید بن سعید بن سہل ابن شہر یار: مسلم وابن ماجہ کے راویوں میں سے ہیں، تاہم متکلم فیہ میں، بعض حضرات نے ان کی تضعیف کی ہے جیسے امام بخاری، ابن ابی نعیم وغیرہ، البتہ امام احمد بن حنبل نے ان کو ثقہ کہا ہے، عید الفطر کے دن ۲۴۰ھ عمر کی تقریباً مسو بہاریں دیکھنے کے بعد انتقال کر گئے (۴)۔

(۱۱) نسخہ امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ: اس کا تذکرہ بعد میں آئے گا۔

(۱۲) نسخہ ابو زکریا یحییٰ بن یحییٰ بن بکر بن عبد الرحمن تمیمی نیشابوری: ۱۴۲ھ میں

پیدا ہوئے اور علم حدیث میں امام مانے گئے، امام بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی ان سے

(۱).....سیر اعلام النبلاء: ۱۱/۳۰، تہذیب الکمال: ۳۳/۲۸، تہذیب التہذیب: ۱۰/۱۶۲۔

(۲).....تہذیب الکمال: ۳۵۲/۲۶، سیر اعلام النبلاء: ۱۰/۳۹۰۔

(۳).....تہذیب الکمال: ۱۰/۲۶۶۔

(۴).....سیر اعلام النبلاء: ۱۱/۳۱۰، تہذیب الکمال: ۱۲/۲۳۷۔



روایت لیتے ہیں، علماء جرح و تعدیل نے ان کی زبردست توثیق کی ہے، ۲۲۶ھ میں انتقال ہوا، حاکم کہتے ہیں: ان کی تاریخ وفات کے بارے میں کوئی اختلاف سامنے نہیں آیا، جو بھی اس قول سے اختلاف کرے گا غلطی پر ہوگا، ان کی قبر کی لوح پر جو ۲۲۴ھ لکھا ہے وہ غلط ہے۔ (۱)۔

موطا کے چار مشہور نسخے

(۱۳) نسخہ ابو محمد عبداللہ بن وہب بن مسلم: ۱۲۵ھ میں پیدا ہوئے، بالاتفاق ثقہ اور صحاح ستہ کے رواۃ میں سے ہیں، ان کے علمی مقام کے لیے یہی کافی ہے کہ امام مالک جب ان کو خط لکھتے تو یہ تحریر فرماتے: ”إلى عبد الله بن وهب مفتي أهل مصر“ کسی اور کے لیے ایسا نہیں کرتے تھے، دو کتابیں بنام موطا صغیر و موطا کبیر تالیف فرمائی تھیں، شعبان ۱۹۷ھ میں انتقال ہوا، اس کی وجہ یہ ہوئی کہ کتاب احوال القیامۃ ان کے سامنے پڑھی گئی، وہ بے ہوش ہو گئے اور اسی حالت میں انتقال ہوا (۲)۔

(۱۴) نسخہ ابو زکریا یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر المصری: ان کو کبھی دادا کی طرف منسوب کر کے عبداللہ بن بکیر بھی کہتے ہیں، ۱۵۵ھ میں پیدا ہوئے، کئی مرتبہ امام مالک سے موطا سننے کا موقع ملا، اسی طرح لیث سے بھی کئی مرتبہ موطا کی سماعت کی، امام نسائی نے ان کو ضعیف کہا ہے لیکن علامہ ذہبی نے فرمایا کہ نہ معلوم نسائی کس بناء پر ان کو ضعیف قرار دیتے ہیں یہ ایک جرح مردود ہے، امام بخاری اور مسلم ان سے روایت لیتے ہیں (۳)۔

(۱)..... سیر اعلام النبلاء: ۲۲۳/۹، تہذیب الکمال: ۱۶/۲۷۷۔

(۲)..... تہذیب الکمال: ۳۱/۳۲۔

(۳)..... سیر اعلام النبلاء: ۲۲۳/۹، تہذیب الکمال: ۱۶/۲۷۷۔

(۱۵) ابو مصعب احمد بن ابی بکر القاسم بن الحارث: ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور امام مالکؒ سے حدیث و فقہ حاصل کیا، یہاں تک کہ ان کا شمار مدینہ کے شیوخ و قضاة میں ہونے لگا، اصحاب صحاح ستہ ان کی روایت لیتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ ان کا نسخہ سب سے آخر میں امام صاحب کے سامنے پیش ہوا اور اس میں دوسرے نسخوں کے مقابلے میں ایک سو احادیث زیادہ ہیں، رمضان المبارک ۲۳۲ھ میں داعی اجل کو لبیک کہہ کر انتقال کر گئے، وفات کے وقت ان کی عمر ۹۲ سال تھی (۱)۔

(۱۶) نسخہ ابو محمد یحییٰ بن یحییٰ کثیر الاندلسی القرطبی: ہمارے یہاں جو نسخہ متداول و مشہور ہے وہ یہی نسخہ ہے اور جب موطا مالک کہا جاتا ہے اس سے یہی نسخہ مراد ہوتا ہے، یحییٰ بن یحییٰ صحاح ستہ کے رواۃ میں سے نہیں ہیں، ابن حجرؒ نے ان کا ترجمہ تہذیب التہذیب میں تمییز کے طور پر ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں: ذکرته للتمييز بينه وبين الذي قبله (ای یحییٰ بن یحییٰ بن قیس) لا شتر اکهما فی الروایة عنه (۱) ۱۵۱ھ یا ۱۵۲ھ میں ان کی وفات ہوئی ہے، دوسرے مدینہ کی طرف سفر کیا ہے، پہلی بار ۱۷۹ھ میں یعنی جس سال امام صاحب کا انتقال ہوا، اس سفر میں انہوں نے موطا کا اکثر حصہ امام صاحب سے سنا ان کی عمر اس وقت ۲۸ سال تھی بستان المحدثین میں جو ۲۰ سال کا ذکر ہے بظاہر درست نہیں ہے (۳) دوسرے سفر میں ابو عبد اللہ عبد الرحمن بن القاسم سے فقہ حاصل کر کے اپنے وطن واپس گئے اور اندلس میں تدریس و فقہ کا کام شروع کیا، اندلس اور اس کے قرب و جوار میں ترویج مذہب مالک میں ان کا بڑا حصہ اور کردار ہے، حاکم وقت نے ان کو قضاء کا عہدہ پیش کیا لیکن انہوں نے انکار کر دیا، اس کے بعد حاکم ان سے مشورہ لیے بغیر کوئی قاضی مقرر نہیں

(۱)..... سیر اعلام النبلاء: ۶۱۲/۱۰، تہذیب الکمال: ۳۱/۳۰۱۔

(۲)..... تہذیب الکمال: ۱/۲۸۰۔

(۳)..... تہذیب التہذیب: ۱۱/۳۰۰، ۳۰۱۔

کرتا تھا، امام مالک نے ان کو ”العقل“ کا لقب دیا تھا، اس لقب کی وجہ یہ ہوئی کہ انہوں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہاتھی دیکھنے کے لیے جانے سے انکار کرتے ہوئے کہا تھا کہ میں آپ سے علم و فضل حاصل کرنے آیا ہوں، ہاتھی دیکھنے کے لیے نہیں آیا، امام مالک کی رائے اور مذہب کو تمام آراء پر ترجیح دیتے تھے، البتہ کچھ مسائل میں امام صاحب سے اختلاف بھی کیا ہے، ابن عبدالبر نے ان کے بارے میں کہا ہے: ”الا ان له وهماً وتصحيحاً في مواضع كثيرة ولم يكن له بصر بالحديث“ ۲۳۴ میں ان کا انتقال ہوا۔

فضائل مؤطا

علامہ سیوطی اور ابن عربی کہتے ہیں:

”المؤطا هو الأصل الأول واللباب، وكتاب البخاري هو الأصل

الثاني في الباب، وعليهما بنى الجميع“ (۱)

ابن عبدالبر نے عمر بن عبدالواحد کا قول نقل کیا ہے کہ ہم نے چالیس دن میں امام صاحب سے مؤطا پڑھی اختتام پر آپ نے فرمایا: ”كتاب الفقه في اربعين سنة اخذتموه في اربعين يوماً“ (۲) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام صاحب نے اپنی زندگی کے تمام تجربات و مطالعات اس مؤطا پر خرچ فرمائے ہیں، امام صاحب سے کہا گیا کہ آپ کی طرح دوسرے علماء نے بھی مؤطا لکھی ہے آپ نے کیوں اس میں وقت ضائع کیا؟ فرمایا: وہ کتابیں لاؤ، کتابیں دیکھنے کے بعد فرمایا: ”انه لا يرتفع إلا ما أريد به وجه

(۱)..... بستان المحدثین: ۳۱۔

(۲)..... التعلیق المجید: ۱۴۔

اللہ“ (۱) مؤطا کی ایک اہم خوبی یہ ہے کہ اکثر وہ آسانید جن پر اصحیت کا حکم لگایا گیا ہے اس میں موجود ہیں (۲) اور نسخہ مسمودی کو دوسروں پر ترجیح اس لیے ہے کہ انہوں نے سب سے آخر میں امام صاحب سے سنا ہے و معلوم ان آخر السماع ارجح اسی طرح ہر باب کے تحت کافی مسائل فرعیہ بھی اس میں موجود ہیں۔

شرح

موطا امام مالک پر اتنا زیادہ کام ہوا ہے کہ اس کی تفصیل و اختصار دونوں اس موقع پر مشکل ہیں، ہم بہت ایجاز کے ساتھ اس کی چند شروح کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

(۱) التمهید لما فی الموطا من المعانی والآسانید: یہ شرح جو ستر ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے علامہ ابن عبد البر (متوفی ۴۶۳ھ) کی تصنیف ہے، جس کو انہوں نے شیوخ مالک کے اسماء کے حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دیا ہے۔

(۲) کتاب الاستذکار لمذہب علماء الأمصار فیما تضمنہ الموطا من المعانی والآثار: یہ بھی ابن عبد البر کی تصنیف ہے جس میں انہوں نے التمهید کو مختصر کیا ہے۔

(۳) کتاب التفصی فی اختصار الموطا: یہ بھی انہی کی تالیف ہے۔

(۴) القبس فی شرح موطا مالک بن انس: یہ قاضی ابوبکر بن عربی (متوفی ۵۴۶ھ) کی تصنیف ہے۔

(۵) علامہ خطابی صاحب معالم السنن (متوفی ۳۸۸ھ) نے بھی اس کا اختصار

(۱)..... بحوالہ بالا۔

(۲)..... بحوالہ بالا: ۱۶، ص ۱۱۱ آسانید کی تفصیل کے لیے دیکھئے: تدریب الراوی: ۷۶ تا ۸۷۔



کیا ہے۔

(۶) المصنفی: یہ فارسی شرح حضرت شاہ ولی اللہ (متوفی ۱۱۷۶ھ) کی ہے، جس میں انہوں نے احادیث و آثار کو الگ کر کے اقوال امام مالک اور ان کے بعض بلاغات کو حذف کیا ہے۔

(۷) المسوی یہ عربی شرح بھی حضرت شاہ ولی اللہ کی ہے۔

(۸) أوجز المسالك إلى مؤطا مالك: یہ ایک جامع اور نفیس شرح ہے جو محتاج تعارف نہیں، حضرت شیخ الحدیث علامہ محمد زکریا (متوفی ۱۴۰۲ھ) کی تصنیفِ انیق ہے۔



امام محمد رحمۃ اللہ علیہ

نسب و مولد

ابو عبد اللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی ہے، بعض حضرات نے دادا کا نام فرقد کے بجائے واقد لکھا ہے جو کہ غلط ہے، تمام تراجم میں فرقد ہی ہے (۱) شیبانی نسبت ہے شیبان بن ذہل بن ثعلبہ کی طرف، جو کہ مشہور قبیلہ ہے (۲) بعض حضرات نے کہا ہے کہ امام محمد کی نسبت قبیلہ شیبان کی طرف اقامت ہے، لیکن اکثر محققین کا قول یہ ہے کہ یہ نسبت ”ولاء“ ہے (۳) امام محمد ۱۳۲ھ میں واسط میں پیدا ہوئے، بعض حضرات نے تاریخ ولادت ۱۳۵ھ بتائی ہے جو کہ صحیح نہیں (۴) ان کے آبائی وطن کے بارے میں بعض کا قول یہ ہے کہ فلسطین کے کسی گاؤں سے تعلق رکھتے تھے، طبقات کبریٰ میں ہے کہ ان کا اصل تعلق جزیرہ سے تھا اور امام محمد کے والد شام کے لشکر کے ساتھ واسط پہنچے، جہاں امام صاحب کی ولادت ہوئی، خطیب نے تاریخ بغداد میں لکھا ہے کہ اصل تعلق دمشق کے گاؤں ”حرستہ“ سے ہے (۵) بعض حضرات نے ان اقوال کی یوں تطبیق کی ہے کہ اصل تعلق تو جزیرہ سے ہے لیکن چونکہ آپ کے والد شامی افواج میں تھے تو کبھی حرستہ اور کبھی فلسطین کے کسی گاؤں میں

(۱)..... بلوغ الامانی فی سیرۃ الامام محمد ابن الحسن الشیبانی: ۴۔

(۲)..... دیکھئے الانساب: ۳/۴۸۲۔

(۳)..... دیکھئے بلوغ الامانی: ۴۔

(۴)..... وفیات الاعیان: ۴/۱۸۳۔

(۵)..... الجواہر المفیۃ فی طبقات الحنفیۃ: ۲/۴۲۔



رہائش پذیر ہوئے، یہ دونوں گاؤں شام کی سرزمین میں ہیں، یہاں سے کوفہ منتقل ہوئے، کسی کام سے جب واسطہ جانا ہوا تو وہاں امام صاحب کی ولادت ہوئی، اس کے بعد کوفہ واپس آگئے اور یہی آپ کا مسکن رہا (۱) امام محمد علم نحو کے مشہور اور مسلم عالم، فراء کے خالہ زاد بھائی تھے (۲)۔

وفات

امام محمدؒ ہارون الرشید کے حکم سے منصب قضاء سے برطرف کیے جانے کے کچھ مدت بعد دوبارہ قاضی القضاۃ مقرر ہوئے، اسی زمانے میں ہارون الرشید کے ساتھ سفر کر کے ”ری“ پہنچے اور وہیں پر ۱۸۷ھ میں انتقال ہوا، بعض حضرات ۱۸۹ھ کو تاریخ وفات قرار دیتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ اسی روز علم نحو کے مسلم امام کسائی کا انتقال ہوا، بعض کہتے ہیں ایک دن بعد انتقال ہوا، ہارون الرشید کہا کرتا تھا ”دفنت الفقه والعریۃ بالری“ (۳)۔

ابتداء تعلیم اور امام ابو حنیفہ سے شرف تلمذ

امام محمدؒ کے زمانے میں کوفہ، علم حدیث، فقہ اور لغت کا گہوارہ بن چکا تھا، حضرات صحابہ کرامؓ کا وہاں پر قیام اور حضرت علیؓ کا کوفہ کو دار الخلافہ بنانا، مزید اس کی علمی چمک دمک میں اضافہ کر رہا تھا، امام محمدؒ قرآن کریم سیکھنے اور کچھ حصے حفظ کرنے کے بعد وہاں کی ادبی مجلسوں اور حلقہ ہائے درس میں شامل ہونے لگے، جب ۱۴ سال کی عمر کو پہنچے تو امام ابو حنیفہؒ

(۱)..... بلوغ الامانی ۳: ۵۔

(۲)..... وفيات الاعيان ۳: ۱۸۵۔

(۳)..... دیکھئے وفيات الاعيان ۳: ۱۸۵، الانساب ۳: ۳۸۳۔



کے پاس گئے، انہوں نے امام صاحب سے پوچھا آپ ایسے نابالغ لڑکے کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جسے عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد رات کو احتلام ہو جائے؟ کیا عشاء کی نماز لوٹائے گا؟“ امام صاحب نے فرمایا جی ہاں! امام محمدؒ نے مسجد کے ایک کونے میں جا کر عشاء کی نماز لوٹادی، امام صاحب نے یہ دیکھ کر فرمایا: ”إن هذا الصبی یفلح إن شاء اللہ۔“

اس واقعہ کے بعد اللہ نے فقہ کی محبت آپ کے دل میں ڈال دی، چنانچہ آپ حصول فقہ کے لیے امام ابو حنیفہؒ کی مجلس میں پہنچ گئے، امام صاحب نے فرمایا کہ پہلے قرآن کریم حفظ کر لو پھر سبق میں آ جانا! سات دن کے بعد امام محمدؒ نے واپس آ کر فرمایا کہ میں نے حفظ قرآن مکمل کر لیا ہے، پھر امام صاحب سے کسی مسئلہ کے بارے میں پوچھا امام صاحب نے فرمایا یہ سوال کسی سے سنا ہے یا خود تمہارے ذہن میں پیدا ہوا؟ فرمایا کسی سے نہیں سنا بلکہ میرے ذہن میں پیدا ہوا ہے۔ امام صاحب نے فرمایا کہ یہ تو بڑے لوگوں کا سوال ہے، آپ پابندی کے ساتھ درس فقہ میں شریک ہو ا کریں اس کے بعد امام محمدؒ چار سال متواتر امام صاحب کے درس میں شریک ہوتے رہے اور مجلس فقہ کے تمام مسائل کے جوابات لکھ کر اُسے مرتب کرتے رہے (۱)۔

علمی انہماک

امام محمدؒ کا علمی شوق و ذوق بہت ہی عجیب تھا ہر وقت حصول علم میں منہمک رہتے تھے (بسا اوقات اتنے مستغرق ہو جاتے کہ کوئی سلام کرتا تو آپ اس کو دعا دیتے پھر دوبارہ بلند آواز سے سلام کیا جاتا تو آپ وہی دعا دہرا دیتے)۔

اسی علمی ذوق اور انہماک کی وجہ سے جب امام ابو یوسفؒ کے مشورے سے امام محمدؒ کو ”رقہ“ میں منصب قضاء پیش کیا گیا اور یحییٰ بن خالد بن برمک نے امام محمدؒ کو اس کے

قبول کرنے پر مجبور کیا تو امام محمدؒ، امام ابو یوسفؒ سے ناراض ہو گئے اور وفات تک ان سے کوئی بات نہیں کی، بعض حضرات امام ابو یوسفؒ کے جنازہ میں شریک نہ ہونے کی بھی یہی وجہ بتاتے ہیں، لیکن قرین قیاس یہ ہے کہ امام ابو یوسفؒ کی وفات کے وقت امام محمدؒ ”رقہ“ میں تھے اور جنازہ کے لیے بغداد پہنچنا ان کے لیے ممکن نہ تھا (۱)۔

امام محمدؒ بحیثیت فقیہ

امام ابو حنیفہؒ کی زندگی میں امام محمدؒ ہر وقت ان کی مجلس درس میں شریک ہو کر کسب فیض کرتے رہے، امام ابو حنیفہؒ کے انتقال کے بعد انہوں نے امام ابو یوسفؒ سے شرف تلمذ حاصل کیا، یہاں تک کہ فقہ میں امام کے درجہ پر فائز ہو گئے، انھوں نے اپنے اساتذہ کئے علوم کو زیادہ سے زیادہ عام کرنے کے لیے وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیے کہ باقی مذاہب میں اس کی مثال نہیں ملتی، آپ کی چھ مشہور کتابیں جن کو ظاہر الروایۃ کہا جاتا ہے فقہ حنفی کی بنیاد ہیں اور یہ بات بھی آگے آئے گی کہ فقہ مالکی کی تدوین میں امام محمدؒ کے علوم و تصانیف کا بڑا دخل ہے، امام شافعیؒ نے شاگرد ہونے کی حیثیت سے امام محمدؒ کے تجربات اور علوم سے اتنا استفادہ کیا کہ درجہ اجتہاد کو پہنچ گئے، اسی طرح امام احمد بن حنبل سے پوچھا گیا: ”من أين لك هذه المسائل الدقيقة؟ قال من كتب محمد بن الحسن“ یوں تمام فقہاء کے علوم مدونہ کا سرچشمہ فیض امام محمدؒ اور ان کی تصانیف ہیں، امام محمدؒ مسائل شرعیہ کے حل کے لیے کبھی اپنے علم و دانست پر اکتفا نہ کرتے بلکہ اہل صناعۃ اور تاجروں کے پاس جا کر خود ان کے طریق کار کو دیکھتے پھر اپنے مشاہدات کو سامنے رکھ کر شرعی فیصلے فرمایا کرتے تھے اور یہی فقیہ کی شان ہوتی ہے کہ کسی بھی مسئلہ کی گہرائی تک پہنچے بغیر کوئی فیصلہ نہ کرے (۲) آپ

(۱)..... بلوغ الامانی: ۳۶-۳۷۔

(۲)..... بلوغ الامانی: ۴۴۔



اکثر راتوں کو جاگا کرتے، کسی نے کہا آپ راتوں کو کیوں جاگتے ہیں؟ فرمایا: ”کیف أنا
وقد نامت عیون الناس تعویلاً علینا وهم یقولون إذا وقع لنا امر، رفعناه الیہ
فیکشفہ لنا فإذا نمنا، ففیہ تضییع للدين“ (۱)۔

امام محمدؐ بحیثیت محدث

امام محمدؐ علم حدیث کے لیے مختلف ملکوں اور شہروں میں گئے، کوفہ میں امام
ابو حنیفہ، سفیان ثوری، معمر بن کدام، امام ابو یوسف، عمر بن ذر رحمہم اللہ وغیرہم سے علم
حدیث حاصل کیا۔

مدینہ میں امام دار الجرحہ مالک بن انس، ابراہیم بن محمد، ضحاک بن عثمان، مکہ
میں سفیان بن عیینہ، بصرہ میں سعید بن ابی عروبہ، خراسان میں عبداللہ بن مبارک رحمہم اللہ
وغیرہم سے سماع حدیث کیا، اسی طرح شام، واسط، یمامہ وغیرہ بھی گئے اور وہاں کے شیوخ
سے استفادہ کیا، امام محمدؐ اپنے ہمعصر ساتھیوں سے بھی روایت حدیث کرتے ہیں اس بارے
میں بعض دوسرے علماء کی طرح تکلف نہیں فرماتے۔ (۲)

بعض حضرات نے ان کے اساتذہ کی فہرست میں عمرو بن دینار کا نام بھی لکھا
ہے، لیکن یہ صحیح نہیں اس لیے کہ عمرو بن دینار کی وفات ۱۲۶ھ میں ہوئی ہے اور اس وقت
امام محمدؐ کی عمر تقریباً تین سال کی تھی اور اس عمر میں سماع حدیث کا تصور مشکل ہے۔ (۳)

مہدی کے عہد خلافت میں جب امام مالک کی کتاب ”الموطا“ کی شہرت عام

(۱)..... بلوغ الامانی: ۳۵-۳۶۔

(۲)..... بلوغ الامانی: ۷-۸۔

(۳)..... دیکھئے الجواہر المفیدۃ اور اس کا حاشیہ: ۴۲/۲۔



ہوئی تو امام محمدؐ نے بھی مدینہ منورہ کا رخ کیا، وہاں امام مالک کی خدمت میں تین سال متواتر رہ کر تقریباً سات سو احادیث خود امام مالک کی زبانی سنیں اور ”موطا“ مرتب فرمائی۔

امام محمدؐ بحیثیت لغوی

تمام محققین کا اس پر اتفاق ہے کہ امام محمدؐ ”علم لغت اور عربیت پر کامل دسترس رکھتے تھے اور لغت میں ان کا قول دلیل کا درجہ رکھتا ہے، وہ خود فرماتے تھے کہ وراثت میں مجھے تیس ہزار درہم ملے میں نے چند ہزار درہم فقہ اور حدیث، باقی پندرہ ہزار درہم شعر و لغت کے حصول میں خرچ کیے (۱)۔

امام محمدؐ بحیثیت قاضی

کہا جاتا ہے کہ جب امام ابو یوسفؒ منصب قضاء پر فائز ہو گئے تو امام محمدؐ کو یہ بات ناگوار گزری کہ امام ابو یوسفؒ نے اپنے استاد یعنی امام اعظم ابو حنیفہؒ کے عمل کو نظر انداز کیا اور ان کے نقش قدم کو نہیں اپنایا، امام اعظمؒ نے تمام توافقیات برداشت کیں اور جام شہادت نوش فرمایا لیکن منصب قضاء کو قبول نہیں کیا، امام ابو یوسفؒ کو جب امام محمدؐ کے اس طرز فکر کا پتہ چلا تو فرمایا: ”لا قبض اللہ روحہ قبل ان یتلی بالفضاء“ چنانچہ پہلے ”رقہ“ میں قاضی مقرر ہوئے اور اس وقت بھی بڑی حق گوئی اور عدل و انصاف کا مظاہرہ کرتے رہے۔

ہارون الرشید نے یحییٰ بن عبد اللہ بن حسن کو امان دی تھی لیکن چونکہ وہ ”طالبی“ تھا اس لیے اس کے امان کو کالعدم قرار دے کر ہارون اسے قتل کروانا چاہتا تھا، چنانچہ اس نے



امام محمدؒ اور حسن بن زیاد اور ابو البختری وہب بن وہب (جو امام قاضی ابو یوسف کے بعد قاضی القضاۃ تھے) کو اپنے دربار میں بلا کر وہ ”امان نامہ“ ان کے سامنے پیش کیا، امام محمدؒ نے ”امان نامہ“ پڑھ کر فرمایا ”یہ شرعی اور مضبوط امان ہے اسے توڑنے کی کوئی وجہ نہیں“ ہارون الرشید نے امان نامہ چھین کر حسن بن زیاد کو دیا انہوں نے پڑھ کر آہستہ اور زیر لب یہی کہا کہ یہ صحیح امان ہے اور توڑی نہیں جاسکتی، پھر قاضی القضاۃ ابو البختری کو دیا گیا، اس نے ایک نظر ڈال کر کہا: میں اس امان پر راضی نہیں ہوں، یہ بدمعاش آدمی ہے جس نے مسلمانوں کے خون سے اپنا ہاتھ رنگین کیا ہوا ہے، پھر اپنے جوتے سے چاقو نکالا اور امان نامہ کو پھاڑ ڈالا اور ہارون الرشید کو مخاطب کر کے کہا ”اس کو قتل کرو اس کا خون میرے ذمہ ہے۔“

امام محمدؒ فرماتے ہیں سب حاضرین مجلس کو سخت حیرت ہوئی کہ ایک قاضی القضاۃ کس طرح ایک آدمی کا خون اپنے ذمہ لیتا ہے اور پھر اپنے جوتے میں چاقو چھپا کر گھومتا ہے! اس کے بعد کیا ہوا؟ روایات مختلف ہیں، بعض کا خیال ہے کہ ہارون الرشید نے اسے قتل نہیں کیا بلکہ طویل مدت جیل کاٹنے کے بعد وہ مر گیا، بعض کہتے ہیں کہ وہ قتل کر دیا گیا۔

اس واقعہ کے بعد امام محمدؒ ہارون الرشید کی نظر میں معتبوب ہو گئے اور اس نے امام محمدؒ کو منصب قضا سے برطرف کر کے ان کے فتویٰ دینے پر پابندی لگا دی، بالآخر ہارون الرشید کی بیوی زبیدہ ام جعفر کی سفارش سے یہ پابندی ختم ہوئی اور امام محمدؒ ہارون الرشید کے مقربین میں سے ہو گئے، یہاں تک کہ اس نے آپ کو قاضی القضاۃ کے منصب کے لیے منتخب کر لیا (۱)۔

امام محمد کے تلامذہ

امام محمد کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے، بعض حضرات یہ ہیں۔

ابوسلیمان موسیٰ بن سلیمان جوزجانی، امام شافعی ابو عبد اللہ محمد بن ادریس، اسد بن فرات قیروانی (مدون مذہب مالکی)، ابو جعفر احمد بن محمد بن مہران نسوی جو مؤطا محمد کے خراویوں میں سے ہیں، شعیب بن سلیمان کیسانی جو کتاب الکلیسانیات کے راوی ہیں، علی بن صالح جرجانی جو کتاب الجرجانیات کے راوی ہیں۔

امام محمدؒ اور فقہ مالکی کی تدوین

اسد بن فرات ۱۷۲ھ میں قیروان سے مدینہ آ کر امام مالکؒ کے حلقہٴ درس میں شریک ہوئے، وہ مختلف مسائل میں امام مالکؒ سے استفسار کیا کرتے تھے اور امام مالکؒ بھی یہ سوچ کر جواب دیتے کہ بہت دور دراز کا سفر کر کے آیا ہے، لہذا اس پر زیادہ توجہ کی ضرورت ہے، لیکن امام مالکؒ کی عادت یہ تھی کہ صرف پیش آمدہ مسائل کا جواب دیا کرتے تھے، جب اسد بن فرات کو یقین ہو گیا کہ اس طرح سے علمی پیاس بھی باقی رہ جائے گی اور دیگر شیوخ کی ملاقات سے بھی محروم رہوں گا تو وہ امام مالکؒ کے حلقہٴ درس کو چھوڑ کر عراق آ گئے امام ابو یوسف، اسد بن عمرو بن جلی، امام محمد بن حسن اور امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ کے دوسرے تلامذہ سے فقہ حاصل کرنے لگے، البتہ زیادہ تر امام محمدؒ کے پاس جاتے رہتے، ایک مرتبہ انہوں نے امام محمدؒ سے کہا کہ میں مسافر ہوں (زیادہ دیر تک قیام نہیں کر سکتا) اور مسائل سے کافی نا آشنا ہوں، طلبہ آپ کے پاس زیادہ ہوتے ہیں میں کیا کروں تاکہ آپ سے زیادہ سے زیادہ استفادہ ممکن ہو سکے، امام محمدؒ نے فرمایا ”دن کو تو میں مصروف رہتا ہوں البتہ رات کا وقت آپ کے لیے خاص ہے، آ کر اپنے سوالات بیان کریں“ اسد بن فرات کہتے ہیں



کہ اس کے بعد ہر رات کو میں امام محمد کے پاس جاتا، وہ ایک برتن میں پانی بھر کر لاتے اور سبق کے لیے تشریف رکھتے، اگر کبھی مجھ پر نیند غالب آ جاتی تو میرے چہرے پر پانی کا چھڑکاؤ کرتے، کچھ عرصہ کے بعد اسد بن فرات عراق سے چلے گئے اور امام محمدؒ سے سنے ہوئے تمام مسائل کو امام مالک کے خاص شاگرد ابن قاسم کے سامنے پیش کر کے امام مالک کی رائے دریافت کی، پھر ”الاسدیہ“ کے نام سے ان کو مرتب کیا، بعد میں ابن قاسم نے سخون کے ہاتھ کچھ اس میں ترمیم کر کے فقہ مالکی کی تدوین کی، اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہ مالکی کی تدوین دراصل انہی مسائل کی روشنی میں ہوئی ہے جو اسد بن فرات نے امام محمدؒ سے سنے تھے (۱)۔

امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کے تعلقات

امام شافعیؒ شاگرد ہیں امام محمد کے، امام ابن تیمیہؒ نے منہاج السنۃ میں اس تلمذ کا انکار کیا ہے لیکن علامہ نووی وغیرہ نے اس تلمذ کو تسلیم کیا ہے (۲) امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ: ”سمعت من محمد وقریبہ“ یعنی ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر میں نے امام محمدؒ سے علم حاصل کیا۔ (۳) یہ وہی مسائل ہیں جو صرف امام شافعیؒ نے امام محمدؒ سے سنے ہیں، باقی وہ مسائل جن کے سماع میں امام شافعیؒ کے ساتھ دوسرے تلامذہ بھی شریک تھے، وہ ان کے علاوہ ہیں (اسی طرح ساٹھ دینار خرچ کر کے انہوں نے امام محمد کی تصانیف نقل کر کر اپنے لیے محفوظ کرالی تھیں) (۴) ایک مرتبہ کچھ کتابیں امام محمد سے عاریۃ منگوائیں لیکن کتابیں

(۱)..... بلوغ الامانی: ۱۸۶۱۳۔

(۲)..... دیکھئے مقدمۃ التعلیق لمحمد: ۳۰۔

(۳)..... الجواہر المفیہ: ۲۳۔

(۴)..... بلوغ الامانی: ۲۰۔



بجوانے میں امام محمد سے تاخیر ہوگئی، امام شافعی نے یہ لکھ کر بھیجا:

قل للذی لم ترعی ن من راہ مثله
حتی کان من را ہ قد رای من قبله
العلم ینہی اہله أن یمنعوه اہله
لعله ینذله لأہله لعله

تو امام محمدؒ نے اسی وقت وہ کتابیں ارسال کر دیں (۱)۔

امام شافعیؒ سے امام محمدؒ کی تعریف و توثیق کے بارے میں قابل قدر جملے منقول ہیں، فرماتے ہیں:

”مارأیت رجلاً سمیناً أفهم منه، مارأیت أفصح منه، کان إذا تکلم
خیل لك أن القرآن نزل بلغته، کان یملأ القلب والعین، مارأیت أعلم بکتاب
اللہ من محمد (۲) أمّن الناس علیّ فی الفقه محمد بن الحسن، أعاننی اللہ
برجلین: بابن عینیة فی الحدیث وبمحمد فی الفقه“۔

تصانیف امام محمد

امام محمد کی تصانیف بہت زیادہ ہیں، بعض حضرات کا خیال ہے ان کی تصانیف کی
تعداد تقریباً نو سو نو (۹۹۰) ہے، کسی عالم نے اپنے مذہب پر اتنی کتابیں نہیں لکھیں جتنی
امام محمد نے فقہ حنفی میں لکھی ہیں، (۳) ہم ذیل میں ان میں سے چند کا تذکرہ کریں گے۔

(۱).....وفیات الاعیان: ۱۸۳/۴۔

(۲).....الجواهر المفیة: ۳۳۔

(۳).....مقدمة شرح الوقایہ (لکھنؤی) ص: ۳۶۔



(۱) آپ کی سب سے بڑی تصنیف ”کتاب الاصل“ ہے جو کہ ”المبسوط“ کے نام سے مشہور ہے کہا جاتا ہے کہ امام شافعیؒ نے مبسوط ہی کو غنائے رکھ کر اس کی روشنی میں ”کتاب الام“ تصنیف فرمائی، کسی اہل کتاب نے مبسوط کا مطالعہ کیا اور یہ کہہ کر مسلمان ہو گیا کہ: ”هذا کتاب من محمد کم الأصغر فکیف کتاب محمد کم الأكبر“ یعنی چھوٹے محمد کی کتاب کی یہ شان ہے تو بڑے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی کتاب (قرآن) کے کیا کہنے! (۱)

(۲) الجامع الصغیر: امام محمدؒ مبسوط کی تصنیف سے فارغ ہو گئے تو امام ابو یوسفؒ نے آپ سے درخواست کی کہ امام اعظمؒ سے روایت شدہ ان تمام مسائل کو جو انہوں نے امام ابو یوسف سے سنے ہیں، کتابی شکل میں جمع کریں چنانچہ آپ نے ایک مجموعہ ”الجامع الصغیر“ کے نام سے تیار کر کے قاضی ابو یوسفؒ کی خدمت میں پیش کیا، آپ نے دیکھ کر فرمایا: ”بہت بہتر ہے، البتہ ابو عبد اللہ نے تین مسائل میں غلطی کی ہے“ امام محمدؒ کو معلوم ہوا تو فرمایا: میں نے کوئی غلطی نہیں کی وہ شاید بھول گئے ہیں۔

(۳) الجامع الکبیر: یہ اپنی نوعیت کی منفرد کتاب ہے، ابن شجاع کا قول ہے: ”لم یؤلف فی الاسلام مثله فی الفقه“ اور صرف یہی نہیں، بلکہ عربیت کے لحاظ سے بھی اس کتاب نے ائمہ لغت کو حیرت زدہ کر دیا، اخفش اور ابو علی فارسی نے اس کے ادبی پہلو کی بہت تعریف کی ہے۔

(۴) الزیادات: اس میں ان مسائل کا تذکرہ ہے جو جامع صغیر و جامع کبیر میں قید قلم میں نہیں آئے تھے۔

(۵) السیر الصغیر۔

السیر الکبیر: یہ دونوں کتابیں بھی اپنے مخصوص انداز میں منفرد حیثیت رکھتی ہیں

ان کتابوں میں احکام جہاد، غنیمت، فتنے، وغیرہ کو موضوع بحث بنایا گیا ہے ہارون الرشید نے سیر کبیر کی خصوصیات دیکھ کر اپنے دونوں بیٹوں کو یہ کتاب پڑھوائی۔

امام محمدؒ کی یہ وہ چھ کتابیں ہیں، جو شہرہ آفاق ہیں اور ان کی روایت بھی مشہور یا متواتر طرق سے چلی آرہی ہے، ان میں مذکورہ مسائل کو ”ظاہر الروایۃ“ کہا جاتا ہے ان کے علاوہ جو کتابیں بطریق آحاد مروی ہیں، وہ یہ ہیں: الرقیات، الکیسانیات، الحرجانیات، الہارونیات، الحجج فی الاحتجاج علی اہل المدینہ، اجتہاد الرأی، کتاب الاستحسان، کتاب الحصال، الرد علی اہل المدینہ، کتاب اصول الفقہ (۱)، حدیث کے موضوع پر امام محمدؒ کی تصانیف ایک تومو طہ ہے، دوسری آثار السنن ہے جس میں وہ امام ابوحنیفہ سے روایت کرتے ہیں۔

مؤطا بروایت امام محمدؒ، ایک تقابلی جائزہ، عادات و خصوصیات

پہلے کہا جا چکا ہے کہ امام محمدؒ مارتے ہیں کہ تین سال تک امام مالکؒ کی مجلس درس میں بیٹھ کر انہوں نے مؤطا کی روایات سنی ہیں اور پھر انہوں نے اس مجموعہ کو تیار کیا جسے عرف میں ”مؤطا امام محمدؒ“ کہا جاتا ہے۔

البتہ مؤطا امام مالکؒ بروایت یحییٰ اندلسی کو شہرت زیادہ حاصل ہوئی اور مطلقاً جب مؤطا کہا جاتا ہے تو اس سے وہی مؤطا بروایت یحییٰ مراد ہوتا ہے، لیکن اس شہرت کے باوجود مؤطا بروایت امام محمدؒ کی وجہ سے ممتاز ہے، مولانا عبدالحی لکھنوی نے اس پر مفصل بحث کی ہے، ان وجوہ ترجیح میں سے بعض یہ ہیں۔

(۱) یحییٰ اندلسی نے مؤطا کے بعض حصے امام مالکؒ سے اور اکثر حصے امام مالکؒ



کے دوسرے تلامذہ سے سنے ہیں اور امام محمدؒ نے پورا مؤطا امام مالک سے سنا ہے اور سماع بلا واسطہ سماع بالواسطہ سے اولیٰ ہے۔

(۲) یحییٰ اندلسی امام مالک کے پاس ان کے سنہ وفات میں حاضر ہوئے اور امام محمدؒ متواتر تین سال تک شریک درس رہے اور طویل الملازمة کی روایت اقویٰ ہے قلیل الملازمة کی روایت سے۔

(۳) مؤطا یحییٰ میں مسائل فقہیہ اور اجتہادات امام مالک زیادہ ہیں، بہت سارے تراجم میں تو بغیر کسی روایت یا اثر کے صرف امام مالک کا اجتہاد ہی مذکور ہے اور یہ بات مؤطا امام محمدؒ میں نہیں، وہاں ہر ترجمہ کے تحت کوئی روایت ضرور ہوتی ہے اور احادیث غیر مخلوط بالرائی، افضل ہیں مخلوط بالرائی سے۔

(۴) مؤطا یحییٰ صرف امام مالکؒ کے طریق سے مروی احادیث پر مشتمل ہے اور مؤطا محمدؒ میں دوسرے شیوخ کی روایات بھی ہیں، یہ فائدہ جلیلہ مؤطا یحییٰ میں نہیں ہے۔

(۵) مؤطا یحییٰ میں امام مالک کے مذہب کے موافق احادیث ہیں اور بسا اوقات وہ احادیث، حنفیہ کے یہاں کسی وجہ سے معمول بہا نہیں ہوتیں، لیکن مؤطا امام محمدؒ میں ان روایات غیر معمول بہا کے بعد حنفیہ کے یہاں معمول بہا روایات کا بھی تذکرہ ہے جو کہ حنفی حضرات کے لیے باعث اطمینان ہے۔ (۱)

مؤطا کی روایت میں امام محمدؒ کی عادت یہ ہے کہ ترجمۃ الباب کے بعد امام مالک کی روایت لاتے ہیں چاہے مرفوع ہو یا موقوف، عنوانات میں لفظ کتاب یا باب استعمال کرتے ہیں لفظ فصل نہیں لکھتے ”وبہ نأخذ“ کہہ کر مذہب حنفیہ کی نشاندہی کرتے ہیں، اگر امام مالکؒ کی روایت حنیفہ کے مذہب کے مطابق نہ ہو تو اس پر گفتگو کر کے حنفیہ کی تائید کے

لیے دوسرے مشائخ کی روایات لاتے ہیں، تمام روایات میں لفظ خبرنا ہی استعمال کرتے ہیں۔

ابراہیم نخعیؒ کے مذہب کی بھی نشاندہی کرتے ہیں، امام ابو یوسفؒ کے مذہب کے بارے میں خاموش رہتے ہیں، واجب کے مقابلہ میں لفظ ”ہذا حسن، جمیل مستحسن“ وغیرہ استعمال کرتے ہیں جو کہ سنت مؤکدہ وغیرہ مؤکدہ کو شامل ہے، لفظ ”لابأس به“ کو کبھی نفس جواز بتانے کے لیے استعمال کرتے ہیں، حالانکہ متاخرین کے یہاں اس کا استعمال مکروہ تنزیہی میں ہوتا ہے، کبھی لفظ ”ینبغی“ کا استعمال متقدمین کی اصطلاح کے مطابق عام معنی میں کرتے ہیں جو کہ واجب وسنت کو شامل ہے، لفظ ”اثر“ کا استعمال کبھی حدیث مرفوعہ وموقوفہ کے لیے بھی کرتے ہیں، بعض آثار کی سند بیان نہیں کرتے بلکہ ”بلغنا“ کہہ کر نقل کرتے ہیں اور محققین کے یہاں بلاغات محمد، مسند ہے (۱)۔

تعداد روایات

مولانا عبدالحی لکھنویؒ موطا امام محمدؒ کی تمام روایات کو باریک بینی سے گن کر فرماتے ہیں: موطا بروایت امام محمدؒ میں تمام احادیث مرفوعہ اور آثار موقوفہ گیارہ سو اسی (۱۱۸۰) ہیں، ایک ہزار پانچ روایتیں امام مالکؒ کے طریق سے تیرہ روایتیں ابو حنیفہؒ اور چار روایتیں امام ابو یوسفؒ کے طریق سے اور باقی دوسرے حضرات سے مروی ہیں (۲)۔

شروح وحواشی

موطابروایت امام محمدؒ کی بہت کم شرحیں دستیاب ہیں، شرح الموطا: دو جلدوں میں

(۱)..... التعلیق المجد: ۳۹-۴۰۔

(۲)..... مقدمہ التعلیق المجد: ۳۹۔



علامہ ابراہیم المعروف ”بیری زادہ“ نے لکھی۔ ملا علی قاری ہرودی کی نے دو جلدوں میں لکھی۔ اس شرح میں شارح سے تنقید رجال میں بہت زیادہ مسامحات واقع ہوئے ہیں (۱)۔

حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ کا بھی ایک جامع حاشیہ ”التعلیق المجد علی مؤطا محمدؐ“ کے نام سے موجود ہے، البتہ علامہ کوثری نے دو جگہوں کی نشاندہی کی ہے جہاں سند کی بحث میں مولانا عبدالحی کو دقت پیش آئی ہے، قراءۃ خلف الامام کے باب میں ایک حدیث اس سند سے موجود ہے۔

”قال محمد حدثنا الشيخ أبو علي قال حدثنا محمود بن محمد العروزي قال حدثنا سهل بن العباس الخ“ (۲) اس سند میں امام محمد کے شیخ ابوعلی اور شیخ الشیخ محمود کا نام آیا ہے حالانکہ اس نام سے امام محمد کے کوئی استاذ نہیں، تو مولانا لکھنویؒ نے فرمایا: ”لم أقف إلى الآن على تشخيصهما حتى يعرف توثيقهما أو تضعيفهما“ (۳) علامہ کوثری فرماتے ہیں کہ دراصل یہ حدیث مؤطا امام محمد میں نہیں ہے بلکہ یہ حدیث ابوعلی صواف کے نسخہ کے حاشیہ میں لکھی ہوئی تھی اور بعض ناخین نے اس کو متن کتاب میں شامل کیا ہے، ابوعلی کا نام محمد بن احمد بن حسن صواف ہے اور یہ چوتھی صدی ہجری کے آدمی ہیں، دارالکتب العلمیہ مصر میں جو نسخہ موجود ہے اس میں یہ حدیث حاشیہ میں ہے (۴)، اسی طرح باب صلوة القاعد کی آخری روایت کی سند یوں ہے:

”قال محمد حدثنا بشر حدثنا أحمد أخبرنا إسرائيل بن يونس بن أبي

(۱)..... مقدمة التعلیق المجد ۵-۲۶۔

(۲)..... دیکھئے مؤطا محمد مطبوع قدیمی کتب خانہ کراچی: ۹۹۔

(۳)..... دیکھئے مؤطا محمد ۱۹۹ مطبوع قدیمی کتب خانہ کراچی حاشیہ۔

(۴)..... دیکھئے بلوغ الامانی: ۹۶۔

إسحاق الخ“ (۱) یہاں بھی وہی مسئلہ ہے کہ امام محمد کے استاذ کا نام ”بشر“ آیا ہے اور یہ کتب اسماء الرجال میں محفوظ نہیں ہے اس لیے مولانا عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں:

”لم أعرف الآن تعينه وتعين شيخه أحمد“ (۲)۔

علامہ کوثریؒ کہتے ہیں کہ سند کے شروع میں جو محمد ہے اس سے مراد امام محمد بن حسن نہیں بلکہ یہ وہی ابوعلی محمد بن احمد بن حسن صواف ہے اور ”بشر“ ان کے استاذ ہیں، آگے سند میں جو احمد ہے یہ احمد بن مہران نسوی ہیں جو امام محمد کے ساتھی اور مؤطا امام محمد کے راویوں میں سے ہیں اور اسرائیل بن یونس یہ امام محمد کے استاذ ہیں تو بظاہر یہاں احمد اور اسرائیل کے درمیان میں لفظ محمد کا تب کی غلطی سے رہ گیا ہے، چنانچہ مصر کی مذکورہ لاہیری کے نسخے میں یہ لفظ موجود ہے (۳)۔



(۱)..... دیکھئے مؤطا محمد: ۱۷ (مطبوع قدیمی کتب خانہ کراچی)۔

(۲)..... دیکھئے مؤطا محمد: ۱۷ (مطبوع قدیمی کتب خانہ حاشیہ نمبر ۱)۔

(۳)..... دیکھئے بلوغ الامانی: ۶۶۔



امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ

نسب و نسبت

ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ بن سلمۃ بن عبد الملک الازدی الحجری المصری الطحاوی، ابن خلکان نے آپ کے جد ثانی ”سلمۃ“ کو ذکر نہیں کیا ہے (۱) بعض حضرات نے لکھا ہے کہ علامہ سمعانی نے مختلف مقامات میں امام طحاوی کا تذکرہ کیا ہے اور ہر جگہ جد اول کے نام میں اختلاف ہے، سلامۃ، سلام اور سلمۃ تینوں نام ملتے ہیں (۲) لیکن یہ نقل کی غلطی ہوگی، اس لیے کہ جو نسخہ ہمارے پاس ہے اس میں اس طرح کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

ازدی

یہ نسبت ہے ازد بن غوث کی طرف، جسے ”ازد شنوءہ“ کہا جاتا ہے، اسی طرح ازد بن عمران بن عامر کی طرف بھی نسبت ہے اور ایک نسبت ہے حجر بن عمران کی طرف، جسے ”ازد حجر“ کہا جاتا ہے امام طحاوی کی نسبت میں جو ”ازدی“ کہا جاتا ہے اس سے یہی ”ازد حجر“ مراد ہے (۳)۔

(۱)..... دیکھئے وفیات الاعیان: ۱/۱۔

(۲)..... ابو جعفر الطحاوی واثرہ فی الحدیث: ۳۱-۳۲۔

(۳)..... دیکھئے الانساب: ۱/۱۲۰۔



حجری

حاء کے فتح اور جیم کے سکون کے ساتھ، علامہ سمعانی لکھتے ہیں کہ تین قبائل ہیں جن کو حجری کہا جاتا ہے؛ حجر حمیر، حجر زعین اور حجر الازد، امام طحاویؒ کا تعلق آخر الذکر قبیلہ سے ہے (۱)۔

مصری

یہ مشہور ملک مصر کی طرف نسبت ہے جسے قدیم زمان میں ”بابلینون“ بھی کہا جاتا تھا، جو اس کے بانی مصر بن مصر ایم بن حام بن نوح کی طرف نسبت کی وجہ سے مصر کے نام سے مشہور ہے (۲)۔

طحاوی

طحا (طاء اور حا کے فتح کے ساتھ) مصر کے ایک گاؤں کا نام ہے، کہا جاتا ہے کہ امام طحاویؒ ”طحا“ کے رہنے والے نہیں تھے بلکہ اس کے قریب ”طخوط“ نامی گاؤں کے تھے لیکن ان کو ”طخوطی“ کہلوانا پسند نہ تھا اس لئے ”طحا“ کی طرف نسبت کرتے ہیں (۳)۔

ولادت و رحلت

امام طحاویؒ کی تاریخ ولادت میں دو مشہور قول ملتے ہیں جن کا باہمی فرق کافی زیادہ ہے، ابن خلکان نے تاریخ ولادت کے بارے میں ۲۳۸ھ اور ۲۲۹ھ کو نقل کیا ہے اور

(۱)..... دیکھئے: الانساب: ۲/۱۷۹۔

(۲)..... دیکھئے: معجم البلدان: ۵/۱۳۷۔

(۳)..... دیکھئے: معجم البلدان: ۳/۲۲۔



دوسرے قول (۲۲۹ھ) کو راجح قرار دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ یہ علامہ سمعانی سے مروی ہے (۱) علامہ عبدالحی لکھنویؒ نے بھی ۲۲۹ھ کے قول کو نقل کر کے ۲۳۰ھ کو ”قیل“ کے ساتھ بیان کیا ہے (۲) علامہ عینی نے بھی اسی قول کو راجح قرار دیا ہے (۳) لیکن علامہ ذہبی، ابن حجر، یاقوت حموی، شاہ عبدالعزیز و دیگر نے ۲۳۹ھ کو نقل کیا ہے (۴) علامہ زاہد کوثریؒ نے لکھا ہے کہ ”الجواهر المضیة“ میں ابوسعید بن یونس کا بیان ہے: قال الطحاوی: ”ولدت سنة تسع وثلاثين ومائتين“ تو چونکہ یہ قول خود امام صاحب سے مروی ہے اس لیے اس کو راجح کہا جائے گا (۵) لیکن یہاں ایک بات تو یہ ہے کہ ہمارے پاس الجواهر المضیة کے موجودہ نسخہ میں عبارت یوں ہے: قال الطحاوی: ”ولدت سنة تسع وثلاثين ومائتين“ اور ابن عساکر نے ابن یونس ہی سے ۲۳۹ھ کے قول کو نقل کیا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ بہت سارے متقدمین اور متاخرین محققین نے ۲۳۹ھ کے قول کو بیان کیا ہے، بعض حضرات صاحب ”الانساب“ کے حوالہ سے ۲۳۹ھ کا قول بیان کرتے ہیں اور تیسری بات یہ ہے کہ ”الانساب“ کا جو نسخہ ہمارے پاس ہے اس میں دو جگہ طحاوی کی ولادت کا تذکرہ ہے اور ہر جگہ ۲۳۹ھ ہی مذکور ہے (۶)۔

حضرت امام طحاوی کی وفات بروز جمعرات ذوالقعدہ ۳۲۱ھ کو مصر میں ہوئی، تو پہلے قول ۲۲۹ھ کے مطابق امام صاحب کی عمر بیان نوے سال ہوگی، اس حساب سے لفظ

(۱)..... دیکھئے: وفیات الاعیان: ۷۲/۱۔

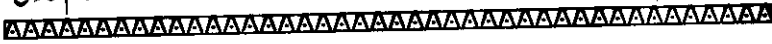
(۲)..... دیکھئے: الفوائد المہیة: ۳۲۔

(۳)..... الحادوی فی سیرۃ الامام الطحاوی مطبوع مع معانی الآثار: ۱/۳۔

(۴)..... معجم البلدان: ۲۲/۳۔ سیر اعلام النبلاء: ۱۵/۲۸، بستان المحدثین: ۲۲۸۔

(۵)..... دیکھئے: الحادوی: ۳۔

(۶)..... دیکھئے: الانساب مطبوع دار البیان بیروت: ۲/۱۷۹، ۵۳/۴۔



مصطفیٰ سے تاریخ ولادت ۲۲۹ھ اور محمد سے مدت عمر ۹۲ اور محمد مصطفیٰ سے تاریخ وفات ۳۲۱ھ نکلتی ہے اور دوسرے قول کے مطابق امام طحاوی کی عمر بیاسی سال ہوگی۔

امام طحاوی کی صحاح ستہ کے مصنفین سے معاشرت اور بعض اساتذہ میں مشارکت: شیخ کوثریؒ علامہ عینیؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ امام طحاوی کی تاریخ ولادت و وفات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام طحاوی کی عمر امام بخاری (متوفی ۲۵۶ھ) کی وفات کے وقت ۲۷ سال (دوسرے قول کے مطابق ۱۷ سال) امام مسلم (متوفی ۲۶۱ھ) کی وفات کے وقت ۳۲ سال (بنا بر قول ثانی ۲۲ سال) بوقت انتقال ابو داؤد (متوفی ۲۷۵ھ) ۳۶ سال (دوسرے قول کے مطابق ۳۶ سال)، امام ترمذی (متوفی ۲۷۹ھ) کی وفات کے وقت ۵۰ سال (یا ۴۰ سال)، امام نسائی (متوفی ۳۰۳ھ) کی وفات کے موقع پر ۷۰ سال (یا ۶۰ سال) اور امام ابن ماجہ (متوفی ۲۷۳ھ) کی رحلت آخرت کے وقت ۴۴ سال (یا ۳۴ سال) اور امام احمد بن حنبل (متوفی ۲۴۱ھ) کے انتقال کے وقت ۱۲ سال (یا ۲ سال) تھی (۱)۔

امام طحاوی امام مسلم، ابو داؤد، نسائی، اور ابن ماجہ کے ساتھ بعض مشائخ اور اساتذہ میں بھی شریک ہیں مثلاً ہارون بن سعید اعلیٰ، ربیع بن سلمان، ابو موسیٰ یونس بن عبد الاعلیٰ وغیرہ۔

اساتذہ و تلامذہ

امام طحاوی نے سب سے پہلے اور سب سے زیادہ اپنے ماموں ”مزنی“ سے استفادہ کیا ہے اور ان ہی کے واسطے سے مسند شافعی کی روایت بھی کرتے ہیں، علامہ کوثری (۱)..... دیکھئے تفصیل کے لیے: الحادی مطبوع مع معانی الآثار: ۴۔



کہتے ہیں کہ امام نے اپنے والد سے بھی سماع کیا ہے، ان کے علاوہ امام طحاوی کے اساتذہ کی فہرست کافی طویل ہے جسے دیکھ کر اندازہ ہوگا کہ امام طحاوی نے مصر، یمن، بصرہ، کوفہ، حجاز، شام، خراسان اور دیگر دیار اسلامیہ کے علماء سے استفادہ کیا ہے اور حصول فقہ کے لیے دمشق گئے اور قاضی ابو حازم عبد الحمید سے خوب استفادہ کیا (۱) مصر میں علی بن ابی عمران اور ربکار بن قتیبہ سے فقہ حاصل کیا، اسی طرح ایک جم غفیر نے امام طحاوی سے شرف تلمذ حاصل کیا ہے جن میں ان کے صاحبزادے علی بن احمد، ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی، ابوسعید عبد الرحمن بن احمد مصری وغیرہ شامل ہیں (۲)۔

امام طحاوی کا فقہی مسلک

امام طحاوی کے ماموں ابوالبراء ایم اسماعیل بن یحییٰ مزنی امام شافعی کے کبار تلامذہ میں سے تھے اور فقہ پر کامل دسترس رکھتے تھے اور یہ بات پہلے آچکی ہے کہ امام طحاوی نے سب سے پہلے اور سب سے زیادہ اپنے ماموں شیخ مزنی سے استفادہ کیا ہے اور طبعی طور پر وہ پہلے فقہ شافعی کی طرف مائل بھی تھے لیکن بعد میں انہوں نے یہ مسلک چھوڑ دیا اور فقہ حنفی کی طرف آ گئے، اس کی وجہ کیا بنی؟ اس بارے میں بعض کہتے ہیں کہ امام طحاویؒ کے ماموں ایک دن ان پر غصہ ہوئے اور کہا: ”واللہ لاجاء منك شیء!“ جس پر امام طحاوی کو رنج ہوا اور ابو عمران حنفی قاضی مصر کی مجلس میں جانے لگے اور حنفی مسلک کو اپنایا، بعد میں جب مختصر کی

(۱)..... البدایہ والنہایہ اور بعض دوسری کتابوں میں دمشق کے قاضی کی کنیت ”ابو حازم“ خاء مہملہ کے ساتھ

آئی ہے، حافظ ابن حجر کہتے ہیں یہ غلط ہے صحیح ”ابو حازم“، خاء معجمہ کے ساتھ ہے۔ دیکھئے: البدایہ

والنہایہ: ۱۱/۱۷۴، ولسان المیزان: ۱/۲۷۵۔

(۲)..... تفصیل کے لیے دیکھئے: طحاوی: ۵۔ ولسان المیزان: ۱/۲۷۴۔



تصنیف سے فارغ ہو گئے تو فرمایا: ”رحم اللہ ابا ابراہیم لو کان حیا لکفر عن یمینہ۔“
بعض نے کہا کہ امام طحاوی حنفیہ کی کتابوں کا زیادہ مطالعہ کرتے تھے اس لیے
ماموں کو غصہ آیا اور کہنے لگے: ”واللہ ما جاء منک شیء۔“

حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ امام طحاوی نے جو ”لکفر عن یمینہ“ فرمایا
ہے یہ امام شافعی کے مذہب کی بناء پر ہے، ورنہ حنفیہ کے نزدیک اس طرح کی قسم لغویاً غموس
ہوتی ہے جس میں کفارہ نہیں آتا، علامہ عبدالحی لکھنویؒ لکھتے ہیں کہ بعض علماء نے فعل
مضارع ”لا یحیی“ نقل کیا ہے (۱) تو اس صورت میں ہمارے یہاں بھی کفارہ واجب ہو
گا (۲) لیکن اس روایت کی کوئی معتد بہ سند نہیں ہے، دوسری بات یہ ہے کہ امام مزنیؒ خود بھی
حنفیہ کی کتابوں کا کثرت سے مطالعہ کرتے تھے تو کیسے ہو سکتا ہے کہ اس بنیاد پر امام طحاوی پر
غصہ کریں؟

اس بارے میں ابوسلیمان بن زبر خود امام طحاوی کا قول نقل کرتے ہیں کہ میں
پہلے امام شافعی کے مسلک پر تھا کچھ عرصہ بعد احمد بن ابی عمران کی مجلس میں جانے لگا اور حنفیہ
کے قول کو اپنایا (اور یہ مزنی کی وفات کے بعد کا واقعہ ہے) اسی طرح محمد بن احمد شریطی کا
قول ہے کہ انہوں نے امام طحاوی سے پوچھا: ”لم خالفت مذهب خالک؟ واحترت
مذهب ابی حنیفہ؟“ تو آپ نے فرمایا کہ میں اپنے ماموں مزنی کو دیکھتا تھا کہ ہر وقت
حنفیہ کی کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے (تو میں نے بھی مطالعہ شروع کیا) اور حنفیہ کی طرف مائل
ہو گیا، علامہ کوثری لکھتے ہیں: بظاہر یہ دونوں روایتیں زیادہ صحیح ہیں کہ براہ راست خود امام
طحاوی سے مروی ہیں اور دوسری روایات اشکال سے خالی نہیں ہیں (۳)۔

(۱)..... دیکھئے: البدایہ والنہایہ: ۱۷۳/۱۔

(۲)..... دیکھئے: الفوائد الحمیدیہ فی تراجم الحنفیہ: ۳۲، البتہ علامہ زاہد کوثری کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام مزنی کی
راے کفارہ کے بارے میں حنفیہ کی رائے کے مطابق ہے کہ یمین غموس میں کفارہ نہیں ہوتا، دیکھئے: الحاوی: ۸۔

(۳)..... دیکھئے: الحاوی: ۹، ۸۔



طبقات فقہاء حنفیہ میں امام طحاوی کا مقام

علامہ شامی نے ابن کمال باشا کے حوالے سے لکھا ہے کہ امام طحاوی کا شمار ”مجتہدین فی المسائل“ میں ہوتا ہے جیسے کہ علامہ کرنی، خصاف، حلوانی، سرخسی، بزدوی وغیرہ ہیں، یعنی یہ حضرات اصول وفروع میں اپنے امام کی مخالفت نہیں کرتے بلکہ اپنے امام کے اصول وقواعد کو سامنے رکھ کر ان مسائل کے احکام کا استنباط کرتے ہیں جن کے بارے میں صاحب مذہب سے کوئی روایت نہ ہو (۱) لیکن علامہ عبدالحی لکھنوی ”الفوائد البہیہ“ میں اس قول کو ذکر کر کے لکھتے ہیں: یہ فیصلہ محل نظر ہے، امام طحاوی کی کتابوں کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے اصول وفروع کے کافی مسائل میں صاحب مذہب سے اختلاف کیا ہے، اس لیے وہ ”مجتہد منتسب الی ابی حنیفہ“ ہونگے یعنی وہ اصول وفروع میں کسی امام کی پیروی نہیں کرتے، البتہ اپنی نسبت کسی امام کی طرف اس لیے کرتے ہیں کہ اجتہاد میں ان کے طرز و طریقہ کو اپناتے ہیں اور اگر یہ فیصلہ تسلیم نہ ہو تو کم از کم امام طحاوی ”مجتہد فی المذہب“ ضرور ہیں جیسے کہ امام ابو یوسف اور امام محمد ہیں اور پھر انہوں نے اپنی تائید میں شاہ ولی اللہ کے فیصلے کو نقل کیا ہے (۲)۔

امام طحاوی بحیثیت مفسر

تفسیر قرآن کریم اور آیات احکام کی تشریح ان علوم میں سے ہیں جن میں امام طحاوی کو کامل دسترس تھی اور اس علم میں ان کی تصنیفات بھی ہیں، چنانچہ احکام القرآن کے

(۱) دیکھئے: فتاویٰ شامی: ۱/۵۷ مطبوع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

(۲) الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ: ۳۱۔

نام سے بیس اجزاء میں انہوں نے تفسیر لکھی تھی، صاحب کشف الظنون نے قاضی عیاض کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ امام طحاوی کی ایک تصنیف ”نوادیر القرآن“ ایک ہزار صفحات پر مشتمل تھی، امام طحاوی کی تفسیر اگرچہ ہم تک نہیں پہنچ سکی لیکن معانی الآثار کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر میں امام طحاوی کا طریقہ ان کے معاصر مفسرین (جبریل طبری کی طرز تفسیر سے مشابہ ہے کہ اس میں اقوال صحابہ، تابعین اور عرب کے استعمالات کو سامنے رکھ کر تفسیر کرتے ہیں۔

امام طحاوی اور علم قرأت

علم قرأت میں بھی امام طحاویؒ نے اتنی مہارت حاصل کی کہ اپنا نام طبقات قرأت میں درج کرا گئے، وہ موسیٰ بن عیسیٰ کی قرأت کی روایت کرتے ہیں اور عاصم ابن ابی الجوزی کی قرأت کو ترجیح دیتے تھے اگرچہ تمام قرأت اور ان کے راویوں سے خوب آگاہ تھے (۱)۔

امام طحاوی اور علم لغت

امام طحاوی نے علم نحو و لغت محمود بن حسان سے حاصل کیا ہے اور اس فن میں بھی وہ درجہ کمال کو پہنچے، چنانچہ معانی الآثار کے مطالعہ سے جا بجا علم لغت میں ان کا کمال واضح ہوتا ہے۔

”لنأطرنه على الحق طرا“ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”فوجدنا أهل اللغة يحكون في ذلك عن الخليل بن أحمد أنه يقول: أظرت الشيء إذا ثبته وعطفته وأظركل شيء عطفه..... ووجدنا هم يحكون في ذلك عن (۱)..... تفصیل کے لیے دیکھیے: ابو جعفر الطحاوی واثره فی المحدثین: ۱۱۲۔



الأصمعی أنه قال: أطرت الشيء وأطرت: إذا أملتہ إليك ورددته إلى حاجتك فکان. قول الرسول: ولتأطرنه..... ای تردونه إليه وتعطفونه عليه وتميلون إليه“ اسی طرح حدیث میں آتا ہے: ”لا يدخل الجنة ولد زنية“ تو یہاں یہ خیال آ سکتا ہے کہ زنا سے وجود میں آنے والے بچہ کا کیا قصور ہے کہ وہ جنت کا حقدار نہ ہو، یہ تو ”لا تنزر وأزره“ کی ”آخری“ کے بظاہر خلاف ہے تو امام طحاوی فرماتے ہیں (واللہ اعلم بمراده) جو آدمی کسی چیز کی مہارت اور ملاہست اختیار کرتا ہے تو وہ اسی چیز کی طرف منسوب ہونے کا مستحق ہوتا ہے، مثلاً جن کا مطمح نظر دنیا ہے ان کو بخوالد نیا کہا جاتا ہے مسافر کو ابن السبیل کہتے ہیں تو اسی طرح ابن زنیۃ کے معنی ہوں گے جو زنا کا ارتکاب کرتا ہے اور زنا اس پر غالب ہوتا ہے (۱)۔

امام طحاوی ائمہ فن کی نظر میں

محدثین، اہل تاریخ اور اسماء الرجال کے ماہرین و محققین نے ہمیشہ امام طحاوی کی وقیع الفاظ میں تعریف کی ہے، چنانچہ علامہ سیوطی کہتے ہیں: ”الإمام العلامة الحافظ صاحب التصانيف البديعة، وكان ثقة ثبتا فقيها لم يخلف بعده مثله۔“

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں: ”هو أحد الثقات الأثبات والحفاظ الجهابذة۔“ علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں: ”امام طحاوی کی امانت اور ثقاہت پر سب علماء کا اجماع ہے علم حدیث، علل حدیث اور ناخ و مسنوخ میں ید طولی رکھتے تھے جن کے بعد ان کی خالی جگہ کوئی پُر نہ کر سکا۔“

علامہ کوثری یہاں لکھتے ہیں: ”کہ اگر صاحب انصاف ان کی اور ان کی معاصرین کی کتابوں کا بغور مطالعہ کرے تو اس فیصلے پر مجبور ہوگا کہ وہ قرآن و حدیث سے

استنباط احکام اور فقہ میں سب معاصرین سے زیادہ مہارت رکھتے تھے“ (۱)۔

امام طحاوی مخالفین کی عبارت میں

امام طحاوی پر بعض اہل علم نے تنقید بھی کی ہے، ابو بکر بیہقی کہتے ہیں کہ میں نے ابو جعفر طحاوی کی کتاب کا مطالعہ کیا سو اس میں بہت ساری ضعیف حدیثیں ہیں جن کو اس نے اپنے مذہب کی تائید کے لیے صحیح قرار دیا ہے اور جو صحیح حدیثیں ان کے خلاف جاتی ہیں ان کی وہ تضعیف کرتے ہیں، حافظ عبدالقادر قرشی کہتے ہیں کہ ہمارے استاذ (قاضی علاء الدین) نے مجھے اس بارے میں تفتیش و تحقیق کا حکم دیا اور میں نے نظر دقیق و عمیق سے معانی الآثار اور اس کی اسناد کا مطالعہ کیا، پھر حافظ قرشی قسم کھا کر کہتے ہیں: واللہ! بیہقی کی بات کا کوئی اشارہ بھی مجھے اس کتاب میں نہیں ملا، پھر حافظ مشرقی کے استاذ نے بیہقی کی کتاب ”السنن الکبریٰ“ پر تحقیق کر کے ثابت کیا ہے کہ خود امام بیہقی اپنے مذہب کی تائید کے لیے کسی راوی کی توثیق کرتے ہیں اور دوسرے ہی صفحہ میں اس آدمی کی تضعیف اس بناء پر کرتے ہیں کہ اس کی روایت ان کے خلاف جاتی ہے (۲)۔

ابن تیمیہ اپنی کتاب ”المہاج“ میں لکھتے ہیں کہ امام طحاوی اگرچہ عالم، فقیہ اور کثیر الحدیث تھے، لیکن نقد احادیث میں اور اسناد کی صحت و سقم کی شناخت میں زیادہ نظر دقیق نہیں رکھتے تھے اور بسا اوقات قیاس کے ذریعے سے کسی حدیث کو راجح اور دوسرے کو

(۱)..... تفصیل کے لیے دیکھئے: الجاوی: ۷۔

(۲)..... دیکھئے: الجواہر المفیہ: ۳۳۲/۲-۳۳۱، حافظ عبدالقادر قرشی نے معانی الآثار پر جو کام کیا ہے وہ ”الجاوی فی بیان آثار الطحاوی“ اور ان کے استاذ نے سنن کبیر بیہقی پر جو تحقیق کا کام کیا ہے وہ ”الحوہر النقی فی الرد علی سنن البیہقی“ کے نام سے مشہور ہے۔

مروج قرار دیتے تھے۔ (۱) علامہ کوثری کہتے ہیں کہ اس الزام کی بنیاد یہ ہے کہ امام طحاوی نے حدیث ”رد الشمس لعلی“ کو صحیح قرار دیا ہے جو کہ ابن تیمیہ کے نظریہ کے خلاف ہے اور یہ سوائے عناد کے اور کچھ نہیں اس لیے کہ بہت سارے محدثین نے اس کی تصحیح کی ہے، چاہے ابن تیمیہ اس پر راضی ہوں یا ناراض (۲)۔

تصانیف

امام طحاوی نے اپنی پابندہ تصنیف معانی الآثار کے علاوہ بھی بہت ساری ایسی تصانیف یادگار چھوڑی ہیں جو کہ اہل علم و تحقیق کے لیے آب حیات سے کم نہیں، ذیل میں ان میں سے بعض کا تذکرہ ہوگا۔

۱۔ مشکل الآثار: جو کہ مشکل الحدیث کے نام سے مشہور ہے، اس میں احادیث کے درمیان ظاہری تضاد کی نفی اور احادیث سے استخراج احکام کا بیان ہے، بعد میں ابوالولید ابن رشد نے اس کی تلخیص کی اور اس پر کچھ اعتراضات بھی کئے، علامہ بدرالدین عینی کے استاذ قاضی جمال الدین یوسف بن موسیٰ نے اس تلخیص کی تلخیص کی ہے اور تمام اعتراضات کے جوابات بھی دیئے جو کہ ”المعتصر من المختصر“ کے نام سے مشہور ہے۔

۲۔ اختلاف العلماء: یہ بھی ایک مفصل کتاب تھی جس کی تلخیص ابوبکر رازی نے

کی ہے۔

۳۔ احکام القرآن: قاضی عیاض لکھتے ہیں کہ: ”إن للطحاوی ألف ورقة فی

(۱)..... دیکھئے: منہاج السنۃ لابن تیمیہ ۳/ ۱۸۵، ۱۹۵۔

(۲)..... دیکھئے الحواوی فی سیرۃ الامام الطحاوی، مطبوع مع معانی الآثار ۱۳۔



تفسیر القرآن، جس سے آپ کی علم تفسیر میں مہارت کاملہ کا اندازہ بخوبی ہو جاتا ہے۔

۳۔ الشروط: کے نام سے امام طحاوی کی تین کتابیں مشہور ہیں۔

۵۔ شروط کبیر، ۶۔ شروط اوسط، ۷۔ شروط صغیر۔

۸۔ مختصر الطحاوی: یہ فقہ حنفی کی کتاب ہے، جس کی شرح امام ابوبکر رازی بھاص،

شمس الائمۃ سرخی اور دیگر نے کی ہے، علامہ ابن حجر نے اس نام کی دو کتابوں کا تذکرہ کیا ہے، مختصر صغیر و مختصر کبیر۔

۹۔ النوادر الفقہیہ، ۱۰۔ النوادر والحکایات، ۱۱۔ حکم ارض مکہ، ۱۲۔ قسم الفی والغنائم،

۱۳۔ النقص علی الکراسی، ۱۴۔ شرح جامع صغیر، ۱۵۔ شرح جامع کبیر، ۱۶۔ سنن شافعی،

۱۷۔ کتاب المحاضر والسجلات وغیرہ۔

۱۸۔ عقیدۃ الطحاوی: ایک مختصر مگر جامع و مانع کتاب ہے جس کی صحت پر تمام اہل

علم متفق ہیں۔

مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ نے ”بروکلماں“ کی کتاب ”ادب عرب کی تاریخ“

کے حوالہ سے ایک اور تصنیف ”صحیح الآثار“ کے نام سے اضافہ کیا ہے لیکن یہ غلط ہے۔

درحقیقت یہ کتاب معانی الآثار ہی ہے جسے بروکلماں نے غلطی سے صحیح الآثار

سمجھا ہے، اسی طرح مولانا محمد یوسف صاحب نے شرح المعنی کا نام لیا ہے اور ثبوت میں

حافظ ابن حجر عسقلانی کا حوالہ دیا ہے کہ موصوف نے ”باب اذا صلی فی الثوب الواحد

فلیجعل علی عاتقه“ میں تصریح کی ہے کہ طحاوی نے بھی شرح المعنی میں اس موضوع پر

ایک باب باندھا ہے لیکن دراصل فتح الباری میں لفظ ”معانی“ کا الف رہ گیا ہے یہ طباعت

کی غلطی ہے جیسا کہ معانی الآثار سے ظاہر ہے، لہذا یہاں بھی شرح معانی الآثار صحیح ہے،

شرح المعنی غلط ہے۔



معانی الآثار کا مختصر تعارف

امام طحاویؒ کو اللہ تعالیٰ نے علم حدیث کا جو ملکہ اور استعداد عطا فرمائی تھی وہ بے مثال تھی، ناسخ و منسوخ کا علم، تطبیق بین الروایات اور ترجیح راجح کے باب میں وہ امام و مقتدی تھے، معانی الآثار جسے شرح معانی الآثار بھی کہا جاتا ہے اس بات پر شاہد عدل ہے، اس کے مقدمہ میں امام طحاویؒ فرماتے ہیں: ”سالنی بعض أصحابنا من أهل العلم أن أضع له كتاباً أذكر فيه الآثار الماثورة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الأحكام الخ“۔

اس پوری عبارت میں وہ کئی باتوں کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں۔

۱۔ ان کی کتاب صرف احادیث احکام پر مشتمل ہوگی۔

۲۔ اس میں حدیث مرفوع، موقوف، آثار صحابہؓ وغیرہ سب کا تذکرہ ہوگا۔

۳۔ فقہاء کے اختلافات اور ان کی مستدلالات کا تذکرہ ہوگا۔

۴۔ کتاب اللہ، سنت، اجماع، صحابہ و تابعین کے آثار متواترہ کے ذریعہ سے

ترجیح راجح کا اہتمام ہوگا۔

۵۔ ناسخ و منسوخ کی تعیین کر کے احادیث کے ظاہری تضاد کو رفع کیا جائے گا، بسا

اوقات روایات میں کمی بیشی ہوتی ہے اور روایت بالمعنی اور اختصار کے سبب بھی روایات میں

اختلاف آ جاتا ہے، اس لیے جب تک اس باب سے متعلق تمام احادیث اور فقہاء صحابہ

و تابعین کے آراء سامنے نہ ہوں تو پورا اطمینان حاصل نہیں ہو سکے گا، اس لیے امام طحاویؒ

نے ہمعصر دوسرے ارباب علم کی طرز تصنیف سے ہٹ کر اس بات کا التزام کیا کہ باب میں

تمام روایات و آثار سامنے آ جائیں۔

امام طحاویؒ معانی الآثار میں عموماً پہلے فریق مخالف کے مستدلالات لاتے ہیں پھر

اپنے نقطہ نظر کے موافق احادیث و آثار کو لاتے ہیں اور ان کی وجہ ترجیح بتاتے ہیں اور عمل صحابہ اور تابعین سے اس کی تائید پیش کرتے ہیں اور آخر میں ”نظر“ سے بھی اس کی ترجیح ثابت کرتے ہیں اور ہر وقت بحث کے آخر میں یہ تصریح کرتے ہیں کہ جس رائے کو انہوں نے راجح قرار دیا ہے یہ امام ابوحنیفہ اور صاحبین کا مذہب ہے اور اگر ان حضرات میں اختلاف ہو تو اس کو بھی ذکر کرتے ہیں۔

البتہ فریق مخالف کا نام نہیں لیتے صرف ”ذہب قوم الیٰ ہذہ الآثار وخالفہم فی ذلک آخرون“، کہہ دیتے ہیں، آثار مختلفہ میں امام طحاوی کی پہلی کوشش یہ ہوتی ہے کہ کسی طرح ظاہری تعارض و اختلاف کو ختم کر دیں اور ایسی تعبیر اور مفہوم پیش کر دیں کہ دونوں اخبار پر عمل ممکن ہو سکے، اگر جمع ممکن نظر نہ آئے تو اگر یہاں نسخ کا مسئلہ ہو تو وہ بیان کر کے تعارض کو ختم کر دیتے ہیں، اگر یہ بھی نہ ہو تو وجہ ترجیح سے کسی ایک کی ترجیح ثابت کرتے ہیں، امام طحاویؒ حسب معمول معانی الآثار میں بھی وہ منفرد طریقہ ترجیح اپناتے ہیں جس کے وہ خود موجد ہیں اور ان سے پہلے کسی کی رسائی وہاں تک نہ ہو سکی، وہ یہ کہ ترجیح روایات میں صرف راویوں کے جرح و تعدیل پر اکتفاء نہیں کرتے بلکہ احکام منصوصہ سے اپنے قواعد کلیہ کا استخراج و استنباط بھی کرتے ہیں جس کے تحت مختلف مسائل فرعیہ آسکتے ہوں، اس کے بعد اگر کسی راوی کی روایت سے معلوم شدہ حکم ان جزئیات کے خلاف ہو تو امام طحاویؒ اسے علت قادحہ شمار کرتے ہیں جس کو عرف طلباء میں ”نظر طحاوی“ کہا جاتا ہے اور یہ ترجیح بالرای نہیں کہلائے گی بلکہ جس اصل کلی میں مختلف جزئیات و نظائر آتے ہیں وہ متواتر کے حکم میں ہوتا ہے اور جو روایت اس کے خلاف ہو وہ شاذ شمار ہوگی اور اعتبار کے اس درجہ تک نہیں پہنچ سکے گی کہ قابل استدلال ہو تو یہ ”الاعتماد بقویٰ الحجج“ کے قبیل میں سے ہے (۱)۔

شرح معانی الآثار

معانی الآثار پر تخریج احادیث، شرح روایت، رجال اسناد، تلخیص وغیرہ کے اعتبار سے ہر زمانہ میں کام ہوتا آ رہا ہے چنانچہ ہم یہاں اس پر ہونے والے کام کی کچھ تفصیل ذکر کرتے ہیں۔

- ۱۔ علامہ بد الدین عینیؒ نیمعانی الاخبار فی رجال معانی الآثار کے نام سے اس کے رجال پر بحث کی ہے پھر مزید دو جامع شرح بھی لکھی ہیں۔
- ۲۔ نخب الافکار فی شرح معانی الآثار۔
- ۳۔ مبانى الاخبار فی شرح معانی الآثار۔
- ۴۔ حافظ عبدالقادر قرشی صاحب ”الجواهر المضية“ نے احادیث کی تخریج کر کے ”الحاوی فی تخریج احادیث الطحاوی“ کے نام سے کتاب لکھی ہے۔
- ۵۔ حافظ ابو محمد نے بھی معانی الآثار کی شرح لکھی ہے۔
- ۶۔ حافظ ابن عبدالبر نے معانی الآثار کی تلخیص کی ہے۔
- ۷۔ حافظ زبیلی صاحب ”نصب الرأیۃ“ نے بھی اس کی تلخیص کی ہے۔
- ۸۔ علامہ قاسم قطلوبغا نے رجال طحاوی پر ”الایثار برجال معانی الآثار“ کے نام سے کتاب لکھی ہے۔

۹۔ مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ نے امانی الاخبار کے نام سے شرح لکھی ہے لیکن آپ کے انتقال کی وجہ سے یہ شرح باب الوتر سے آگے نہیں جاسکی (۱)۔

(۱)..... مولانا محمد عاشق الہیؒ بلند شہری (متوفی ۱۴۲۲ھ) نے بھی جانی الاثر کے نام سے شرح لکھی ہے اور تہج الراوی کے نام سے احادیث کی تخریج کی ہے، اسی طرح مولانا محمد ایوب مظاہری نے بھی احادیث کی تخریج اور رجال معانی الآثار پر مشتمل ایک حاشیہ لکھا ہے جو کہ مکتبہ حقانیہ بلتان سے معانی الآثار کے ساتھ چھپا ہے۔

